



زکات میں تحقیق و مطالعہ

شرعی نقطہ نظر سے

www.KitaboSunnat.com

ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب

ادارۃ المعارف کراچی

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

*** توجہ فرمائیں! ***

کتاب وسنت ڈاٹ کام پر دستیاب تمام الیکٹرانک کتب.....

عام قاری کے مطالعے کے لیے ہیں۔

مجلس التحقیق الاسلامی کے علمائے کرام کی باقاعدہ تصدیق و اجازت کے بعد آپ

لوڈ (UPLOAD) کی جاتی ہیں۔

متعلقہ ناشرین کی اجازت کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔

دعوتی مقاصد کی خاطر ڈاؤن لوڈ، پرنٹ، فوٹوکاپی اور الیکٹرانک ذرائع سے محض مندرجات کی

نشر و اشاعت کی مکمل اجازت ہے۔

تنبیہ

کسی بھی کتاب کو تجارتی یا مادی نفع کے حصول کی خاطر استعمال کرنے کی ممانعت ہے۔

ان کتب کو تجارتی یا دیگر مادی مقاصد کے لیے استعمال کرنا اخلاقی، قانونی و شرعی جرم ہے۔

اسلامی تعلیمات پر مشتمل کتب متعلقہ ناشرین سے خرید کر

تبلیغ دین کی کاوشوں میں بھرپور شرکت اختیار کریں

نشر و اشاعت، کتب کی خرید و فروخت اور کتب کے استعمال سے متعلقہ کسی بھی قسم کی معلومات کے لیے رابطہ فرمائیں

ٹیم کتاب وسنت ڈاٹ کام

webmaster@kitabosunnat.com

www.KitaboSunnat.com

زَرَكَاتُ تَحْقِيقِي مَطَالَعِ شَرَعِي لِنَقْطَةِ بَرِّ نَظَرٍ

ڈاکٹر مولانا عصمت اللہ صاحب

www.KitaboSunnat.com



اِذَا زَكَتِ الْمَعَارِفُ كَرَّ اِطْمِئْنَانٌ

جملہ حقوقِ ملکیت بحق اِذَا زُالَمَ الْجَارُ فَنُجِرَ كِرَاجِيؑ محفوظ ہیں

باہتمام : مَجْلَدُ شَيْتَانِ نَبِيِّؑ

طبع جدید : رمضان ۱۴۳۰ھ - ستمبر ۲۰۰۹ء

مطبع : شمس پرنٹنگ پریس کراچی

ناشر : اِذَا زُالَمَ الْجَارُ فَنُجِرَ كِرَاجِيؑ

www.KitaboSunnat.com

ملنے کے پتے:

اِذَا زُالَمَ الْجَارُ فَنُجِرَ كِرَاجِيؑ

فون: 021-35049733, 021- 35032020

موبائل: 0300 - 2831960

✽ مکتبہ معارف القرآن کراچی ۱۴ ✽ دارالاشاعت، اردو بازار کراچی

✽ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور ✽

فہرست مضامین

صفحہ نمبر	عنوان
۱۹	تقریظ: شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم ...
۲۱ مقدمہ
۲۱ موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت
	باب اول
۲۳	ذَر - تعارف و حقیقت
۲۳ ذَر (Money) کی تعریف فقہائے کرام کے نزدیک
۲۳ پہلا نظریہ
۲۴ دوسرا نظریہ www.KitaboSunnat.com
۲۵ تیسرا نظریہ
۲۶ ذَر کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک
۲۷ تعریف ذَر کے اجزایا خصوصیات (Features)
۳۰ ذَر کی حقیقت (The Nature of Money)
۳۰ ① شیءِ صرفی (Consumption Goods)
۳۰ ② شیءِ پیداوار (Production Goods)
۳۲ مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں
۳۴ مذکورہ موقف اہل اسلام کی نظر میں
۳۸ ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

صفحہ نمبر	عنوان
۴۱	خلاصہ بحث.....
۴۲	زَر کی قسمیں.....
۴۲	① شمنِ خلقی.....
۴۲	② شمنِ عربی یا اصطلاحی.....
۴۳	ایک اہم فائدہ.....
۴۴	زَر اور مال میں فرق.....
۴۵	زَر اور کرنسی میں فرق.....
۴۶	کرنسی کی دو قسمیں.....
۴۶	زَر کا ارتقاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے زَر.....
۵۵	ارتقاء زَر کے تدریجی مراحل ایک نظر میں.....
۵۷	سکہ سازی کی تاریخ اور مختلف مراحل.....
۶۱	فلوس کی تاریخ.....
۶۲	سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟.....
۶۳	زَر اور اس کے شرعی و اقتصادی وظائف.....
۶۸	إفراطِ زَر اور تفریطِ زَر (Inflation and Deflation).....

باب دوم

رِبا (سود)

۷۰

۷۰

۷۳

۷۷

.....	تعریفِ ربا
.....	”رِبا النسیئہ“ کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق
.....	رِبا الفضل

صفحہ نمبر	عنوان
۷۸	حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ
۸۲	علت کے معنی اور علت و حکمت میں فرق
۸۶	ذَرِّعَاتِ ربا کی تحقیق
۹۱	ربا النسیئہ کی علت
۹۴	شمنیت کسے کہتے ہیں؟

www.KitaboSunnat.com

باب سوم

کرنسی نوٹ اور فلوس (Pices)

۹۶	نوٹ کسے کہتے ہیں؟
۹۷	نوٹوں کی فقہی و شرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)
۹۸	نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق پہلا نظریہ
۹۸	دلائل
۹۹	تفریعات (یعنی اس قول پر جو فرعی اور فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں)
۱۰۰	مناقشہ
۱۰۳	نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ
۱۰۴	دلائل
۱۰۵	تفریعات
۱۰۷	مناقشہ
۱۰۸	نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق تیسرا نظریہ
۱۱۰	دلائل
۱۱۱	تفریعات

صفحہ نمبر	عنوان
۱۱۲	مناقشہ.....
۱۱۲	نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا نظریہ.....
۱۱۸	دلائل.....
۱۲۰	نوٹ کی فقہی حیثیت میں قول راجح.....
۱۲۱	وجوہ ترجیح.....
۱۲۲	تنبیہ.....
۱۲۳	فائدہ.....
۱۲۳	فلوس (Pices) کی حقیقت.....
۱۲۴	فلوس کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ.....
۱۲۵	فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء.....
۱۳۱	ازالہ وہم.....
۱۳۲	خلاصہ.....
۱۳۳	محمد بن الفضل، شمس الاممہ سرحسی اور شمس الاممہ حلوانی کا موقف.....
۱۳۳	حضرات مالکیہ.....
۱۳۴	منشاء اول.....
۱۳۴	منشاء دوم.....
۱۳۷	علامہ ابن تیمیہ کا موقف.....
۱۳۷	علامہ ابن قیم القیم.....
۱۳۹	امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کا موقف.....
۱۳۹	امام شافعی کا موقف.....
۱۴۰	اہم تنبیہ.....

صفحہ نمبر	عنوان
۱۴۱	تناہیہ کا موقف.....
۱۴۲	اس بارے میں قولِ راجح.....
۱۴۲	وجہ ترجیح.....
باب چہارم	
بیع صرف	
۱۴۳	بیع صرف اور اس کی حقیقت.....
۱۴۳	بیع صرف لغت.....
۱۴۴	بیع صرف اصطلاحاً.....
۱۵۳	”بیع صرف“ اور اس کی شرطیں.....
۱۵۴	فائدہ.....
۱۵۵	تقابض (Possession).....
۱۵۸	مذکورہ شرط کی اہمیت.....
۱۵۹	شرط تقابض پر متفرع چند اہم مسائل.....
۱۵۹	ابراء، ہبہ اور صدقہ.....
۱۶۰	استبدال.....
۱۶۰	مقاصہ (Set off).....
۱۶۱	مقاصہ جبریہ (Compulsoy).....
۱۶۱	مقاصہ اختیاریہ (Optional).....
۱۶۳	تماثل / مماثلت (Similarity).....
۱۶۴	اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل.....

صفحہ نمبر	عنوان
۱۶۵ (Optional Condition) اختیار شرط
۱۶۵ اختیار کی تعریف
۱۶۶ اختیار شرط
۱۶۷ اختیار رؤیت
۱۶۷ اختیار عیب
۱۶۹ (Deferred Payment) اجل
۱۷۰ چند اہم متفرق مسائل
۱۷۳ ضمیمہ (Appendix)
۱۷۳ سونے چاندی، اور زیورات کے چند اہم مسائل
۱۷۳ چند ضروری مقدمات
۱۷۳ مقدمہ ۱
۱۷۵ مقدمہ ۲
۱۷۶ مقدمہ ۳
۱۷۷ مقدمہ ۴
 سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض
۱۷۹ خرید و فروخت
۱۸۳ نتیجہ
۱۸۳ تفریحات
۱۸۶ مینا کاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت
۱۸۶ چند مزید مسائل
۱۸۷ چند ناجائز صورتوں کی متبادل جائز صورتیں

صفحہ نمبر	عنوان
۱۸۸	نیارا (زرگروں کی مٹی) کی خرید و فروخت کا مسئلہ
۱۸۹	پرانے زیور سے نئے زیور کا تبادلہ
۱۹۰	پیٹنگی سودا لیکن لین دین بیک وقت
۱۹۲	ٹانگے کا مسئلہ
۱۹۳	تھجیت (Wastage)
۱۹۴	پہلی صورت
۱۹۵	دوسری صورت
۱۹۵	تیسری صورت
۱۹۶	سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروجہ جدید طریقے
۱۹۶	پہلا طریقہ
۱۹۶	کاروبار کا طریقہ کار
۱۹۷	اس کاروبار میں کمپنی کا کردار
۱۹۸	کاروبار کی اقسام
۱۹۸	قسم اول Spot/Cash Trading
۱۹۹	قسم ثانی Future Trading
۲۰۱	دوسرا طریقہ: ایک اور مروجہ صورت

www.KitaboSunnat.com

باب پنجم

۲۰۲

کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

۲۰۲

بیع صرف اور فلوس

۲۱۴

فلوس کی بیع کے صرف ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مالکیہ کا نقطہ نظر

صفحہ نمبر	عنوان
۲۱۶	کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیعِ صرف میں داخل ہے؟
۲۲۵	ترجیح
۲۲۵	فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ
۲۲۵	ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ بیع
۲۲۶	کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک قول جدید
۲۲۸	مناقشہ
۲۲۹	ملکی کرنسی کے بطورِ بیع تبادلے میں ”تقابلِ ص“ کا مسئلہ
۲۳۲	ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ قرض
۲۳۳	ایک ملک کی کرنسی میں ہنڈی کا حکم
۲۳۳	منی آرڈر کا حکم
۲۳۸	سُفْتَجَہ کی حقیقت
۲۳۸	سفتجہ کے لغوی معنی
۲۳۹	سفتجہ کے اصطلاحی معنی
۲۳۹	سفتجہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکلیف
۲۴۰	سفتجہ کا شرعی حکم
۲۴۰	فریقِ اول کے دلائل کا خلاصہ
۲۴۱	سفتجہ کی ممانعت کی علت
۲۴۲	استثناءات (Exceptions)
۲۴۳	فریقِ دوم کے دلائل
۲۴۵	مناقشہ
۲۴۶	مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ بیع

صفحہ نمبر	عنوان
۲۴۷	حضراتِ حنفیہ.....
۲۴۸	حضراتِ مالکیہ.....
۲۴۸	حضراتِ شافعیہ اور حنبلیہ.....
۲۴۸	مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ہینڈی کا حکم.....
۲۴۹	چند شبہات اور ان کا ازالہ.....
۲۵۳	کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا.....
۲۵۳	مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ قرض.....
۲۵۶	کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ معاہدہ/مواعدہ.....
۲۵۷	فارورڈ کور کنٹریکٹ.....
۲۶۳	مذکورہ عبارات خلاصہ.....
۲۶۳	دوسرا قول.....
۲۶۵	مذکورہ عبارات کا خلاصہ.....
۲۶۶	مناقشہ اور ترجیح.....
۲۶۷	دو طرفہ وعدے کے قضاء لزوم پر کیا اثر مرتب ہوگا؟.....
۲۶۸	کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عالمگیر شکل.....
	باب ششم
۲۷۲	قدرِ زّر (Value)
۲۷۲	قدرِ زّر.....
۲۷۳	قدرِ زّر کے تغیرات.....
۲۷۵	انقطاع (Forfeiture).....

صفحہ نمبر	عنوان
۲۷۶	مذہب فقہاء.....
۲۷۹	امام صاحبؒ کے قول کی وجہ.....
۲۷۹	صاحبینؒ کے قول کی وجہ.....
۲۸۰	مذہب مالکیہ.....
۲۸۱	شافعیہ.....
۲۸۲	حنابلہ.....
۲۸۳	کساد (Depression).....
۲۸۹	مالکیہ و شافعیہ.....
۲۹۲	حنابلہ.....
۲۹۳	خلاصہ بحث.....
۲۹۵	نقشہ مذاہب.....
۲۹۶	افراط زر (Inflation).....
۲۹۶	افراط زر کے معنی.....
۲۹۷	افراط زر کی خصوصیات (Characteristics).....
۲۹۷	افراط زر کی چند مشہور قسمیں.....
۲۹۸	قدر زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل.....
۲۹۹	تفریط زر (Deflation).....
۳۰۰	قدر زر کے تغیرات کے اثرات اور نتائج.....
۳۰۱	افراط اور تفریط زر سے متعلق شرعی نقطہ نظر.....
۳۰۲	قول جمہور.....
۳۰۶	امام ابو یوسفؒ کا مذہب.....

صفحہ نمبر	عنوان
۳۱۰	فائدہ
۳۱۰	حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح محمل
۳۱۲	قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)
۳۱۳	”اشاریہ“ کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل
۳۱۶	وضاحت
	کیا قرض اور اجرت کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے؟
۳۱۷	(Indexation System)
۳۱۸	قرضوں کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا شرعاً کیسا ہے؟
۳۲۵	۱- اشاریے میں درج شدہ اشیاء کی تعیین
۳۲۶	۲- اشیاء کے وزن (اہمیت) کی تعیین
۳۲۶	۳- اشیاء کی قیمت کا تعیین
۳۲۷	مزدوروں کی اجرتوں کو اشاریے کے ساتھ وابستہ کرنا
۳۲۸	پہلی صورت
۳۲۹	دوسری صورت
۳۳۰	تیسری صورت
۳۳۱	تیسری اور دوسری صورت میں فرق
۳۳۱	فلوس کی قیمت میں تبدیلی اور اقوال فقہاء
	باب ہفتم
۳۳۲	ذَرِّكَ اِعْتِبَارِي يَا ذَرِّكَ تِجَارَت (Credit Money)
۳۳۲	اعتبار (Credit) کی حقیقت

صفحہ نمبر	عنوان
۳۳۴	زیرِ اعتباری یا زَر تجارت کی حقیقت
۳۳۵	زیرِ اعتباری کی چاری خصوصیات
۳۳۵	زیرِ اعتباری کی مشہور قسمیں
۳۳۶	نوٹ
۳۳۸	زیرِ اعتباری کا ارتقاء
۳۴۰	زیرِ اعتباری اور اس کے وظائف
۳۴۱	چیکوں کے نظام کے فوائد
۳۴۲	مبادلاتی بلوں (Bill of Exchange) کے فوائد
۳۴۳	زیرِ اعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں
۳۴۵	زیرِ اعتباری میں لین دین کے طریقے
۳۴۵	تظہیر (Endorsement) کے قانونی تقاضے
۳۴۶	تظہیر (Endorsement) کی اقسام

باب ہشتم

مالیاتی دستاویزات

۳۴۹	۱- بیع الدین بالدین
۳۵۰	۲- بیع الدین ممن علیہ الدین
۳۵۱	۳- بیع الدین من غیر من علیہ الدین
۳۵۳	اہم نوٹ
۳۵۵	مذہب مالکی
۳۵۵	مذہب شافعی
۳۵۶	

صفحہ نمبر	عنوان
۳۵۸	خلاصہ.....
۳۵۸	حوالہ.....
۳۵۸	حوالہ کی تعریف.....
۳۵۹	اصطلاحات.....
۳۵۹	رکنِ حوالہ.....
۳۶۰	www.KitaboSunnat.com شرائطِ حوالہ.....
۳۶۰	اقسامِ حوالہ.....
۳۶۱	احکامِ حوالہ.....
۳۶۱	محال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں.....
۳۶۲	چیک (Bank Cheque).....
۳۶۲	چیک کی تعریف.....
۳۶۳	چیک کے اطراف.....
۳۶۳	چیک اور مبادلہ بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق.....
۳۶۳	چیک کی چند مشہور اقسام.....
۳۶۵	چیک کو مسترد (Dishonour) کرنے کی وجوہات.....
۳۶۶	چیک کی شرعی تکلیف.....
۳۷۱	ہنڈی (Bill of Exchange).....
۳۷۱	"Bill of Exchange" کی حقیقت اور تعریف.....
۳۷۳	ہنڈی کی شرائط.....
۳۷۵	بل آف ایکسچینج کی چند مشہور قسمیں.....
۳۷۵	بلحاظ مقام.....

صفحہ نمبر	عنوان
۳۷۶	بلحاظ مقاصد.....
۳۷۶	بلحاظ ادائیگی وقت.....
۳۷۷	بل کی تیاری کا طریقہ کار.....
۳۷۸	بل کی کٹوتی (Discounting of Bill of Exchange).....
۳۷۸	ہنڈی (Bill of Exchange) کی شرعی تکلیف.....
۳۸۰	کٹوتی (Discounting) کا حکم.....
۳۸۳	Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative).....
۳۸۶	مالیاتی دستاویزات کی تنظیم (Endorsement) کی فقہی تکلیف.....
	بنکی تحویلات (Remittances / Transfer of Money) کی شرعی
۳۸۷	تکلیف.....
۳۸۷	پرومیسری نوٹ / اقرار نامہ (Promissory Note).....
۳۸۸	حکم شرعی.....
	بل آف ایکسیچنج، چیک اور پرامیسری نوٹ کے آپس میں ایک دوسرے
۳۸۸	کے ساتھ کچھ اہم فرق.....
۳۸۸	چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق.....
۳۸۹	بل اور پرامیسری نوٹ میں فرق.....
۳۹۰	پرامیسری نوٹ اور چیک میں فرق.....
۳۹۰	کریڈٹ کارڈ (Credit Card).....
۳۹۱	① کریڈٹ کارڈ (Credit Card).....
۳۹۱	② ڈیبٹ کارڈ (Debit Card).....
۳۹۱	③ چارج کارڈ (Charge Card).....

صفحہ نمبر	عنوان
۳۹۲	شرعی احکام.....
۳۹۲	ڈیبٹ کارڈ کا شرعی حکم.....
۳۹۲	چارج کارڈ کا شرعی حکم.....
۳۹۲	کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم.....
۳۹۳ Automated Transfer Machine (ATM) کارڈ ایم
۳۹۶ (Bank Draft) بینک ڈرافٹ
۳۹۷ (Pay Order) پے آرڈر
۳۹۷ (Bond) بانڈ
۴۰۱ کمپنیوں کے بانڈز
۴۰۲ (Bonds Convertible into Shares) قابل تحویل بانڈز
۴۰۳ سرکاری بانڈز
۴۰۳ سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں
۴۰۵ بانڈز کا حکم شرعی
۴۰۵ مجمع الفقہ الاسلامی جدۃ کی قرارداد
۴۰۸ سرٹیفکیٹس
۴۱۰ گورنمنٹ سیکورٹی سرٹیفکیٹس
۴۱۳ شیئرز سرٹیفکیٹ
۴۱۴ بونس شیئرز
۴۱۵ (Warrants) تعہدات
۴۱۷ (Options) اختیارات
۴۱۹ آپشن کی چند مشہور اقسام

صفحہ نمبر	عنوان
۴۲۰	۱- خيار الطلب (Call Option)
۴۲۰	۲- خيار الدفع (Put Option)
۴۲۰	۳- خيار المركب (Stradle Option)
۴۲۱	حکم شرعی

۴۲۲

ضمیمہ ۱: Bai-al-Dain

ضمیمہ ۲: شیئرز اور اسٹاک آپیکینج میں کاروبار سے متعلق
اہم تحقیق

۴۲۴

۴۲۵

..... ڈے ٹریڈنگ

۴۲۵

..... فوری سودے (Spot Trading)

۴۳۴

..... مستقبل کے سودے (Futures)

۴۳۷

..... بدلہ کے معاملات

۴۳۹

اختتامیہ

www.KitaboSunnat.com

مراجع و مصادر

۴۴۳

(Bibliography)

۴۵۵

English Books



تقریظ

www.KitaboSunnat.com

شیخ الاسلام

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب

دامت برکاتہم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ، وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِهِ
 الْكَرِیْمِ وَعَلٰی اٰلِهِ وَصَحْبِهِ اَجْمَعِیْنَ، وَعَلٰی كُلِّ مَنْ تَبِعَهُمْ
 بِاِحْسَانٍ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ

عزیز گرامی مولانا عصمت اللہ صاحب کی کتاب ”زَرَّكَاتِ حَقِيقِي مَطَالَعَة“ دراصل ان کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے، اور میری نگرانی میں لکھا گیا ہے۔ مولانا اس کی تالیف کے دوران مجھ سے مشورے بھی کرتے رہے ہیں، اور میں نے اُسے تقریباً باستیعاب دیکھا ہے۔ ماشاء اللہ انہوں نے ”زَرَّ“ سے متعلق فقہی مسائل و مباحث کو بہت خوبی سے اس کتاب میں جمع فرمایا ہے، اور پیچیدہ مسائل پر فاضلانہ بحثیں کی ہیں۔ اس موضوع پر کام کرنے کے لئے زَرَّ سے متعلق عملی صورت حال کو بھی مد نظر رکھنا تھا، اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل کا خالص فقہی بنیادوں پر جائزہ بھی لینا تھا، ماشاء اللہ فاضل مؤلف نے دونوں پہلوؤں سے پوری احتیاط اور بالغ نظری کے ساتھ تحقیقی کام کیا ہے، اور اُمید ہے کہ ان شاء اللہ ان کی یہ تالیف اہل علم کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی اور تحقیق و نظر کے

دروازے کھولے گی۔

اللہ تعالیٰ ان کی اس محنت کو اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اسے نافع بنا لیں، اور یہ ان کے لئے ذخیرہ آخرت ثابت ہو، آمین، وَمَا تَوْفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ۔

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۷ رجب ۱۴۳۵ھ

دارالعلوم کراچی ۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

مقدمہ

موضوع کا تعارف اور اس کی اہمیت

اس میں شک نہیں کہ اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستورِ حیات ہے، یہ وہ دین ہے جو ہر زمانے کے حالات اور تقاضوں سے مطابقت رکھتا ہے، اور جملہ شعبہ ہائے زندگی کے احکام کو جامع ہے، اور ہر شعبہ زندگی سے متعلق اسلام میں ہدایات موجود ہیں۔

انسانی معاشرے میں باہمی لین دین (Dealing) کے لئے ”زَرِّ“ (Money) کی حیثیت ریڑھ کی ہڈی کی سی ہے، بلکہ باہمی معاملات کا مدارِ اصلی زَرِّ ہی ہے۔ ”زَرِّ“ کے استعمال کا سلسلہ مختلف شکلوں میں زمانہ قدیم سے چلا آ رہا ہے، اسلام سے قبل بھی، اور اسلام کے بعد بھی، مختلف ادوار میں زَرِّ کی شکلیں بدلتی رہیں، اور اس کی قدر و قیمت (Value) میں تغیرات اور اتار چڑھاؤ ہوتا رہا، جس کی وجہ سے زَرِّ کی بہت ساری صورتیں اور قسمیں وجود پذیر ہوئیں، جس کے نتیجے میں بہت سے نئے مسائل نے جنم لیا، اور جنم لے رہے ہیں۔

کچھ عرصے سے پورے عالم اور خاص طور پر پاکستان میں ”اقتصاد“ کو اسلامی سانچے میں، اور اس کو سود جیسی لعنت سے پاک کرنے کی کوششیں ہو رہی ہیں، اور اس سلسلے میں پاکستان کی عدالتِ عالیہ فیصلہ بھی دے چکی ہے۔ جس پر عنقریب عمل درآمد متوقع ہے،

اس سے اس موضوع کی اہمیت و نزاکت اور بڑھ گئی ہے۔

اس موضوع پر اردو یا انگریزی زبان میں جو کام ہوا ہے، وہ مختصر اور عدم جامعیت کی بناء پر نہ ہونے کے برابر ہے، علمائے عرب نے زر پر اگرچہ خاصا تحقیقی کام کیا ہے، اور اس کے مختلف احکام اور اقسام کو ذکر کیا ہے، لیکن بہت سارے احکام میں ان کی آراء میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، جس کی وجہ سے حتمی نتائج تک پہنچنا بسا اوقات دشوار ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ زر کی مختلف صورتوں کے احکام منتشر طریقے سے کتابوں میں مذکور ہیں، اور بعض صورتیں ایسی ہیں جو ہنوز تحقیق طلب ہیں، مثلاً: زر کی حقیقت (Nature)، بوئذ زر کی مختلف اقسام کے شرعی احکام، مختلف تمسکات کا شرعی جائزہ، بنک چیک کی شرعی حیثیت، اور اس پر قبضے کی شرعی حیثیت، اس زمانے میں افرایہ زر سے پیدا شدہ مسائل کے بارے میں غور اور ان کا شرعی حل، خاص طور جہاں افرایہ زر تقریباً کساد کی حد تک پہنچا ہو، جیسا کہ افغانستان وغیرہ میں یہ مسئلہ درپیش ہے، اور ان جیسے متعدد مسائل، جیسا کہ آگے تفصیل سے ان شاء اللہ تعالیٰ اندازہ ہو جائے گا، اس لئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس موضوع پر ایک ایسا تحقیقی مقالہ لکھا جائے جو قومی زبان میں ہو، اور عام فہم و جامع ہونی جن مسائل میں اختلاف رائے پایا جاتا ہے، قرآن و سنت اور اس سے مستفاد اصول کی روشنی میں ان کی ترجیح تلاش کی جائے۔

اس اہمیت کے پیش نظر اس موضوع کو ایم فل۔ پی ایچ ڈی کے لئے منتخب کیا گیا ہے، تاکہ قرآن و حدیث کی روشنی میں اس موضوع کا تفصیلی تجزیاتی تحقیقی مطالعہ کیا جائے اور متعلقہ مسائل کو ایسے انداز میں مرتب کیا جائے کہ مزید تحقیق کرنے والوں کے لئے مشعل راہ ثابت ہو۔

یہ مقالہ مقدمہ، آٹھ ابواب اور اختتامیہ پر مشتمل ہے۔

باب اول

زر - تعارف و حقیقت

www.KitaboSunnat.com

زر (Money) کی تعریف فقہائے کرام کے نزدیک

عربی زبان میں ”زر“ کو ”نقد“ کہتے ہیں، جس کی جمع ”نقدود“ ہے۔

قدیم فقہی عبارات اور نصوص پر غور کرنے سے جو بات سامنے آتی ہے، وہ یہ ہے کہ ان کی رو سے زر (نقد) کا اطلاق اس درجہ عموم کے ساتھ نہیں ہے، جس درجہ عموم کے ساتھ ماہرین اقتصاد (Economists) کے ہاں اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ فقہائے کرام کی عبارات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں ”زر“ کے اطلاق میں تین نظریات ہیں:

پہلا نظریہ

زر سے مراد مطلقاً سونا چاندی ہے، یعنی خواہ ڈھلے ہوئے سکے کی شکل میں ہو، جیسا کہ درہم و دینار یا ڈلی وغیرہ کی شکل میں ہو۔^(۱)

(۱) تبیین الحقائق شرح كنز الدقائق الزیلعی (الامام فخر الدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی)، بیروت دارالکتب العلمیة، طبع اول ۱۳۰۰ھ: ”یعنی اذا وجد معدن ذهب او فضة وهو المراد بالنقد او حديد الخ“ (۹۳/۲)۔

فتح القدير شرح الهدایة، ابن الهمام، (الامام محمد بن عبد الواحد بن الهمام) کوئٹہ مکتبہ رشیدیہ، فی باب الربا: ”كما فی اناءین من جنس واحد حديد او ذهب او فضة احدهما اكثر وزنا من الآخر، (باقی اگلے صفحے پر)

دوسرا نظریہ

زر سے مراد صرف ڈھلا ہوا سکہ مراد ہے، یعنی درہم و دینار، لہذا سونے یا چاندی کے برتن یا ڈلی یا کسی اور شی کو جو سونے یا چاندی سے بنی ہوئی ہو، اس کو زر نہیں کہا جائے گا۔^(۲)

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) ففی الاناءین من غیر النقدين یجوز بیع احدهما بالآخر الخ (۱۵۸/۶)۔
تحفة المحتاج الہیتمی، (العلامة ابن الحجر الہیتمی الشافعی): والنقد ای الذهب والفضة ولو غیر مضر وبین، وتخصیصه بالمضروب مہجور فی عرف الفقہاء الخ (۲۷۹/۳)

(۲) تحریر الفاظ التنبیہ النووی، (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی) دمشق، دار القلم، طبع اول ۱۴۰۸ھ

”النقد“ الدرہم والدنانیر “ (ص ۱۱۳)

القاموس الفقہی لغة واصطلاحاً، سعدی ابو حبیب،: ”العملة من الذهب والفضة ویقال لهما النقدان (ج) نقود“

فتح القدير، ابن الہمام، فی باب الصرف: ”وانما قال: من جنس الاثمان ولم یقتصر علی قوله: ”بیع ثمن بثمان“ لیدخل بیع المصوغ بالمصوغ او النقد الخ“ (۲۵۹/۶)۔
اس عبارت میں ”مصوغ“ کو ”نقد“ سے الگ کر دیا ہے، جس کا صاف مطلب یہی ہے کہ نقد کا اطلاق صرف درہم و دینار پر ہوتا ہے۔

حاشیة الدسوقي علی الشرح الكبير، الدسوقي، (محمد عرفہ الدسوقي)، بیروت دار الفکر: ”وحرّم — ای الربا۔ فی نقد ذهب وفضة ولو قال: ”فی عین“ کان اولی لان النقد خاص بالمسکوک الخ“ (۲۸/۳)

احکام الاوراق النقدیة الجعید، (ستر بن ثواب الجعید، الطائف، مکتبۃ الصدیق، طبع اول، ۱۴۱۳ھ: ”وقد اعترض الاسنوی علی احد تراجم المنہاج — باب زکوة النقد — بما یفہم منه موافقته لهذا الفریق اذ یقول: اعلم ان النقد هو المضروب من الذهب والفضة خاصة فلو عبر المصنف بهما کم عبر الخ“ (ص ۳۲)

اس مسئلہ میں سونے یا چاندی کے برتن پر بھی ”نقد“ کا اطلاق کیا گیا، اور اس جگہ یہی ثابت کرنا مقصود ہے۔

ان دو نظریوں کی رو سے زَرَّكَ اطلاق فلوس (Pices) یا دوسری اشیاء پر نہیں ہوگا۔

تیسرا نظریہ

اصل زَرَّكَ اگرچہ سونا، چاندی ہے، لیکن اس کا اطلاق سونے چاندی کے علاوہ دیگر اشیاء پر بھی ہو سکتا ہے، چنانچہ اس نظریے کے مطابق ”زَرَّكَ“ کا اطلاق ”فلوس“ (Pices) پر بھی ہو سکتا ہے۔^(۱)

اور جب فلوس پر اس کا اطلاق درست ہے، تو دوسری اشیاء پر پر بھی اس کا اطلاق ممنوع نہیں ہوگا، بشرطیکہ ان میں وہ شرائط پائی جائیں، جو ”زَرَّكَ“ کے اطلاق کے لئے ضروری ہے۔

غرضیکہ فقہائے کرام کے نزدیک زَرَّكَ اطلاق تین طریقوں سے ہوتا ہے، صرف درہم و دینار پر اس کا اطلاق، زَرَّكَ یہ اطلاق بہت ہی محدود اور سب سے اخص ہے، سونے

(۱) بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع الکاسانی (العلامة علاء الدین ابوبکر الکاسانی)، کراچی، ایچ ایم سعید، طبع اول ۱۳۲۸ھ: ”وجہ قولہ: (ای الامام محمد بعدم جواز بیع الفلوس بجنسها متفاضلا۔۔۔ عصمت) ان الفلوس اثمان، فلا یجوز بیعها بجنسها متفاضلا کالدراہم والدنانیر۔“ (۱۸۵/۵)۔

_____ المغنی والشرح الکبیر، ابن القدامة، (عبد اللہ بن قدامة) السعودیة، مکتبۃ الریاض، ۱۳۰۳ھ: ”فان احمد قال: لا اری السلم فی الفلوس لانه یشبه الصرف وهذا قول محمد بن الحسن وابی ثور، لانها ثمن فجازت الشركة بها کالدراہم والدنانیر۔“ (۱۲۵/۵)

_____ احکام الاوراق النقدیة الجعید، (ستر بن ثواب الجعید) ”ابن وهب عن الیث بن سعد عن یحیی بن سعید وربیعہ انهما کرھا الفلوس بالفلوس بینهما فضل او نظرة، وقال: انها صارت سكة مثل سكة الدنانیر والدراہم۔“ (ص ۳۳)۔

_____ مجموع الفتاوی ابن تیمیہ، (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ)، السعودیہ، مطابع الریاض، طبع اول، ۱۳۸۳ھ ”والاظهر المنع من ذلك فان الفلوس الناقصة یغلب علیها وتجعل معیارا لاموال الناس۔“ (۳۶۸/۲۹)

چاندی پر اس کا اطلاق، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل (Shape) میں ہو، اس میں پہلے کی نسبت عموم پایا جاتا ہے، اور تیسرا اطلاق سب سے عام ہے، کیونکہ اس کی رُو سے زَر کا اطلاق فلوس پر بھی ہو سکتا ہے۔

یاد رہے کہ فلوس سونے یا چاندی کے نہیں ہوتے، بلکہ تانبے وغیرہ کے ہوتے ہیں، تفصیل باب دوم میں ملاحظہ فرمائیں!

زَر کا تیسرا اطلاق ماہرین اقتصاد (Economists) کے موقف کے زیادہ قریب ہے، ذیل میں تفصیل دی گئی ہے۔

زَر کی تعریف ماہرین اقتصاد کے نزدیک

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ”زَر“ کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

”جو چیز عفاً آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہو، اور وہ قدر زَر کا پیمانہ ہو، اور

اس کے ذریعے مالیت کو محفوظ کیا جاتا ہو، اسے ”زَر“ کہتے ہیں۔“^(۱)

پروفیسر کراؤتھر (Prof. Crowther) زَر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

”زَر سے مراد وہ شے ہے، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور جو ساتھ

ہی ساتھ معیارِ قدر اور ذخیرہ قدر کا فرض بھی سرانجام دے۔“^(۲)

ڈاکٹر عدنان خالد ترکمانی اپنی کتاب میں زَر کی تعریف ان الفاظ کے ساتھ

کرتے ہیں:

”النقد عبارة عن كل شيء يلقى قبولا عاما كوسيط للتبادل

ومقياس للقيمة مهما كان ذلك الشيء وعلى اى حال

يكون“

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، ادارۃ المعارف کراچی ۱۳۔ طبع اڈل ۱۹۱۹ھ۔

(۲) تعارف زَر و بنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع

اڈل ۱۹۹۱ء۔

”زَر“ ہر اس شے کو کہتے ہیں، جو آلہ مبادلہ کی حیثیت سے مقبول عام ہو، اور معیار قیمت ہو، وہ شے کچھ بھی ہو، اور کسی بھی حالت میں ہو۔“ (۱)

کیول کرشن اپنی کتاب میں زَر کی تعریف یوں کرتے ہیں:

"Money may be defined as the means of valuation and of payments : as both the unit of account and the generally accepted medium of exchange" (2)

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو مذکورہ بالا تعریفات میں ذکر ہوا۔

تعریف زَر کے اجزایا خصوصیات (Features)

ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ زَر کے چار اہم اجزایا خصوصیات ہیں:

①- زَر کا آلہ مبادلہ ہونا۔

②- مقبول عام ہونا۔

③- پیمانہ قدر ہونا۔

④- مالیت محفوظ کرنے کا ذریعہ ہونا۔

ہر جزء کی مختصر تشریح ذیل میں ملاحظہ ہو:

①- زَر آلہ مبادلہ ہے:- ہر انسان کو زندگی میں مختلف اشیاء کی ضرورت پڑتی

ہے، لیکن ہر چیز ہر ایک کے پاس ہونا ضروری نہیں، ایک چیز ایک شخص کے پاس ہے، تو دوسرے کے پاس نہیں، اور دوسرے کے جو چیز ہے، وہ اس کے پاس نہیں، اس وقت ایک دوسرے سے تبادلے کی کیا صورت ہوگی؟ سامان کو ذریعہ تبادلہ بنانا مشکل ہے، کیونکہ ہر

(۱) السیاسة النقدية والمصرفية في الاسلام التركماني (الدكتور عدنان خالد التركماني)

بہروت، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۰۹ھ

(2) Modren Economic Theory. Dewett. Kewal Krishan India Delhi, Eighteen revised edition, 1983. P:409

آدمی کو ہر سامان کی ہر وقت ضرورت نہیں ہوتی، اور نہ ہر ایک کا ہر سامان پر راضی ہونا ضروری ہے، اس کے لئے اللہ تعالیٰ نے سونے چاندی کو ذریعہ تبادلہ (Medium of Exchange) کے طور پر پیدا فرمایا، اور ہر انسان کے دل میں ان دونوں کی محبت و عظمت اس طرح ڈالی کہ ہر آدمی اس کو قبول کرنے پر طبعی طور پر بھی مجبور ہے، چنانچہ شروع سے لے کر آج تک یہ قابلِ قدر ہے، اور معنوی حیثیت سے اب تک یہی ذریعہ تبادلہ ہے، گو صورتِ اس میں تعیم کی گئی، اور زَرَّ کا مفہوم وسیع تر ہوتا گیا۔

④- زَرَّ مقبولِ مہم ہو:- زَرَّ بننے والی شئی کے لئے ضروری ہے کہ اس میں قبولیتِ عامہ کا وصف موجود ہو، یعنی ہر شخص اسے کسی حیل و حجت کے بغیر قبول کر کے اس کے عوض مطلوبہ شئی دینے کے لئے تیار ہو۔

⑤- زَرَّ پیمانہ قدر ہو:- سامان کی قیمتوں کا معیار کیا ہو؟ اگر اس کے لئے کوئی معیار اور پیمانہ مقرر نہ ہو، تو ہر آدمی اپنے اندازے اور مفاد کے مطابق قیمتوں کا تقرر کرے گا، جس سے نزاع کی صورت پیدا ہوگی، مثلاً اگر زَرَّ نہ ہوتا، تو ایک اُونٹ کی قیمت سامان اور دیگر اشیاء سے کیا ہو؟ اس کا فیصلہ بہت مشکل ہوتا، زَرَّ نے اس مشکل کو نہایت آسان کر دیا، اب زَرَّ پیمانہ اور معیار (Measure of value) قرار دیا گیا، اُونٹ کی قیمت اب زَرَّ سے لگنی چاہئے، نہ کہ سامان سے، اور اس میں اب کوئی نزاع یا مشکل درپیش نہیں ہوگی۔

⑥- مالیت محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہو:- اس کا مطلب یہ ہے کہ کسی کے پاس کوئی جنس رکھی ہوئی ہو، تو اس کی قیمت کم و بیش ہوتی رہتی ہے، نیز ضروری نہیں کہ ہر وقت اس کا کوئی خریدار مل جائے، اس لئے اس کی مالیت مکمل طور پر محفوظ نہیں، اس کے بجائے اگر زَرَّ رکھ لیا جائے، تو عام حالات میں اس سے مالیت محفوظ رہتی ہے یعنی غیر معمولی حالات سے قطع نظر، اس کی ذاتی قیمت یکساں رہتی ہے، نیز اس سے کوئی بھی چیز جب چاہیں خرید

جا سکتی ہے۔^(۱)

خلاصہ بحث یہ کہ:-

①- ”زر“ کا اطلاق سونے اور چاندی پر متفق علیہ ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں، نہ فقہائے کرام کا اور اقتصادیین کا۔

②- ایک موقف یہ ہے کہ سونے یا چاندی جب درہم یا دینار کی شکل میں ہو، تو زر ہے، ورنہ نہیں۔

③- ایک موقف یہ ہے کہ اس سلسلے میں عموم پایا جاتا ہے کہ سونا چاندی کسی بھی شکل میں ہوں، وہ زر کے حکم میں داخل ہیں۔

④- ایک موقف کے مطابق اس میں کچھ زیادہ عموم اور توسع پایا جاتا ہے، جن میں زر کا اطلاق فلوس پر بھی کیا گیا ہے۔

⑤- اقتصادیین (Economists) کے ہاں ”زر“ کا مفہوم اور بھی وسیع ہو گیا، اور ان کے ہاں زر ہر اس شے سے عبارت ہے، جس میں مذکورہ خصوصیات پائی جائیں۔

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية في الفقه الاسلامي

تعارف ڈروپکاری

— اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

— مقدمة في النقود والبنوك، الدكتور محمد زكي شافعي، بيروت، دار النهضة العربية، طبع ہفتم۔

جدید فقہی مباحث، قاسمی (مولانا مجاہد الاسلام قاسمی)، کراچی ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، جلد دوم۔

The Theory of Money and Credit. Mises, Ludwig Von Mises

— السياسة النقدية والمصرفية في الاسلام، التركمانی (الدكتور عدنان خالد التركمانی)، بيروت مؤسسة الرسالة، ۱۴۰۹ھ۔

— تطور النقود في ضوء الشريعة الاسلامية، الحسنی (الدكتور احمد حسن احمد الحسنی)، جدة، دار المدنی، طبع اول، ۱۴۱۰ھ۔

①- بعد کے بیشتر علمائے اسلام بھی زَر کے مذکورہ مفہوم عام پر متفق ہو گئے، اور احکام شرعیہ میں اس عموم کا اعتبار کیا، جیسا کہ آگے تفصیلات سے ان شاء اللہ تعالیٰ واضح ہو جائے گا۔

زَر کی حقیقت (The Nature of Money)

زَر کی حقیقت سے مراد اس کی ”طبیعت“ (Nature) ہے، یہ بہت ہی اہم مسئلہ ہے، کیونکہ سود کو جائز قرار دینے کے لئے جو حیلے بہانے تراشے جاتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ ”زَر“ کے ساتھ ”شئ“ (Commodity) جیسا معاملہ کیا جائے، لہذا جس طرح کسی شئ مثلاً کتاب یا دکان یا مکان کو بیچا جاتا ہے، اور اس کی قیمت یا ہی رضامندی سے کچھ بھی مقرر کی جاسکتی ہے، اسی طرح زَر کا معاملہ بھی ہے، کہ اس کی قیمت خواہ کچھ بھی لگائی جائے، خواہ قیمت اسمیہ (Face Value) سے زیادہ ہی کیوں نہ ہو، جائز ہے، اور یہ کوئی سود نہیں ہے، اسی طرح جب ایک مکان یا دکان کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے، اور اس پر کرایہ وصول کیا جاسکتا ہے، یہی حال زَر کا بھی ہونا چاہئے کیونکہ زَر بھی تو ایک شئ ہے۔

خلاصہ یہ کہ زَر ان حضرات کے نزدیک من جملہ اشیاء (Commodities) میں سے ہے، جو حکم معاملات (Transactions) میں دیگر اشیاء کا ہے، وہی حکم زَر کا بھی ہوگا، اور جو سلوک دیگر اشیاء کے ساتھ کیا جاتا ہے، وہی سلوک زَر کے ساتھ بھی ہوگا۔

یہ حضرات اشیاء کو دو قسموں میں تقسیم کرتے ہیں:

① شئِ مَصْرَفِی (Consumption Goods)

② شئِ پیدوار (Production Goods)

شئِ مَصْرَفِی کا مطلب یہ ہے کہ اس کو صرف کر کے اس سے براہِ راست انسانی حاجت پوری ہو، مثلاً اس کو کھایا جائے، یا پیاجائے، یا اس کو پہنا جائے، وغیرہ۔

شئِ پیدوار کا مطلب یہ ہے کہ وہ محل تجارت (Tradable) ہو، اس کی خرید

وفروخت ہو، اس کو اجارہ (Leasing) اور کرایہ پر دیا جائے، اور اس سے منافع (Profit) حاصل ہو۔

جو لوگ زَرَکُو "شی" مانتے ہیں، ان کے نزدیک زَرَکُو دوسری قسم میں داخل ہے، یعنی ان کے نزدیک زَرَکُو "شی" پیداوار (Production Goods) ہے۔

لہذا دیگر اشیائے پیداوار کی طرح زَرَکُو میں کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت جائز ہوگی، نیز اس کو قرض دے کر اس پر سود (Interest) لینا درست ہوگا، گویا کہ زَرَکُو ان کے ہاں محل تجارت ہو اور اس میں اخلاقی یا شرعی طور پر کوئی قباحت نہیں ہوگی۔^(۱)

"زَرَ" کی حقیقت اور طبیعت (Nature) سے متعلق مذکورہ موقف یا نظریہ

(۱)

The Historic Judgment on Interest, Usmani, (Justice Muhammed Taqi Usmani), Karachi, Idaratul_Ma, araf, 1st edition, 2000 A.D, P:93

"The commodities are classified into the commodities of first order which are normally termed as 'consumption goods' and the commodities of the higher order which are called 'production goods'. Since money, having no intrinsic utility, could not be included in 'consumption goods' most of the economists had no option but to put it under the category of production goods."

The Theory of Money and Credit, Ludwig Von Mises, Liberty Classics Indianapolis, 1918, P: 95, Ch:5 Part:one

"It is usual to divide economic goods into the two classes of those which satisfy human needs directly and those which only satisfy them indirectly: that is 'consumption goods', or goods of the first order, and production goods, or goods of the higher order."

Introduction to Economic Principles, Dr. A.N Agarawala, Katab Mahal 1983.

"Robertson defines money as a commodity which is used to denote any thing which is widely accepted in payment for goods or in discharge of other kinds of business obligation."

_____ الربا خطرہ وسبب الخلاص منه - الحماد، (الدكتور حمد بن عبد العزيز الحماد)

مصر، مطبعة المدنی، طبع اول ۱۴۰۳ھ (ص ۲۸)۔

_____ جہاد فی رفع ہلو الربا الشیخ (محمد خاطر محمد الشیخ)، مصر، مطابع الہرام

التجاریة، القاہرہ، (ص ۲۲)

شرعی نقطہ نظر سے

(Theory) اس قدر کمزور اور بے بنیاد ہے، کہ اس کو نہ صرف علمائے اسلام نے ردّ کیا ہے، بلکہ خود بیشتر ماہرین معاشیات بھی اس کی نفی کرتے ہیں۔

ہم اس مقالے میں پہلے ماہرین معاشیات کی طرف سے اس نظریے کا ابطال (Negation) پیش کریں گے، اور اس کے بعد علمائے اسلام کی متعلقہ آراء بیان کریں گے۔

مذکورہ موقف اہل اقتصاد کی نظر میں

(1) Kewal Krishan Dewett اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-

"How money differs from goods? Goods are mainly of two types: the consumer goods, and producer or capital goods. It cannot be consumed as such. There was a time when some commodities served as money and there are exceptional circumstances in modern time too, e.g. in Germany in 1945 when there was hyper inflation, cigarettes served as money. But normally is not an ordinary consumer good..."

Money cannot also be regarded as a capital good. Capital goods like machines and raw materials help in the manufacture of goods by their physical transformation....It performs entirely a different function. Money is an exchange good, and useful only in an exchange economy."

خلاصہ اس عبارت کا یہ ہے کہ اشیاء دو قسم کی ہیں: اشیائے صرفی اور اشیائے سرمایہ یا پیداوار، ”زّر“ پہلی قسم میں عام حالات میں داخل نہیں ہو سکتا، کیونکہ زّر اس طرح خرچ نہیں کیا جاسکتا کہ اس سے براہ راست کوئی انسانی ضرورت پوری ہو، اسی طرح زّر اشیائے سرمایہ میں سے بھی نہیں ہو سکتا، اشیائے سرمایہ مثلاً مشینری یا خام مال ذاتی طور پر دوسرے مال بنانے میں مدد دیتا ہے، لیکن زّر یہ میں یہ خاصیت موجود نہیں، اس کا وظیفہ

(1) Modren Economic Theory, P:409

بالکل مختلف ہے، زّر صرف شیء مبادلہ ہے، اور مبادلے کا ذریعہ ہے۔

پروفیسر محمد منظور علی اپنی کتاب میں لکھتے ہیں:-(^۱)

”زّر یعنی نوٹ اور اس کے سکے براہ راست صرّنی شیء (Consumer Good) نہیں ہے، یعنی زّر کسی انسانی حاجت کو براہ راست پورا نہیں کرتا، کیونکہ یہ کھانے یا پہننے یا رہنے کے کام نہیں آتا، مثلاً آپ سونے کے سکے یا کاغذ کے نوٹ یا بینک چیک کو نہ کھا سکتے ہیں، نہ بدن پر پہن سکتے ہیں،..... کوئی صرّنی شیء صرف دو حالتوں میں زّر بن سکتی ہے، یا تو قدیم طرز کی پس ماندہ سوسائٹی میں یا پھر غیر معمولی حالات میں، جنگِ عظیم کے بعد جب جرمنی کو شکست ہوئی، تو وہاں سگریٹ نے زّر کا مرتبہ حاصل کر لیا تھا،.....

”زّر“ اشیائے سرمایہ سے بھی مختلف ہے، کیونکہ زّر کے فرائض اشیائے سرمایہ کے فرائض سے بالکل مختلف ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ زّر صرف اس لئے کارآمد ہے کہ اسے آلہ مبادلہ کی حیثیت حاصل ہے۔“

Ludwig Von Mises نے اپنی کتاب^(۲) میں اس نظریے کی تردید میں باقاعدہ ایک باب (Chapter) باندھا ہے، جو ۱۳ صفحات پر مشتمل ہے، اس باب کا عنوان ہی یہی ہے، عنوان ملاحظہ ہو:-

Money an economic good "Money neither a production good nor a consumption good"

”یعنی زّر نہ شیء سرمایہ ہے، اور نہ ہی شیء صرّنی ہے۔“

اس باب میں صاحب کتاب نے مفصل بحث کی ہے، اور دلائل بیان کئے ہیں،

(۱) کتاب معاشیات ص (۱۱۶)، پروفیسر محمد منظور علی طبع ۱۹۸۲ء علی کتاب خانہ

The Theory of Money and Credit ,P:95 (۲)

لیکن آخر میں جو نتیجہ نکالا ہے، اور اس کو انصاف پر مبنی قرار دیا ہے، وہ یہ ہے کہ اشیاء کی تقسیم ثنائی نہیں، بلکہ ثلاثی ہے، یعنی اشیاء کو بجائے دو میں تقسیم کرنے کے تین قسموں میں تقسیم کرنا چاہئے:-

۱- وسائل پیداوار۔

۲- اشیائے صرف۔

۳- ذریعہ مبادلہ۔

اور یہ کہ اگر اس نظریے کو اپنایا جائے (یعنی یہ کہ ذرّشی پیداوار میں داخل ہے)، اور اس کے ساتھ اشیاء کا معاملہ کیا جائے، تو یہ آدم سمٹھ (Adam Smith) کے بقول ”مردہ ذخیرہ“ (Dead Stock) ہوگا، جو کسی کام کا نہیں۔^(۱)

اس کے علاوہ معیشت پر لکھی ہوئی بیشتر کتابوں میں ”ذَرِّ“ کی جو تعریف اور ذَرِّ کے جو وظائف (Functions) بیان کئے گئے ہیں، ان میں اس بات کا ذکر نہیں کہ ذرّشی پیداوار بھی ہے، بلکہ ان سب نے ذَرِّ کو آلہ مبادلہ (Media of Exchange) کہا ہے۔

مذکورہ موقف اہل اسلام کی نظر میں

مذکورہ نظریے کو جس طرح اہل اقتصاد نے باطل اور بے بنیاد قرار دیا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل ذکر ہوئی، اسی طرح اس نظریے کا ابطال اہل اسلام کی عبارات سے بھی ہوتا ہے، علمائے اسلام میں سے کسی نے اس نظریے کی تائید نہیں کی ہے، ان علماء و فقہاء کی عبارات میں اگرچہ صراحتاً اس نظریے کی تردید نہیں کی گئی ہے، لیکن انہوں نے ذَرِّ کی جو حقیقت (Nature) بیان فرمائی ہے، اس سے خود بخود مذکورہ موقف کی تردید ہو جاتی ہے،

(1) The theory of Money and Credit :

"This is the complete justification the suggestion put forward by Knies that economic goods should be divided into means of production, objects of consumption, and media of exchange". P:502

"Regarded from this point of view, these goods what Adam Smith called them "dead stock, which produces nothing." P:102

گو بعض نے صراحت بھی ہے۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے سود سے متعلق سپریم کورٹ آف پاکستان کے لئے جو مشہور فیصلہ لکھا ہے، اور جس نے ایک تاریخی حیثیت حاصل کی ہے، یعنی "The Historic Judgment on Interest" اس میں انہوں نے اس نظریے کی اسلامی اور اقتصادی نقطہ نظر سے تفصیل سے تردید فرمائی ہے۔^(۱)

انہوں نے اسلامی نقطہ نظر سے "زَر" (Money) اور "شے" (Commodity) میں تین بنیادی فروق بیان فرمائے ہیں، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:

۱- زَر براہِ راست انسانی ضرورت و حاجت کو پورا نہیں کر سکتا، زَر اشیاء (Commodities) اور خدمات (Services) کے حصول کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، جبکہ شے براہِ راست انسانی ضرورت کو پورا کر سکتی ہے۔

۲- اشیاء کے مختلف معیار ہوتے ہیں، (کوئی شے جہنگی ہوتی ہے، اور کوئی شے سستی ہوتی ہے۔) جبکہ زَر کی سوائے اس کیفیت کی اور کوئی کیفیت نہیں کہ وہ پیمانہ قدر اور آلہ مبادلہ ہے، اس لئے ایک قیمت کے زَر کی تمام اکائیاں (Units) آپس میں سو فیصد مساوی ہوتی ہیں، ایک ہزار کا پُرانا نوٹ اور نیا نوٹ معیار میں برابر ہیں۔

۳- اشیاء میں خرید و فروخت کے معاملات (Transactions) انہی خاص اشیاء کے ساتھ خاص ہوتے ہیں، جن پر یہ معاملات واقع ہوئے ہوں، ایک خاص کار کی طرف اشارہ کر کے اگر "الف" اس کو "ب" کے ہاتھ فروخت کرے، اور "ب" اس پر راضی ہو کر اس کو خریدے، تو خریدار "ب" اسی خاص کار کی وصولی کا حق دار ہوگا، خریدار کو دوسری کار لینے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، جبکہ زَر کسی معاملے میں متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتا، اگر "الف" "ب" کو کوئی خاص نوٹ دکھا کر اس سے کوئی چیز خریدے، تو "الف" "ب" کو اس خاص نوٹ کی بجائے دوسرا نوٹ بھی دے سکتا ہے، اور "ب" اس کو لینے پر مجبور ہوگا،

(1) P:90

بشرطیکہ وہ نوٹ اسی قیمت کا ہو۔

لہذا ان بنیادی فروق کے ہوتے ہوئے زر کے ساتھ اشیاء والا معاملہ نہیں کیا جائے گا، بلکہ زر کو اپنی طبعی صفت کے پیش نظر صرف آلہ مبادلہ تک محدود رکھا جائے گا۔ شیخ الاسلام علامہ ابن تیمیہؒ نے کئی صدیاں قبل زر کی طبیعت یوں بیان فرمائی ہے:-^(۱)

”والدراهم والدنانیر لاتقصد لنفسها، بل هی وسیلة الی التعامل بها، ولہذا کانت اثماناً، بخلاف سائر الاموال فان المقصود الانتفاع بها نفسها۔“

”دراہم اور دنانیر مقصود بالذات نہیں، بلکہ یہ باہمی معاملات کا ایک ذریعہ ہیں، اسی وجہ سے یہ ”اثمان“ شمار ہو گئے، بخلاف دیگر اشیاء کے کہ یہ خود مقصود بالذات ہیں۔“

علامہ ابن تیمیہؒ نے زر اور دیگر اشیاء میں بالکل واضح فرق بیان فرمایا، کہ زر محض ذریعہ مبادلہ ہے، دیگر اشیاء کی طرح مقصود بالذات نہیں، کیونکہ زر براہ راست انسانی حاجت کو پورا نہیں کر سکتا۔

علامہ ابن تیمیہؒ نے نہایت واضح انداز میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے:-^(۲)

”الاثمان لاتقصد لاعیانها، بل یقصد بها التوصل الی السلع، فاذا صارت من نفسها سلعة تقصد لاعیانها فسد امر

الناس۔“

(۱) مجموعة الفتاوی ابن تیمیہ (شیخ الاسلام احمد بن تیمیہ)، السعودیة، مطابع الرياض، طبع اول ۱۳۸۲ ھم (۲۵۱/۱۹)

(۲) اعلام الموقعین عن رب العالمین، ابن قیم الجوزیہ (علامہ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر المعروف بابن قیم الجوزیہ المتوفی ۷۵۱ ھم) مصر، ادارة الطباعة المنیریة، (۱۵۷/۲)

”زر مقصود بالذات نہیں، بلکہ سامان کے حصول کا ذریعہ ہے، اگر زر سامان میں شمار ہو جائے، تو لوگوں کے معاملات فاسد ہو جائیں گے۔“

حضرت امام غزالی نے ”زر“ کی حقیقت پر بہت مفصل بحث فرمائی ہے، جس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان کیا جاسکتا ہے:

”اللہ تعالیٰ کی من جملہ نعمتوں میں سے ایک بڑی نعمت ذراہم و دنانیر کی تخلیق بھی ہے، انہی سے دنیا کا نظام قائم ہے، یہ دونوں محض پتھر ہیں، ان سے براہ راست کوئی نفع حاصل نہیں ہوتا، لیکن لوگ ان کے بہت زیادہ محتاج ہیں، کیونکہ ہر انسان کو کھانے، پینے، لباس اور دوسری حاجات میں بہت سی چیزوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور انسان کبھی حاجت کی ایک چیز سے مستغنی ہوتا ہے، اور کبھی حاجت کی چیز کو اس کو ضرورت ہوتی ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس زعفران ہے، اور اس کو ضرورت اُونٹ کی ہے، اور دوسرے شخص کے پاس اُونٹ ہے، اور اس کو ضرورت زعفران کی ہے، (اب یہ دونوں تبادلہ کرنا چاہتا ہے۔) تو ان کے درمیان معاوضہ بھی ضروری ہے، اور عوض کی مقدار بھی متعین کرنا ضروری ہے، کیونکہ اُونٹ والا اپنا پورا اُونٹ زعفران کے بدلے میں نہیں دے گا، اور اُونٹ اور زعفران میں کوئی مناسبت بھی نہیں، کہ یہ کہا جائے کہ اُونٹ کے برابر زعفران کے بدلے اُونٹ حوالہ کر دے، یہی حال دیگر اشیاء کا بھی ہوگا،..... لہذا یہ اشیاء جن میں (صورۃ یا وزن کوئی مناسبت نہیں) کسی ایسے ثالث کی محتاج ہو گئیں جو ان میں فیصلہ کرے، اور صحیح قیمت کو متعین کرے تو اللہ تعالیٰ نے اس مقصد کے لئے سونا چاندی کو پیدا فرمایا، تاکہ یہ دونوں اشیاء کے درمیان ”حکم“ کا کردار ادا کر سکیں، اور ان کی بنیاد پر اموال کا اندازہ ہو سکے، اور اشیاء کے درمیان ان کا پیمانہ قدر ہونا اسی پر مبنی ہے کہ ان سے خود براہ راست کوئی غرض وابستہ نہیں، اگر ان سے خود کوئی غرض وابستہ ہوتی تو یہ جس کے مطلب کے ہوتے، اسی کے حق میں ان کو ترجیح ہوتی، اور دوسرے ان کو نہ لیتے، اور اسی طرح سارا نظام درہم برہم ہو جاتا۔ لہذا اللہ تعالیٰ

نے ان کو اس لئے پیدا فرمایا تاکہ یہ ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ میں جائیں، اور اموال غیر متناسبہ میں مساوات پیدا کریں، اور ان میں یہ حکمت بھی رکھی کہ ان سے دیگر اشیاء حاصل ہو سکیں، اور جس نے بھی ذرا ہم و دانا میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمتِ خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:

”اذ طلب النقد لغير ما وضع له ظلم“

کیونکہ زَرک کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے ظلم ہے۔^(۱)
گویا کہ زَر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زَر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

ایک اہم اشکال اور اس کا جواب

امام غزالیؒ کی مذکورہ عبارت کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ درہم یا دینار محض ایک وسیلہ ہے، اور اشیاء غیر متناسبہ کے درمیان مساوات پیدا کرنے کا ایک معیار اور ثالث ہے، نہ یہ مقصود بالذات ہے، اور نہ ہی محل تجارت، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

”فاذا اتجر فی عینہما فقد اتخذہما مقصودا علی خلاف

وضع الحکمة“^(۲)

”جب کوئی شخص ان دونوں کی ذات میں تجارت کرے گا، تو ان کو اس حکمت کے خلاف استعمال کرے گا، جس کے لئے ان دونوں کی

(۱) احیاء علوم الدین، الغزالی (الامام ابو حامد محمد بن محمد الغزالی

۵۰۵ھ) بیروت لبنان، دار المعرفۃ، (۳/۹۱)۔

(۲) حوالہ بالا ص ۹۲

”تخلیق ہوئی ہے۔“

اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ پھر تو زر کو زر کے مقابلے میں فروخت کرنا بالکل ناجائز ہو، حالانکہ درہم کی بیع وینار یا دینار کی بیع درہم کے ساتھ شرعاً جائز ہے، اور اس میں کمی بیشی بھی درست ہے، اسی طرح درہم کو درہم کے مقابلے میں فروخت کرنا یا دینار کو دینار کے مقابلے میں فروخت کرنا درست ہے، جبکہ دونوں جانب برابر برابر ہوں، اور ان معاملات کے جواز میں شرعی اعتبار سے کوئی شبہ نہیں۔

اس کا جواب خود امام غزالیؒ نے دیا ہے، چنانچہ ملاحظہ ہو:-

”درہم و دینار کی تخلیق سے اصل مقصد تو ان کے ذریعہ مختلف اشیاء کا حصول ہی ہے، لیکن اس مقصد میں ایک قسم کا زر دوسری قسم سے مختلف ہو سکتا ہے، بایں طور کہ ایک قسم سے دوسری قسم کے مقابلے میں اشیاء کے حصول تک رسائی آسان ہو، مثلاً اگر دینار کے درہم بنائے جائیں، تو درہم دینار کے مقابلے میں زیادہ ہوں گے، اور ان کو تھوڑا تھوڑا کر کے سب ضروریات پوری ہو سکیں گے، پس اگر اس کے مبادلے سے منع کیا جائے، تو مقصود خاص (مبادلہ) میں خلل ہوگا،..... اسی طرح ایک درہم کو اس کے ہم مثل درہم کے ساتھ بیع کو ہم نے جائز قرار دیا کیونکہ اس طرح کرنا ایک لغو اور فضول کام ہے، اور اس میں کوئی عاقل و چکچی نہیں لیتا، تو ایسے بے رغبت کام کو کیوں منع کریں؟ (یعنی جب اس میں کوئی فائدہ نہیں تو کوئی عقلمند اس کو اختیار بھی نہیں کرے گا، تو اس کو ممنوع قرار دینے کا کوئی فائدہ بھی نہیں، اس لئے مختلف الاجناس زر کو ایک دوسرے کے ساتھ مبادلہ اور ایک درہم کو درہم کے مقابلے میں یا دینار کو دینار کے مقابلے میں

خرید و فروخت کے معاملے کو جائز قرار دیا۔“^(۱)

امام غزالی کے اس جواب کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ یہ صورت بھی گویا اصل قاعدے اور ضابطے سے مستثنیٰ نہیں، بلکہ اس میں بھی پیش نظر زر کے ”ذریعہ“ بننے میں سہولت پیدا کرنی ہے۔

مفتی مصر محمد خاطر اپنے مقالے^(۲) میں زر اور دیگر اشیاء میں فرق بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”زر کو زمین وغیرہ پر قیاس کرنا درست نہیں، اور نہ ہی یہ قیاس احکام شرعیہ اور قواعد فقہیہ کے مطابق ہے، کیونکہ زر ”اثمان“ ہے، اور اثمان کو کرایہ پر دینا اور ان کا کرایہ لینا درست نہیں، اس لئے کہ اجارہ عقد منفعہ کا نام ہے، جس میں منفعہ حاصل کرنے کے بعد عین کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن نہیں۔) چنانچہ علامہ کاسانی ”اپنی کتاب ”البدائع“ میں فرماتے ہیں:-

”ولايجوز اجارة الدراهم والدنانير ولا تبرهما لانه لا يمكن الانتفاع بها الا بعد استهلاك اعيانها، والداخل تحت الاجارة هي المنفعة لا العين“-

”دراہم و دنانیر اور ان کے ٹکڑوں کا اجارہ درست نہیں، کیونکہ ان سے اس وقت تک منفعہ حاصل نہیں ہوتی، جب تک ان کی ذات

(۱) احیاء علوم الدین (۳/۹۲)

(۲) جہاد فی رفع بنوی الربا، الشیخ (محمد خاطر محمد الشیخ) مصر، مطابع الہرام

التجاریة-(۱/۲۳)

خرچ نہ ہو، حالانکہ اجارہ کے تحت منفعت داخل ہوتی ہے، نہ کہ عین۔“

ڈاکٹر حمد مصری اپنی کتاب میں^(۱) اس بات کو مزید وضاحت کے ساتھ یوں بیان فرماتے ہیں:-

”زمین کو کرایہ پر دینے اور زر کو کرایہ پر دینے میں فرق واضح ہے، (اور دونوں میں دو قسم کا فرق ہے) زمین کو کرایہ پر دینے میں عین باقی رہتا ہے، اور مستأجر صرف منفعت حاصل کرتا ہے، اور شرعاً اجارہ کی حقیقت یہی ہے، (جبکہ زر میں یہ بات ممکن ہی نہیں) نیز اجارہ میں شی کا ضمان موجر (Lessor) پر ہوتا ہے، نہ کہ مستأجر (Lessee) پر، جبکہ زر میں شرعاً ضمان مقروض پر ہوتا ہے، نہ کہ مقروض پر۔“

خلاصہ بحث

زر (Money) اور شئ (Commodity) میں فرق ہے، اور یہ فرق بیشتر ماہرین عاشریات کو بھی تسلیم ہے، اور اہل اسلام تو اس پر متفق ہیں، اس لئے زر کی طبیعت (Nature) دیگر اشیاء سے مختلف ہوگی، اور دونوں کے ساتھ الگ الگ معاملہ ہوگا، اور دونوں کے احکام الگ الگ ہوں گے، اور ہر ایک کو اس کا صحیح مقام دیا جائے گا، لہذا زر صرف آلہ مبادلہ کے طور پر استعمال ہوگا، اور یہ محل تجارت نہیں ہوگا، محل تجارت صرف اشیاء ہوں گی، زر کو محل تجارت قرار دینا زر کے ساتھ ظلم ہے، اور نظام کو درہم برہم کرنے کے مترادف ہے۔

(۱) الربا خطرہ وسبیل الخلاص منہ الحمد (الدكتور حمد بن حماد عبد العزيز الحماد، مصر، مطبعة المدنی طبع اول ۱۴۰۲ھ ص ۲۸)

زر کی قسمیں

زر کی مختلف حیثیتوں سے مختلف قسمیں بیان کی گئی ہیں، زر کی قسموں کا چونکہ زر کے ارتقاء اور مختلف نظامہائے زر سے گہرا تعلق ہے، اس لئے زر کی اقسام پر تفصیلی روشنی عنوان ”زر کا ارتقاء اور مختلف نظامہائے زر“ کے تحت ان شاء اللہ تعالیٰ ڈالی جائے گی۔

یہاں اتنی بات سمجھنی ضروری ہے کہ فقہی احکام کے لحاظ سے زر کی دو اہم قسمیں ہیں:-^(۱)

① ثمن خلقتی

② ثمن عربی یا اصطلاحی

ثمن خلقتی وہ ثمن یا زر ہے، جس کا ثمن یا زر ہونا عرف یا تعامل پر موقوف نہ ہو، اور

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مین اسلامک پبلشرز طبع اول ۱۹۹۳ء۔

تطور النقود فی ضوء الاسلامیة، الحسنی (احمد حسن احمد الحسنی) جدہ، دارالمدنی، طبع اول، ص ۵۳

اسی کتاب میں شاہ ولی اللہ کی معروف کتاب ”حجۃ اللہ البالغہ“ کے حوالے سے مذکور ہے:

”وكان الایق من بینہا — ای المعادن — الذهب والفضة لصغر حجمہما وتماثل افرادہما وعظم نفعہما فی بدن الانسان ولتأتی التجمل بہما فکانا تقدین بالطبع وکان غیرہما تقدا بالاصطلاح۔“ (ص ۵۳)

مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۳۰۹ھ:

”حتی ان کثیر ا من الفقہاء یقولون: ان الذهب والفضة هما ائمان بحکم الخلقة ای ان اللہ تعالیٰ خلقہما لیکونا ائمانا۔“ (۱۷۰۱)

جدید فقہی مباحث، قاسمی (مولانا مجاہد الاسلام قاسمی) کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، (۱۶۹۰/۱۱۷۲/۲)۔

نہ ہی اس کی شہیت یا زر ہونا عرف اور اصطلاح کی وجہ سے ہو، بلکہ اس کا ثمن ہونا طبعی اور خلقی طور پر ہو، گویا اس کی تخلیق (Creation) ہی ثمن ہونے کے لئے ہوئی ہے۔ جیسا کہ سونا چاندی، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں۔

ثمنِ خلقی صرف سونا یا چاندی ہے، سونے اور چاندی کے علاوہ اور کوئی چیز ثمنِ خلقی نہیں، سونے اور چاندی کے علاوہ جو بھی چیز زر کے طور پر استعمال ہوتی ہے، یا کسی زمانے میں استعمال ہوئی ہے، وہ ثمنِ عرفی یا ثمنِ اصطلاحی ہی ہے، لہذا:-

ثمنِ عرفی یا اصطلاحی وہ زر یا ثمن ہے، جس میں شہیت لوگوں کی باہمی تعامل اور عرف کی وجہ سے پیدا ہوئی ہو، اگر عرف یا رواج نہ ہوتا، تو وہ شی ثمن نہ ہوتی، جیسا کہ آج کل کی کاغذی نوٹ یا کرنسی وغیرہ۔

ایک اہم فائدہ

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سونا چاندی معدنیات میں سے ہیں، اسی وجہ سے ان دونوں کو ”حجرین“ یعنی پتھر کہا جاتا ہے، تو معدنیات تو اور بھی ہیں، اور بعض ان میں سے نہایت قیمتی بھی ہیں، تو معدنیات میں سے صرف سونے اور چاندی کو کیوں ثمنِ خلقی کہا گیا، یا ثمنِ خلقی کے طور پر استعمال کیا گیا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ سونے اور چاندی میں اللہ تعالیٰ نے کچھ ایسی صفات اور خاصیات رکھی ہیں، جو بیک وقت دوسری دھاتوں یا معادن میں موجود نہیں، بلکہ دوسرے معادن ان سے محروم ہیں، خواہ کتنے ہی قیمتی معادن ہی کیوں نہ ہوں، اور ان میں سے بعض صفات اور خاصیات درج ذیل ہیں:-

- ۱- یہ دونوں پتھر آسانی سے پکھلتے ہیں، اور آسانی سے ان کو کوٹا جاسکتا ہے۔
- ۲- سونا چاندی آسانی سے الگ الگ کی جاسکتی ہے، اور دوبارہ آسانی سے ملایا

جاسکتی ہے۔

۳- سونے یا چاندی سے کوئی بھی شکل آسانی سے بن سکتی ہے۔
 ۴- سونا یا چاندی میں کبھی بد بو پیدا نہیں ہوتی، اور نہ اس کے ذائقے میں فرق آتا ہے۔

۵- جتنے عرصے تک بھی یہ دونوں پتھر زمین میں مدفون رہیں، تو اس سے ان میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔

۶- سونے یا چاندی کو اللہ تعالیٰ نے ایسی ہیئت اور علامات سے نوازا ہے کہ ان میں کھوٹ وغیرہ کا فوراً پتہ چل جاتا ہے۔

۷- ان دونوں کا حجم چھوٹا ہوتا ہے۔

۸- یہ دونوں انسان کو وہ زینت و جمال بخشتا ہے، جو دوسرا پتھر نہیں بخش سکتا ہے۔

۹- دوسرے معادن کی نسبت سونے اور چاندی کی پیداوار بہت کم ہے۔

۱۰- ان کے افراد میں مماثلت پائی جاتی ہے۔^(۱)

یہ وہ صفات ہیں جو بیک وقت کسی اور دھات میں موجود نہیں، اس لئے لہرشن خلقی ہونے کا شرف ان دو پتھروں ہی کو حاصل ہوا۔

زر اور مال میں فرق

زر "Money" اور مال "Wealth" میں فرق کے سلسلے میں آسان تعبیر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ ”زر“ مال کی ایک قسم ہے، یعنی مال عام ہے، اور زر خاص ہے، جس کی حیثیت مال کے مقابلے میں محض ایک قسم کی ہے، کیونکہ مال کی تعریف علامہ ابن نجیم نے یہ فرمائی ہے:-

”المال كل ما يملكه الناس من نقد وعروض وحيوان

(۱) مقدمة في النقود والبنوك، الشافعي (الدكتور محمد زكي الشافعي) بيروت،

دار النهضة العربية، طبع ہفتم (ص ۳۴)

تطور النقود ص ۵۳

وغير ذلك الخ“

”مال ہر اس چیز کو کہتے ہیں جسے لوگ مالک ہوں، خواہ وہ زر ہو، یا سامان ہو، یا جانور ہو، یا کوئی اور چیز ہو۔“^(۱)

اور ابن منظور نے ”مال“ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:-

”المال ماملکتہ من جمیع الاشیاء“

”مال ان تمام اشیاء کا نام ہے، جن کا تو مالک ہے۔“^(۲)

زر اور کرنسی میں فرق

زر کی تعریف گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکی ہے، کہ جو ذریعہ مبادلہ ہو، قدر کا پیمانہ ہو، اور مالیت کے تحفظ کا وسیلہ ہو، مگر یہ ضروری نہیں کہ قانونی طور پر بھی اس کو جبری آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، مثلاً چیک یا انعامی بانڈز پر مذکورہ تعریف صادق آتی ہے، لہذا یہ زر تو ہیں، لیکن اگر کوئی شخص اپنے کسی دین یا قرضے میں چیک قبول کرنے یا بانڈ قبول کرنے سے انکار کرے، تو اس کو اس پر قانوناً مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے۔

اور کرنسی وہ زر ہے کہ جس کو کسی خاص ملک میں قانونی طور پر آلہ تبادلہ قرار دیا گیا ہو، جسے روپیہ، اگر کوئی شخص روپیہ میں ادائیگی کرے، تو قانوناً اسے لینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس سے معلوم ہوا کہ زر عام ہے، اور کرنسی خاص ہے، مال اور زر کے مقابلے

(۱) البحر الرائق شرح کنز الدقائق، ابن نجیم (علامہ زین الدین بن ابراہیم بن محمد المعروف بابن نجیم الموفی ۹۷۰ھ)، بیروت، دارالکتب العلمیہ، طبع اول ۱۴۱۸ھ

(۲) لسان العرب، ابن منظور (علامہ ابن منظور المتوفی ۷۱۱ھ) بیروت، داراحیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ (۲۲۳/۱۳)

_____ ردالمحتار الشامی (محمد امین بن عابدین الشامی م ۲۵۲ھ) مطبع مذکورہ، طبع اول ۱۴۱۹ھ، (۲۰۶/۳)

_____ اقتصادیات النقود، متولی، (الدكتور ابوبکر الصديق عمر متولى)، قاہرہ، مکتبہ وہبہ، طبع اول ۱۴۰۳ھ (ص ۱۳)

میں ذرّ خاص اور مال عام تھا، اور ذرّ اور کرنسی کے مقابلے میں ذرّ عام اور کرنسی خاص ہے۔

مال : زر :: زر : کرنسی
عام : خاص :: عام : خاص

کرنسی کی دو قسمیں

کرنسی کی دو قسمیں ہیں: ایک ایسی کرنسی جس میں ایک خاص حد تک قانوناً ادائیگی کی جاسکتی ہے، اس سے زائد مقدار دی جائے گی تو قانوناً اسے لینے پر مجبور نہیں کیا جائے گا، جیسے چوٹی، اس کو ”محدود ذرّ قانونی“ (Limited Legal Tender) کہتے ہیں۔ دوسری قسم جس میں قانوناً ادائیگی کی کوئی حد مقرر نہ ہو، اس کو ”غیر محدود ذرّ قانونی“ (Unlimited Legal Tender) کہتے ہیں، جیسے دھات کا روپیہ وغیرہ۔^(۱)

ذَرَّكَ اِرْتِقَاء (Evolution) اور مختلف نظامہائے زَر

۱- زمانہ قدیم میں لوگ اشیاء کا تبادلہ اشیاء (Barter) کے ذریعے کرتے تھے، یعنی ایک چیز دے کر اس کے بدلے میں دوسری چیز لیتے تھے، لیکن اس طرح کے تبادلے میں بہت سے نقائص اور مشکلات تھیں، اور ہر جگہ ہر وقت اس طریقے پر عمل کرنا دشوار ہوتا

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت (مفتی محمد تقی عثمانی)، کراچی ۱۳، ادارۃ المعارف، طبع اول ۱۳۱۵ھ (ص ۹۵)۔

مراجعہ اضافیہ:-

Introduction to Economic Principles, by Dr. A.N, Agarawa. P315

معاشیات، حبیب الرحمن مکتبہ فریدی اُردو کالج اسپتال روڈ طبع اول ۱۹۵۳ء۔

معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی لاہور، علمی کتب خانہ، حصہ دوم ص ۱۲۔

معاشیات کے ابتدائی اصول، لاہور قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹۵۴ء، ص ۲۶۴۔

زر اور بینک داری، شیخ عطاء اللہ، لاہور، کشمیر بازار، طبع اول ۱۹۵۴ء، ص ۴۴۔

تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیة ص ۶۶، الدکتور احمد حسن احمد الحسنی

تھا، اس لئے آہستہ آہستہ لوگوں نے یہ طریقہ ترک کر دیا۔

۲- اس کے بعد ایک اور نظام رائج ہوا، جس کو ”ذَرِّ بَضَاعَتِي کا نظام“ (Commodity Money System) کہا جاتا ہے، اس نظام میں لوگوں نے مخصوص اشیاء کو بطورِ ٹرین کے تبادلے کا ذریعہ بنایا، اور عام طور پر ایسی اشیاء کو تبادلے کا ذریعہ بناتے، جو کثیر الاستعمال ہوتی تھیں، مثلاً کبھی اناج اور گندم کو ذریعہ تبادلہ بنایا، اور کبھی نمک اور چمڑے کو اور کبھی لوہے وغیرہ کو تبادلے کا ذریعہ بنایا۔

۳- مگر ان اشیاء کو تبادلے میں استعمال کرنے میں نقل و حمل کی بہت سی مشکلات پیش آتی تھیں، اس لئے آہستہ آہستہ لوگ اس طریقے سے اکتا گئے، اور جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی، اور لوگوں کی ضروریات میں اضافہ ہونے لگا، اور تبادلہ بھی پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہونے لگا، تو لوگوں نے سوچا کہ تبادلے کا جو طریقہ ہم نے اختیار کیا ہے، اس میں بہت سی مشکلات ہیں، لہذا تبادلے کا کوئی ایسا طریقہ ہونا چاہئے جس میں نقل و حمل کم سے کم ہو اور اس پر لوگوں کا اعتماد بھی زیادہ ہو، چنانچہ اس مرحلے پر لوگوں نے سونے اور چاندی کو ذریعہ تبادلہ بنایا، حتیٰ کہ ان دونوں دھاتوں نے اشیاء کی قیمتوں کے لئے ایک پیمانے کی حیثیت اختیار کر لی، اور تمام ممالک اور شہروں میں لوگ ان دھاتوں پر اعتماد کرنے لگے، اس نظام کو ”نظامِ ذَرِّ مَعْدِنِي“ (Metalic Money System) کہا جاتا ہے۔

اس تیسرے نظام پر بہت سے تغیرات اور انقلابات گزرے ہیں، جن کا خلاصہ

درج ذیل ہے:-

(۱) ابتدا میں لوگ ایسے سونے چاندی کو بطور کرنسی کے استعمال کرتے جو سائز، ضخامت، وزن اور صفائی کے اعتبار سے مختلف ہوتا تھا، کوئی سونا ٹکڑے کی شکل میں ہوتا تھا، کوئی ڈھلے ہونے برتن اور زپور کی شکل میں ہوتا تھا، لیکن تبادلے کے وقت صرف وزن کا اعتبار کیا جاتا تھا۔

(۲) اس کے بعد ڈھلے ہوئے سکوں کا رواج شروع ہو گیا، بعض شہروں

میں سونے کے ڈھلے ہوئے سکے، اور بعض شہروں میں چاندی کے ڈھلے ہوئے سکے رواج پاتے گئے، جو ضخامت، وزن اور خالص سونے کے اعتبار سے مساوی ہوتے تھے، اور جن پر دونوں طرف مہر ثبت ہوتی تھی، جو اس بات کی علامت تھی کہ یہ سکہ درست اور تباو لے کے قابل ہیں، اور اس سکے کی ظاہری قیمت (Face Value) جو اس پر لکھی ہوئی ہوتی تھی، وہ اس سونے اور چاندی کی حقیقی قیمت (Gold or Silver Contents) کے برابر ہوتی تھی، گویا کہ سکے کی شکل میں ڈھلے ہوئے سونے کی قیمت اس ڈلی کے برابر ہوتی تھی، جو سکے کے ہم وزن ہو، اس نظام کو ”معیاری قاعدہ زر“ (Gold Specie Standard) کہا جاتا ہے، اس نظام کو سہ سے پہلے چینوں نے ساتویں عیسوی قبل مسیح رائج کیا تھا۔

اس نظام کے اندر لوگوں کو یہ آزادی تھی، وہ چاہیں آپس میں لین دین کے لئے سکے استعمال کریں، یا سونے کے ٹکڑے یا سونے کے ڈھلے ہوئے زیورات وغیرہ استعمال کریں، اور ملک سے باہر برآمد و درآمد کی بھی عام اجازت تھی۔

اور حکومت کی طرف سے یہ عام اجازت تھی کہ جو شخص بھی جس مقدار میں سکے ڈھلوانا چاہے، وہ ڈھال کر دے گی، چنانچہ لوگ حکومت کے پاس سونے کے ٹکڑے اور سونے کی ڈھلی ہوئی دوسری اشیاء لاتے، اور حکومت ان کو سکے بنا کر واپس کر دیتی، اور اسی طرح اگر کوئی شخص سکے لاکر اس کو پگھلانے کے لئے کہتا تو حکومت ان سکوں کو پگھلا کر ٹکڑے کی شکل میں اس شخص کو واپس کر دیتی۔

بعض ممالک نے بجائے ایک دھات کے دو دھات یعنی سونے اور چاندی دونوں کے سکوں کو بطور کرنسی کے رائج کیا، اور ان دونوں کے آپس کے تبادلے کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کر دی، اور سونے کو بڑی کرنسی کے طور پر اور چاندی کو چھوٹی کرنسی کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، اس نظام کو ”دو دھاتی نظام“ (Bi-Metallism) کہا جاتا ہے۔

لیکن اس نظام میں دوسری مشکلات پیدا ہو گئیں، وہ یہ کہ سونے اور چاندی کے

سکوں میں آپس میں تبادلے کے لئے جو قیمت مقرر کی گئی تھی وہ مختلف شہروں میں مختلف ہو جاتی تھی جس کی بناء پر لوگ کرنسی کی تجارت میں دلچسپی لینے لگے، مثلاً امریکا میں ایک سونے کے سکے کی قیمت پندرہ چاندی کے سکے ہوتی، لیکن بالکل اس وقت میں یورپ میں ایک سونے کے سکے کی قیمت چاندی کے ساڑھے پندرہ سکے کے برابر ہوتی، اس صورت حال میں تاجر امریکا سے سونے کے سکے جمع کر کے یورپ میں فروخت کر دیتے تاکہ وہاں سے ان کو زیادہ چاندی حاصل ہو جائے اور پھر وہ چاندی کے سکے امریکا لا کر ان کو سونے کے سکوں میں تبدیل کر دیتے اور پھر یہ سونے کے سکے دوبارہ جا کر یورپ میں فروخت کر دیتے اور اس کے بدلے چاندی لے آتے، لیکن اس تجارت کے نتیجے میں امریکا کا سونا مسلسل یورپ منتقل ہوتا رہا، گویا کہ چاندی کے سکوں نے سونے کے سکوں کو امریکا سے باہر نکال دیا، پھر جب ۱۸۳۴ء میں امریکا نے سونے اور چاندی کے سکوں کے درمیان اس تناسب کو بدل دیا اور سونے کے ایک سکے کو چاندی کے سولہ سکوں کے مساوی قرار دے دئے، تو معاملہ پہلی صورت کے برعکس ہو گیا، اب سونے کے سکے امریکا میں منتقل ہونے شروع ہو گئے اور چاندی کے سکے یورپ منتقل ہونے لگے، گویا کہ سونے کے سکوں نے چاندی کے سکوں کو امریکا سے نکال دیا۔

۴۰) سکے چاہے سونے کے ہوں یا چاندی کے اگر چڑ سامان اور اسباب کے مقابلے میں ان کی نقل و حمل آسان ہے، لیکن دوسری طرف ان کو چوری کرنا بھی آسان ہے، اس لئے مال داروں کے لئے ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو ذخیرہ کر کے گھر میں رکھنا مشکل ہو گیا، چنانچہ وہ لوگ ان سکوں کی بہت بڑی مقدار کو سناروں اور صرافوں (Money Changers) کے پاس بطور امانت کے رکھوانے لگے، اور وہ سنار اور صراف ان سکوں کو اپنے پاس رکھتے وقت ان امانت رکھنے والوں کو بطور وثیقہ کے ایک کاغذ یا رسید (Receipt) جاری کر دیتے، آہستہ آہستہ جب لوگوں کو ان سناروں پر اعتماد زیادہ ہو گیا تو یہی رسیدیں، جو ان سناروں نے امانت قبول کرتے وقت بطور دستاویز جاری کی تھیں، بیع و شراء میں بطور

نہن کے استعمال ہونے لگیں، لہذا ایک خریدار دُکاندار کو خریداری کے وقت بجائے نقد سکے ادا کرنے کے انہی رسیدوں میں سے ایک رسید اس کو دے دیتا اور دُکاندار ان ساروں پر اعتماد کی بنیاد پر اس رسید کو قبول کر لیتا۔

اس مرحلے سے کاغذی نوٹ کی ابتدا ہوتی ہے، لیکن ابتدا میں نہ اس کی کوئی خاص شکل و صورت تھی اور نہ ان کی کوئی ایسی قانونی حیثیت تھی جس کی وجہ سے لوگوں کو اس کے قبول کرنے پر مجبور کیا جاسکے، بلکہ اس کے قبول اور رد کرنے کا دار و مدار اس بات پر تھا کہ اسے قبول کرنے والا اس کے جاری کرنے والے سنا پر کتنا بھروسہ رکھتا ہے۔

⑤ جب ۱۷۰۰ء کے اوائل میں بازاروں میں ان رسیدوں کا رواج زیادہ ہو گیا، تو ان رسیدوں نے ترقی کر کے ایک باضابطہ صورت اختیار کر لی، جسے بنک نوٹ کہتے ہیں، کہا جاتا ہے کہ سب سے پہلے سویڈن کے اشاک ہوم بینک نے اسے بطور کاغذی نوٹ کے جاری کیا۔

اس وقت جاری کرنے والے بنک کے پاس ان کاغذی نوٹوں کے بدلے میں سو فیصد اتنی مالیت کا سونا موجود ہوتا تھا، اور بنک یہ التزام کرتا تھا کہ وہ صرف اتنی مقدار میں نوٹ جاری کرے، جتنی مقدار میں اس کے پاس سونا موجود ہے اور اس کاغذی نوٹ کے حامل کو اختیار تھا کہ وہ جس وقت چاہے بنک جا کر اس کے بدلے میں سونے کی سلاخ حاصل کر لے، اسی وجہ سے اس نظام کو ”سونے کی سلاخوں کا معیار“ (Gold Bullion Standard) کہا جاتا ہے۔

⑥ ۱۸۳۳ء میں جب ”بنک نوٹ“ کا رواج بہت زیادہ ہونے لگا، تو حکومت نے اس کو ”زَرِّ قانونی“ (Legal Tender) قرار دے دیا، اور ہر قرض لینے والے پر یہ لازم کر دیا کہ وہ اپنے قرض کے بدلے میں اس نوٹ کو بھی اسی طرح ضرور قبول کرے گا، جس طرح اس کے لئے سونے چاندی کے سکے قبول کرنا لازم ہے، اس کے بعد پھر تجارتی بینکوں کو اس کے جاری کرنے سے روک دیا گیا، اور صرف حکومت کے ماتحت چلنے

والے مرکزی بینک کو اس کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی۔

پھر حکومتوں کو زمانہ جنگ اور امن کے دوران آمدنی کی کمی کی وجہ سے ترقیاتی منصوبوں کی تکمیل میں بہت سی مشکلات پیش آنے لگیں، چنانچہ حکومت مجبور ہوئی کہ وہ کاغذی نوٹوں کی بہت بڑی مقدار جاری کر دے، جو سونے کی موجودہ مقدار کے تناسب سے زیادہ ہو، تاکہ اپنی ضروریات پوری کرنے کے لئے اسے استعمال کرے، اس کے نتیجے میں سونے کی وہ مقدار جو ان کاغذی نوٹوں کی پشت پر تھی وہ آہستہ آہستہ کم ہونے لگی، حتیٰ کہ ابتداء میں ان نوٹوں اور سونے کے درمیان جو سو فیصد تناسب تھا، وہ گھٹنے گھٹنے معمولی تناسب رہ گیا، اس لئے کہ ان نوٹوں کو جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات کا یقین تھا، کہ ان تمام جاری شدہ نوٹوں کو ایک ہی وقت میں سونے سے تبدیل کرنے کا مطالبہ ہم سے نہیں کیا جائے گا، اس لئے سونے کی مقدار سے زیادہ نوٹ جاری کرنے میں کوئی حرج نہیں، دوسرے لفظوں میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ زیادہ مقدار میں نوٹ جاری کرنے کے نتیجے میں بازار میں ایسے نوٹ رائج ہو گئے، جن کو سونے کی پشت پناہی حاصل نہیں تھی، لیکن تجارتی ایسے نوٹوں کو اس بھروسے پر قبول کرتے تھے کہ ان نوٹوں کے جاری کرنے والے مرکزی بینک کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ وہ تبدیلی کے مطالبے کو پورا کر دے گا، اگرچہ اس کے پاس موجود سونے کی مقدار اس کے جاری کردہ نوٹوں کے مقابلے میں بہت کم ہے، ایسے کرنسی نوٹوں کو ”زیر اعتباری“ (Fiduciary Money) کہا جاتا ہے۔

دوسری طرف آمدنی کی مذکورہ بالا کمی اور زیادہ روپے کی ضرورت ہی کی بنیاد پر حکومتیں جو اب تک معدنی سکوں کے ساتھ معاملات کرتی آئی تھیں، اس بات پر مجبور ہوئیں، کہ وہ یا تو سکوں میں دھات کی جتنی مقدار استعمال ہو رہی ہے اس کو کم کر دے یا ہر سکے میں اصلی دھات کے بجائے ناقص دھات استعمال کریں، چنانچہ اس عمل کے نتیجے میں سکے کی ظاہری قیمت (Face Value) جو اس پر درج تھی، اس سکے کی اصلی قیمت

(Intinsic Value) سے کئی گنا زیادہ ہوئی، ایسے سکوں کو ”علامتی زر“ (Token Money) کہا جاتا ہے، اس لئے کہ اس سکے کی معدنی اصلیت اس کی اس ظاہری قیمت کی محض علامت ہوتی ہے جو کبھی اس کی ذاتی قیمت کی ٹھیک ٹھیک نمائندگی کیا کرتی تھی۔

۸ رفتہ رفتہ ذر اعتباری کارِ رواج بڑھتے بڑھتے اتنا زیادہ ہو گیا کہ ملک میں پھیلے ہوئے نوٹوں کی تعداد میں موجود سونے کی مقدار کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ ہو گئی، یہاں تک کہ حکومت کو اس بات کا خطرہ لاحق ہو گیا کہ سونے کی موجودہ مقدار کے ذریعے ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہیں کیا جاسکتا، چنانچہ بعض شہروں میں حقیقتاً یہ واقعہ پیش آیا کہ مرکزی بینک نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ پورا نہ کر سکا۔

اس وقت بہت سے ملکوں نے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے والوں پر بہت سے کڑی شرطیں لگا دیں، انگلینڈ نے تو ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد اس تبدیلی کو بالکل بند کر دیا، البتہ ۱۹۲۵ء میں دوبارہ تبدیلی کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی کہ ایک ہزار سات سو پونڈ سے کم کی مقدار کو کوئی شخص تبدیل کرانے کا مطالبہ نہیں کر سکتا، چنانچہ اس شرط کے نتیجے میں عام لوگ تو اپنے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کا مطالبہ کرنے سے محروم ہوئے، اس لئے کہ اس زمانے میں یہ مقدار اتنی زیادہ تھی کہ بہت کم لوگ اتنی مقدار کے مالک ہوتے تھے، لیکن اس قانون کی انہوں نے اس لئے کوئی خاص پروا نہیں کی کہ یہ کاغذی نوٹ ذرِ قانونی رہ گئے اور ملکی معاملات میں بالکل اسی طرح قبول کئے جاتے تھے جس طرح اصلی کرنسی قبول کی جاتی تھی اور اس کے ذریعے اندرون ملک تجارت کر کے اس طرح نفع حاصل کیا جاسکتا تھا جس طرح دھاتی کرنسی کے ذریعے تجارت کر کے نفع حاصل کیا جاتا تھا۔

۹ پھر ۱۹۳۱ء میں برطانوی حکومت نے ان نوٹوں کو سونے سے تبدیل کرانے کی بالکل ممانعت کر دی، حتیٰ کہ اس شخص کے لئے بھی جو سترہ سو پونڈ کو سونے میں تبدیل کرنے کا مطالبہ کرے، اور لوگوں کو مجبور کیا کہ وہ سونے کے بجائے صرف ان نوٹوں

پر اکتفا کریں اور اپنے تمام کاروبار اور معاملات میں اسی کا لین دین کریں، لیکن حکومتوں نے آپس میں ایک دوسرے کے حق کے احترام کو برقرار رکھتے ہوئے ایک دوسرے کے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کے قانون کو برقرار رکھا، چنانچہ اندرون ملک اگرچہ ان نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرانے کی ممانعت تھی لیکن ہر حکومت نے یہ التزام کیا تھا کہ اگر اس کی کرنسی دوسرے ملک میں چلی گئی اور دوسری حکومت اس کرنسی کے بدلے میں سونے کا مطالبہ کرے گی، تو یہ حکومت اپنے کرنسی نوٹوں کے بدلے میں اس کو سونا فراہم کرے گی، مثلاً اگر امریکا کے پاس برطانیہ کے اسٹرلنگ پونڈ آئے اور وہ اب ان کے بدلے میں برطانیہ سے سونے کا مطالبہ کرے، تو برطانیہ پر لازم ہے کہ وہ ان کے بدلے میں امریکا کو سونا فراہم کرے، اس کو ”سونے کی مبادلت کا معیار“ (Gold Exchange Standard) کہا جاتا ہے۔

۱۵) اسی اصول پر سالہا سال تک عمل ہوتا رہا حتیٰ کہ جب ریاستہائے متحدہ امریکا کو ڈالر کی قیمت میں کمی کے باعث سخت بحران کا سامنا کرنا پڑا اور ۱۹۷۱ء میں سونے کی بہت قلت ہوگئی تو امریکی حکومت اس بات پر مجبور ہوئی کہ دوسری حکومتوں کے لئے بھی ڈالر کو سونے میں تبدیل کرنے کا قانون ختم کر دے، چنانچہ ۱۵ اگست ۱۹۷۱ء کو اس نے یہ قانون نافذ کر دیا اور اس طرح کاغذی نوٹ کو سونے سے مستحکم رکھنے کی جو آخری شکل تھی وہ بھی اس قانون کے بعد ختم ہوئی۔ اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں بین الاقوامی مالی فنڈ (International Monetary Fund) نے سونے کے بدل کے طور پر ایک ”ذریعہ مبادلہ نکوانے کے حق“ (Special Drawing Rights) کا نظریہ پیش کیا، اس نظریے کا حاصل یہ تھا کہ بین الاقوامی مالی فنڈ کے ممبران کو اس بات کا اختیار حاصل ہے کہ وہ مختلف ممالک کی کرنسی کی ایک معین مقدار غیر ملکی قرضوں کی ادائیگی کے لئے نکوا سکتے ہیں اور مقدار کے تعین کے لئے ۸۸۸۶۷۶ گرام سونے کو معیار مقرر کیا گیا کہ اتنی مقدار کا سونا جتنی کرنسی کے ذریعہ خریدا جاسکتا ہو اتنی کرنسی ایک ملک نکوا سکتا ہے، لہذا اب صورت حال یہ ہے کہ ذریعہ

مبادلہ نکلوانے کا یہ حق جسے اختصار کے لئے (S.D.R) کہا جاتا ہے، سونے کی پشت پناہی کا مکمل بدل بن چکا ہے۔

اس طرح اب سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو چکا ہے اور اب سونے کا کرنسی سے کوئی تعلق باقی نہیں رہا اور نوٹوں اور زرِ علامتی نے پوری طرح سونے کی جگہ لے لی ہے، اب نوٹ نہ سونے کی نمائندگی کرتے ہیں، نہ چاندی کی، بلکہ ایک فرضی قوت خرید کی نمائندگی کرتے ہیں، لیکن چونکہ کرنسی کے اس نظام میں ایک مستقل اور آبدی نظام کی طرح اب تک مضبوطی اور جماد پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ تقریباً تمام ممالک میں اس بات کی تحریک چل رہی ہے کہ پہلے کی طرح پھر سونے کو مالی نظام کی بنیاد مقرر کی جائے، یہاں تک کہ دوبارہ سونے کی سلاخوں کے نظام کی طرف لوٹنے کی آوازیں لگنے لگی ہیں، اس لئے دنیا کے تمام ممالک اب بھی اپنے آپ کو سونے سے بے نیاز اور مستغنی نہیں سمجھتے، بلکہ ہر ملک اب بھی احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے تاکہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات اور انقلابات میں یہ سونا کام آئے، لیکن سونے کی بڑی سے بڑی مقدار کا یہ ذخیرہ صرف ایک احتیاطی تدبیر کے طور پر ہے، اس کا موجودہ دور میں رائج کرنسی سے کوئی قانونی تعلق نہیں ہے، خواہ وہ کرنسی نوٹ کی شکل میں ہو یا دھاتی سکوں کی شکل میں۔^(۱)

(۱) احکام الاوراق النقديّة، العثماني (القاضي المفتي محمد تقی العثماني)،

کراتشی، مکتبہ دارالعلوم، طبع اول ۱۳۰۹ھ ص ۳

— ایضاً کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم ص ۷

— مقدمة في النقود والبنوك ص ۸، الدكتور محمد زكي شافعي

— تطور النقود في ضوء الشريعة الاسلاميه ص ۱۹، الدكتور احمد حسن احمد

الحسنی

— تعارف زر و بنکاری، ص ۱۵، شیخ مبارک علی

(باقی اگلے صفحے پر)

— ایضاً کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۱۳

سہولت، اور آسانی کے پیش نظر زر کے ارتقاء کا خلاصہ پیش خدمت ہے، ملاحظہ

فرمائیں!

ارتقاء زر کے تدریجی مراحل ایک نظر میں

پہلا مرحلہ:- شی کا تبادلہ شی سے، اس کو ”مقائضہ“ (Barter) کہتے ہیں۔

دوسرا مرحلہ:- مخصوص اجناس کو بطور ”شمن“ قرار دیا گیا، اس کو ”زر بضاعتی کا

نظام“ (Commodity Money System) کہتے ہیں۔

تیسرا مرحلہ:- اس مرحلے میں سونے چاندی کو شمن قرار دیا گیا، اس کو ”نظام

زر معدنی“ (Metalic Money System) کہتے ہیں۔

تیسرے مرحلے کے دس انقلابات:-

۱- کوئی خاص سکہ نہیں تھا، سونے چاندی کی مختلف شکلوں میں تبادلے کے وقت

صرف وزن کا اعتبار ہوتا تھا۔

۲- مہر لگے ہوئے کہیں سونے اور کہیں چاندی کے سکے رائج ہو گئے، جن کی

ظاہری قیمت (Face Value) حقیقی قیمت (Gold or Silver content) کے

مساوی ہوتی تھی۔ اس کو ”معیاری قاعدہ زر“ (Gold Specie Standard) کہتے ہیں۔

۳- ایک ملک میں سونے چاندی دونوں کے سکے بطور کرنسی کے رائج ہو گئے، اور

ان کے آپس میں تبادلے کے لئے ایک خاص قیمت مقرر کی گئی۔ اس کو ”دودھاتی نظام“

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

_____ المعاملات المعالیة المعاصرة فی الفقه الاسلامی، الدكتور محمد عثمان

شبیر، اردن، دارالنفائس، طبع سوم ۱۴۱۹ھ، (ص ۱۷۶)

_____ احکام الاوراق النقدية فی الفقه الاسلامی ص ۵۵، ستر بن ثواب الجعید

_____ السیاسة النقدية والمصرفية فی الاسلام ص ۲۰، عدنان خالد الترکمانی

Introduction to Economic Principles, by Dr.A.N. Agarawala p: 314

Modren Economic Theory, by K.K Dewett. P: 416

(Bi-Metallism) کہتے ہیں۔

۳- حفاظت کے پیش نظر سونے چاندی کو سنا روں کے پاس بطور امانت رکھوانے کا دستور شروع ہو گیا، جس کے نتیجے میں مالکان کو رسیدیں (Receipts) جاری ہونے لگیں۔ اور خریداری میں ان رسیدوں کو نمائندگی حاصل ہو گئی۔

۵- رسیدوں کے رواج میں تیزی آنے کے بعد ”بنک نوٹ“ کا رواج شروع ہو گیا۔ یہ کاغذی نوٹ ہے۔ اس میں جاری شدہ نوٹوں کے سو فیصد برابر سونا موجود ہوتا تھا، اور بوقتِ طلب حامل کو سونے کی سلاخ ملا کرتی تھی، اس لئے اس نظام کو ”سونے کی سلاخوں کا معیار“ (Gold Bullion Standard) کہتے ہیں۔

۶- ۱۸۳۳ء میں ”بنک نوٹ کو“ زر قانونی“ (Legal Tender) قرار دیا گیا۔ اس مرحلے پر صرف حکومتی مرکزی بینک ہی یہ نوٹ جاری کر سکتے تھے۔

۷- حکومتی ضروریات کے پیش نظر جاری شدہ نوٹوں کے تناسب سے زیادہ نوٹ جاری ہو گئے۔ ان نوٹوں کو ”زیر اعتباری“ (Fiduciary Money) کہتے ہیں۔ اس مرحلے پر سکوں میں دھات کی مقدار یا اس کی کوالٹی ناقص کی گئی، جس سے ظاہری قیمت اصلی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہو گئی، اور اب اس کو ”علامتی زر“ (Token Money) کا نام دیا گیا۔

۸- زیر اعتباری کا رواج بڑھنے کی وجہ سے نوٹوں کو سونے میں تبدیل کرنے کو بالکل محدود کر دیا گیا۔

۹- ۱۹۳۱ء میں نوٹوں کو عوامی سطح پر سونے میں تبدیل کرنے کی بالکل ممانعت کی گئی، صرف ممالک کے آپس میں اس کا لحاظ رکھا جاتا تھا۔ اس نظام کو ”سونے کی مبادلت کا معیار“ (Gold Exchange Standard) کہتے ہیں۔

۱۰- ۱۹۷۱ء میں ممالک کی سطح پر بھی اس کی ممانعت ہو گئی، اور یوں سونا کرنسی کے دائرے سے بالکل خارج ہو گیا۔ گویا کہ ۱۹۷۱ء سے کرنسی کی پشت پر کوئی سونا نہیں رہا۔ گو

اب بھی ہر ملک احتیاطی تدبیر کے طور پر زیادہ سے زیادہ سونے کے ذخائر جمع رکھنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن ان ذخائر کا موجودہ کرنسی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

سکہ سازی کی تاریخ اور مختلف مراحل

زمانہ جاہلیت اور دورِ اسلامی کے ابتدائی زمانے تک ذر، خالص ”سلع“ (Goods) کی شکل میں تھا، یعنی سکہ نہیں تھا، چنانچہ تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں ہر قل کے ذنابیر اور فارس کے ذراہم بغلیہ اور حمیریہ اہل مکہ کے پاس آتے تھے، لیکن یہ ذنابیر اور ذراہم ڈلی کی شکل میں ہوتے تھے، جیسا کہ علامہ بلازری نے اس کی تصریح کی ہے:-

”كانت دنابیر هرقل ترد علی اهل مكة فی الجاهلیة وترد

علیهم دراهم الفرس البغلیة والحمیریة فكانوا لا یتبايعون

لا علی انها تبر“

”یعنی جاہلیت کے زمانے میں اہل مکہ کے پاس ہر قل کے ذنابیر اور

فارس کے ذراہم بغلیہ اور حمیریہ آتے تھے، اور یہ لوگ آپس میں

معاملات ڈلی ہی سے کرتے تھے۔“^(۱)

زمانہ اسلام میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہی کرنسیوں کو برقرار رکھا جیسا

کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا

نکاح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے ساتھ چار سو اسی ذراہم کسروی کے ساتھ کیا۔^(۲)

(۱) فتوح البلدان، البلاذری، احمد بن یحیی البلاذری، القاہرہ، مکتبۃ النهضة المصریة،

القسم الثالث ص ۵۷۱

(۲) کسروی کسری کی طرف نسبت ہے، اور کسری دو گزرے ہیں، کسری اول، جسے کسری اکبر بھی کہا جاتا

ہے، یہ ساسانی الاصل تھا، اور فارس پر ۵۳۱ء تا ۵۷۹ء حکومت کی، دوسرے کسری نے ۵۹۰ء تا ۶۲۸ء فارس پر حکومت کی، اسی کو ہرقل شاہ روم نے شکست دی تھی، ذراہم کسروی کسری اول کی طرف منسوب ہیں۔

اسی طرح زکوٰۃ، جزیہ اور سارے معاملات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں انہی کرنسیوں کے مطابق انجام پاتے تھے، آپ نے ان میں کسی قسم کا کوئی رد و بدل نہیں فرمایا، اور ڈلی کی شکل میں ان کے ساتھ تعامل جاری رکھا، جیسا کہ مشہور حدیث ہے:-

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلابمثل والفضة بالفضة وزنا

بوزن مثلابمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔^(۱)

”سونا سونے کے مقابلے میں برابر سرا بر تپو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سرا بر تپو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“

اسی طرح زمانہ جاہلیت میں رومی اور فارسی زر کے ساتھ ڈلی کی شکل میں معاملات لوگ کرتے تھے۔

یہی صورت حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی رہی، اور ان کرنسیوں میں کسی قسم کا کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ابتدائی زمانہ خلافت میں بھی یہی حال رہا، اور پہلے سے جاری شدہ کرنسیاں بحال رہیں، البتہ ۱۸ھ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نقشِ کسروی کے مطابق ذرا ہم بنائے، جن کو ”ذرا ہم بغلیہ“ کہا جاتا تھا، کیونکہ یہ نجر کے سر کی طرح ہوتے تھے، اور جن شہروں میں اس قسم کا کوئی سکہ ڈھلتا، اس شہر کا نام اس پر تحریر کیا جاتا تھا، مثلاً دمشق، بعلبک وغیرہ۔ اور یہ کہنا بظاہر دُرست ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلامی تاریخ کے پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلامی سکہ رائج فرمایا۔

اگرچہ مورخ بلیر کا موقف یہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے طبرہ میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبل سکہ ڈھالا تھا، یعنی ۱۵ھ میں۔

(۱) اخرجه مسلم، کتاب المساقاة، باب الربا۔

اور جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلیفہ بنے، تو انہوں نے ایسا سکہ بنایا، جس پر ”اللہ اکبر“ نقش تھا۔

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں درہم اور قلوں اسلامیہ ڈھالے گئے تھے، اور جب کوفہ اور بصرہ میں زیاد کی ولایت بن گئی، تو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درہم کی طرح درہم بنایا۔

بعد میں یزید، معاویہ دوم، مروان بن حکم نے سکہ سازی میں کوئی دلچسپی نہیں لی، اگرچہ بعض خود مختار حکمرانوں مثلاً قطری بن فجاجہ الخارجی، عبداللہ بن زبیر اور مصعب بن زبیر نے سکھ میں سکہ بنایا تھا، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر پہلے شخص ہیں، جنہوں نے گول درہم بنایا، اور اس سے قبل گول درہم کا رواج نہیں تھا۔

عبدالملک بن مروان (۶۵ تا ۸۶ھ) نے نظام زر کی اصلاح شروع کی، اور ۶۹ھ میں خالص اسلامی سکہ جاری کیا، چنانچہ عبدالملک بن مروان نے یہ سکہ حجاج بن یوسف ثقفی کے پاس بھیجا، اور حجاج نے مختلف اطراف میں پھیلا یا، تاکہ اس کے مطابق سکے ڈھالے جائیں۔

عبدالملک بن مروان کے دور حکومت میں باقاعدہ نگران بورڈ تھا جو ”دارالضرب“ (جہاں سکے بنائے جاتے ہیں) کی نگرانی کرتا تھا، لہذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ عبدالملک بن مروان تاریخ اسلام میں زر کے ”مصلح اول“ ہیں۔

عمر بن ہبیرہ والی عراق (یزید بن عبدالملک کے عہد حکومت میں) خالد بن عبداللہ بکلی (ہشام بن عبدالملک کے زمانے میں) اور یوسف بن عمر، ان لوگوں نے سکہ کا معیار بہت بڑھایا، اور اس میں بہت سختی کی، اور خالص چاندی کا استعمال شروع ہوا، چنانچہ بنی امیہ کے دور میں ہبیری، خالدی اور یوسفی زر سب سے عمدہ شمار ہوتا تھا، اور منصور تو خراج وغیرہ میں اس کے علاوہ کوئی اور زر قبول بھی نہیں کرتے تھے۔

اس زمانے میں درہم کو کھوٹ سے سختی کے ساتھ بچایا گیا، اور بہت بڑا جرم قرار

دیا گیا، چنانچہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے زمانے میں ان کے پاس ایک آدمی لایا گیا، جس نے شاہی سکہ کے خلاف سکہ بنایا تھا، تو انہوں نے اس کو سزا دی اور اس کو جیل میں ڈلوادیا۔ عبدالملک بن مروان نے ایک آدمی کو اس طرح گرفتار کیا تھا، تو اس کا ہاتھ کاٹنے کا ارادہ کیا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو ویسی سزا دی۔

یہاں تک کہ دور عباسی آ گیا، اور یہ دور جب اضطراب اور انتشار کا شکار ہو گیا، اور چھوٹی چھوٹی خود مختار ریاستیں وجود میں آ گئیں، اس زمانے میں ملاوٹ اور کھوٹ کا سلسلہ شروع ہو گیا، جس کی کئی قسمیں بن گئیں:-

۱- وہ ذرا ہم جن میں تانبے یا پتیل کی نسبت چاندی کا مادہ غالب رہتا تھا، یہ عباسی دور کا ابتدائی زمانہ تھا۔

۲- وہ ذرا ہم جن میں چاندی اور کھوٹ دونوں برابر برابر تھے۔

۳- وہ ذرا ہم جن میں چاندی کی نسبت دوسرا مادہ غالب تھا، یہ ذرا ہم ظاہر برقوق کے زمانے میں وجود میں آئے، اور ان کو ”حمی زر“ کہا جاتا تھا۔ چنانچہ کتب فقہ میں ”ذرا ہم بہر جہ، ذرا ہم ستوقہ“ کی اصطلاح اس قسم کے ذرا ہم کے لئے استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ ابن مہماتی فرماتے ہیں کہ ۳۰۰ھ کے بعد چاندی کم ہو گئی، اور نایاب ہو گئی، اور مصر میں خالص ذرا ہم کی تعداد بہت کم ہو گئی، چنانچہ ان کی جگہ کھوٹ نے لیا، چنانچہ شام میں ایسے ذرا ہم وجود میں آئے کہ ان میں چاندی ایک تہائی (۱/۳) سے بھی کم تھی۔

کہا جاتا ہے کہ عضد الدولہ نے مخلوط ذرا ہم بنائے جن میں تانبا اور سیسہ بھرا ہوا تھا، تو شروع میں تجار نے ان کو لینے سے انکار کیا، صلاح الدین کی حکومت جب وسیع ہو گئی، اور سونا اور چاندی ختم ہو گئی، یعنی ان کا وجود نایاب ہو گیا، تو انہوں نے ایسے ذرا ہم بنائے جن میں چاندی دو تہائی رکھی، اور باقی دوسرا مادہ رکھا گیا۔ اور یہی ذرا ہم مصر اور شام میں بنو ایوب میں رائج رہے، اسی طرح پیرس میں ایسے ذرا ہم وجود میں آئے جن میں ستر فیصد

چاندی اور باقی دوسرا ماڈہ ہوتا تھا۔

فلوس کی تاریخ

کہا جاتا ہے کہ فلوس سے قبل لوگ گندم وغیرہ بطورِ ثمن استعمال کرتے تھے، اس کے بعد تانبے وغیرہ کے فلوس رائج ہو گئے، اس کے بعد ٹیکسال (دارالضرب) میں باقاعدہ گول فلوس بنائے جانے لگے، لیکن ان فلوس کی حیثیت بہت گئی گزری تھی، ان سے معمولی قسم کے معاملات انجام پایا کرتے تھے۔

مراجعتِ کتب سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے عربی فلس حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۷ھ میں ”بزنی“ طرز پر بنایا، یہ فلوس بلادِ مصریہ میں پھیل گئے، ان فلوس پر عربی حروف میں ان کا نام بھی درج تھا۔

اس کے بعد ایسے فلوس بنائے گئے، جن پر ڈھالے جانے کی تاریخ اور مقام کا نام بھی درج ہوتا تھا، ان فلوس میں قدیم ترین فلوس ۹۰ھ کے ہیں۔
ابوالفضل حنفی نے خراسان میں فلوس کو خوب رواج دیا، چنانچہ وہ فلوس کے بارے میں کہتے تھے:-

”ہی فینا بمنزلة الفضة عندهم“

”یعنی فلوس ہمارے نزدیک فلوس کی حیثیت وہی ہے، جو ان کے

ہاں چاندی کی ہے۔“

اس زمانے میں اسی زر سے معاملات ہونے لگیں، اور یکے بعد دیگرے بادشاہ فلوس بناتے رہیں، لیکن ۶۵۰ھ میں لوگوں کے پاس فلوس بہت زیادہ ہو گئے۔

تقریباً ۷۲۰ھ کے لگ بھگ امیر محمود نے قاہرہ میں فلوس ڈھالنے لگے، اور ذرا ہم کو ختم کر دیا، اور فلوس ہی سونے اور دوسرے معاملات کا معیار قرار دیا گیا، اب اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس زمانے میں فلوس ہی نے اصل زر کی حیثیت اختیار کی۔

فلوس نے جب اصل زر کی حیثیت اختیار کی، تو ان کے اوزان اور ان کی تحدید بھی کی گئی، چنانچہ ۸۲۸ھ میں بادشاہ نے اعلان کیا کہ فلوس میں ہر رطل بارہ درہم کا برابر ہوگا، اس کے بعد اس کی قیمت زیادہ ہوگئی، اور اعلان کیا گیا کہ ہر رطل ۱۸ درہم کا ہوگا۔^(۱)

سکہ بنانے کا حق کس کو حاصل ہے؟

قانوناً تو یہ بات طے شدہ ہے کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، عامۃ الناس سکہ نہیں بنا سکتے، اور اس طرح کرنا بہت بڑا قانونی جرم سمجھا جاتا ہے، اور اس پر تعزیری سزا جاری ہوتی ہے، لیکن شرعاً آیا سکہ بنانے کا اختیار کسی فرد کو حاصل ہے؟ اس سلسلے میں جمہور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شرعاً بھی سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل ہے، کسی فرد کو ہرگز یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ کسی ملک کا سکہ بنائے، خواہ وہ سکہ، سکہ سلطانی کے موافق ہو یا اس سے مختلف ہو، اور اگر کسی نے اس طرح حرکت کی، تو یہ فساد فی الارض کے قبیل میں ہوگا، اور ایسا شخص مستحق تعزیر ہوگا، چنانچہ روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس ایک ایسا شخص لایا گیا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف اپنے طور پر سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کو سزا دی، اس کو جیل میں ڈلوادیا، اور اس کا سکہ جلا دیا۔

اسی طرح حضرت عبدالملک بن مروان نے ایک شخص کو گرفتار کروایا جس نے سکہ سلطانی کے خلاف سکہ بنایا تھا، انہوں نے اس کا ہاتھ کاٹنا چاہا، لیکن بعد میں اس کو معاف کیا، اور اس کو دوسری قسم کی سزا دی۔

ڈاکٹر عدنان ترکمانی کہتے ہیں:-

وكره ذلك الامام مالك، وقال: انه من الفساد ولو كان

(۱) النقود الاثمنية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دارالعاصبة ۱۴۱۳ھ، ص ۵۲ تا ۷۰

_____ السياسية النقدية والمصرفية، التركمانی (الدكتور عدنان خالد التركمانی) بيروت، مؤسسة الرسالة ۱۴۰۹ھ (ص ۶۳)

الضرب علی الوفاکما روی عن سعید بن المسیب ان من
یضرب النقود من غیر رجال الدولة او السلطة الحاکم
یعتبر من الفساد فی الارض۔

اس کام کو حضرت امام مالکؒ نے مکروہ قرار دیا ہے، اور فرمایا کہ یہ از
قبیلِ فساد ہے، اگرچہ اس کے سکے کی بناوٹ بادشاہ کے سکے کے
موافق ہو۔ اور حضرت سعید بن مسیبؒ سے روایت ہے کہ حکومت
کے علاوہ اگر کسی شخص نے سکہ بنایا، تو یہ فساد فی الارض شمار ہوگا۔

البتہ حضرات حنفیہ کے ہاں اس کی گنجائش ہے، بشرطیکہ وہ سکہ سلطانی کے موافق
ہو، اور اس سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان لاحق نہ ہو۔

لیکن چونکہ اگر یہ اختیار ہر کسی کو حاصل ہو کہ وہ سکہ بنائے، تو اس زمانے میں اس
کا فساد ہونا، اور اس کے معاشی نقصانات بالکل واضح ہیں، اس لئے حنفیہ کا مذہب بھی جمہور
کا موافق ہو جائے گا، اور اب یہ سمجھا جائے گا کہ سکہ بنانے کا اختیار صرف حکومت کو حاصل
ہے، حکومت کے علاوہ کسی بھی فرد کو یہ اختیار حاصل نہیں، خواہ اس کا بنایا ہوا سکہ سلطانی
کے موافق ہو، یا مخالف ہو۔^(۱)

زَر اور اس کے شرعی و اقتصادی وظائف

زَر کے وظائف (Functions) سے مراد یہ ہے کہ زَر انسانی معاشرے میں کیا
کردار ادا کرتا ہے، اور زَر بنی نوع انسان کی کیا خدمات انجام دیتا ہے۔

زَر کے وظائف کے سلسلے میں ہم جب معاشیات کی کتابوں اور علماء و فقہاء کی
عبارات کی مراجعت کرتے ہیں، تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ زَر کے شرعی اور اقتصادی
وظائف تقریباً ایک جیسے ہیں، اس لئے ہم کتب فقہ اور کتب معاشیات کی روشنی میں ان

(۱) السیاسة النقدية والمصرفية، الترمکمانی (الدكتور عدنان خالد الترمکمانی) بیروت،

مؤسسة الرسالة ۱۴۰۹ھ (ص ۶۷)

وظائف کا خلاصہ ذیل میں پیش کرتے ہیں، البتہ یہ بات یاد رہے کہ ماہرین معاشیات نے ان وظائف کو باقاعدہ عنوانات قائم کر کے ذکر کیا ہے، اور فقہائے کرام نے باقاعدہ عنوانات کی تصریح کے ساتھ ان کو ذکر نہیں کیا ہے، بلکہ زکوٰۃ اور سود وغیرہ کے مسائل کے بیان کے ضمن میں ان کی جو عبارات مذکور ہیں، ان سے یہ وظائف آسانی اخذ کئے جاسکتے ہیں:

۱- آلہ مبادلہ (Medium of Exchange)

ذکر اولین فرض یہ ہے کہ یہ آلہ مبادلہ کا کام دیتا ہے، یعنی اشیاء اور خدمات کے خریدنے اور بیچنے کے وقت استعمال ہوتا ہے، اگر ذکر موجود نہ ہو، تو ہر شخص کو ضرورت کی چیزیں حاصل کرنے کے لئے کوئی نہ کوئی شے دینی پڑے گی، یعنی اشیاء کا براہ راست اشیاء کے ساتھ تبادلہ کرنا پڑے گا، ایسے نظام کو مقابضہ (Barter) کہا جاتا ہے، اور اس میں کئی مشکلات پیش آتی ہیں، جیسا کہ گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ ان کا ذکر ہو چکا ہے، لیکن ذکر کی بدولت یہ دشواری ختم ہوگی، اب ہر شخص اپنی چیزیں زر کے عوض فروخت کر دیتا ہے، اور زر کی مدد ہی سے اپنی ضرورت کی اشیاء یا خدمات خرید لیتا ہے، آلہ مبادلہ کی حیثیت سے زر انسانی معاشرے کے لئے بہت ہی نافع اور مفید ہے، اور اس کے بہت فوائد ہیں، مثلاً صنعت کار خام مال اور مشینری خرید سکتے ہیں، مزدوروں کو اجرتیں ادا کر سکتے ہیں، زر کی مدد سے ہر چھوٹی موٹی چیز خریدی جاسکتی ہے۔

۲- معیارِ قدر (Standard of Value)

زر ”قدر“ کی پیمائش کے معیار کا کام دیتا ہے، جس طرح گندم کے وزن کی پیمائش باٹوں سے کی جاتی ہے، کپڑے کے طول و عرض کو میٹر یا گز سے ناپا جاتا ہے، اسی طرح چیزوں کی قدر و قیمت کو زر کے معیار پر ناپا جاتا ہے، اس کی بدولت ہر شخص اپنی اشیاء کی قدر کا اندازہ کر سکتا ہے، مثلاً ریڈیو ایک ہزار روپے کا ہے، کپڑا تیس روپے گز ہے، کتاب سو روپے کی ہے، وغیرہ۔

۳- ذخیرہ قدر (Store of Value)

ذکر قدر کو جمع کرنے یا ذخیرہ کرنے کے کام آتا ہے، انسان کو دولت جمع کرنے کی ضرورت پڑتی ہے، تاکہ وہ آئندہ ضرورت پڑنے پر کام آسکے، یہ کام ذکر انجام دیتا ہے، کیونکہ کوئی اور شیء مثلاً گندم یا بکریاں یہ کام انجام نہیں دے سکتیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ چیزیں فنا پذیر ہیں، اور دوم ان کی قیمت گھٹتی ہے، جبکہ ذکر کی قیمت عام حالات میں عام چیزوں کی طرح بدلتی نہیں رہتی، اور اس کے ضائع ہونے کا احتمال بھی کم ہوتا ہے۔

۴- آئندہ ادا نیکیوں کا معیار (Standard of Deferred Payments)

انسانی معاشرے میں بعض ایسے باہمی معاملات ہوتے ہیں، جن کی ادائیگی ادھار ہوتی ہے، مثلاً: قرض، ادھار خرید و فروخت یہ مقصد ذکر کی مدد سے پورا ہو جاتا ہے، کیونکہ ذکر کی قدر میں بڑی حد تک استحکام پایا جاتا ہے۔

پروفیسر منظور علی کہتے ہیں:-

”غرض اگر زرنہ ہو، تو انسان کو اشیاء پیدا کرنے اور تبادلہ کرنے کے لئے قدیم فرسودہ نظام کی جانب لوٹنا پڑے، اسی لئے یہ کہا جاتا ہے کہ انسانی تہذیب و تمدن کی ترقی میں حصہ ڈالنے والی ایجادوں میں ”زر“ ایک بہت بڑی ایجاد ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے انسانی تہذیب نے ترقی کے مرحلے تیزی سے طے کئے ہیں۔“^(۱)

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم ص ۱۲۰

_____ احکام الاوراق النقدية للجمعيد :

”وفیما یلی بین تلك الوظائف :

۱- النقود وسيط للتبادل۔۔۔

۲- النقود مقياس للقيمة۔۔۔

۳- النقود مخزن للقيمة۔۔۔

(باقی اگلے صفحے پر)

۴- النقود وسيلة للمدفوعات الموجلة۔۔۔“ ص ۶۱-۶۶

اب آئیے دیکھتے ہیں کہ علمائے اسلام نے اس بارے میں کیا کہا ہے؟
علامہ ابن العربیؒ فرماتے ہیں:-

”ذراہم و ذنانیر کو توڑنا عظیم گناہ ہے، کیونکہ یہ اشیاء کی قیمتوں کو
اندازہ کرنے کا ذریعہ ہے، اور اموال کی مقدار کی پہچاننے کا راستہ
ہے، اور مبادلات میں استعمال ہوتے ہیں، یہاں تک کہ بعض علماء
نے ان کو مقادیر کے اختلاف یا مقادیر کے مجہول ہونے کے وقت
اموال کے درمیان ”قاضی“ کہا ہے، (یعنی جب اموال کی
مقداریں مختلف ہوں، یا مجہول ہوں، تو ذراہم یا ذنانیر ہی اس

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

_____ السیاسة النقدية والمصرفية في الاسلام للترکمانی:

”ان للنقود وظيفتين اساسيتين ووظيفتين ثانويتين:

الوظائف الاساسية للنقود : الوظيفة الاولى : النقود وسيط للتبادل -- الوظيفة الثانية :
النقود كمعيار للقيمة -- الوظائف الثانوية للنقود، الوظيفة الاولى ثبوت النقود في الذمة،
الوظيفة الثانية : النقود مستودع للقيمة“ ص ۵۳۔

The Theory of Money and Credit by Ludwing Von Mises P:41Ch:1

Modren Econmic Theory by Dewet:

"Money performs five important functions:

1. It is serves as a medium of exchange.
2. It is used as a store of value.
3. It is standard for measuring values.
4. Money serves as a standard for deffered payments.
5. It transfers value."P:412

Introduction to Economic Principles:

" Money performs four main functions:

- 1/ common medium of exchange
- 2/ A common measure of value.....
- 3/ Store of value.....
- 4/ A standard of deffered payments...."P315.

اختلاف اور جہالت کا تصفیہ کرتا ہے قاضی کی طرح۔“ (۱)

اس عبارت میں ابن العربی نے زَرَّكَ کے بنیادی وظائف بیان فرمائے ہیں، کہ زَرَّ

قیمت کا معیار اور آلہ مبادلہ ہے۔

علامہ ابن الہمام نے بھی زَرَّكَ کو آلہ مبادلہ قرار دیا ہے کہ:-

”ان دونوں کی تخلیق ہی اس مقصد کے لئے ہوئی ہے کہ ان کے

ذریعہ دیگر اشیاء حاصل کی جائیں.....“ (۲)

علامہ سرخسی فرماتے ہیں:-

”زَرَّكَ کے ذریعے دیگر اشیاء کی قیمت معلوم کی جاتی ہے۔“ (۳)

علامہ ابن القاسم فرماتے ہیں:-

”سونا چاندی تمام اشیاء کی قیمتوں کا معیار ہے۔“ (۴)

علامہ ابن تیمیہ ”فلوس“ کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”جو فلوس تعامل میں ہوں، ان میں اثمان کے معنی غالب کئے جائیں

گے، اور لوگوں کے اموال کا معیار سمجھیں جائیں گے۔“ (۵)

علامہ ابن القیم فرماتے ہیں:-

(۱) احکام القرآن، ابن العربی، (ابو بکر محمد بن عبد اللہ المعروف بابن العربی

متوفی ۵۴۳ھ، بیروت، دارالمعرفة (۱۰۶۲/۳)

(۲) فتح القدير (۱۵۵/۲)

(۳) المبسوط، السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، دارالمعرفة، ۱۴۱۳ھ

(۱۹۳/۲)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ”انہ تقوم الاموال بہما وانہ لا مقصود فیہما سوی انہما قیم الاشياء،

وبہما تعرف خیرة الاموال ومقادیرہا۔“ (۲۰/۳)

(۴) بحوالہ احکام الاوراق النقدية والتجارية (ص ۷۰)

(۵) مجموع الفتاوی (۳۶۸/۲۹)

”ذرا ہم و ذرا نیر فروخت شدہ اشیاء کے اثمان ہیں، اور ثمن وہ معیار ہے، جس سے اموال کی قیمتیں متعین کی جاتی ہیں۔“^(۱)

یہ چند حوالہ جات صرف بطور نمونہ بیان کئے گئے، جن سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ علمائے اسلام کی عبارات میں زَر کے وہی وظائف مذکور ہیں، جو ماہرین معیشت ذکر کرتے ہیں۔

نوٹ:- وظائفِ زَر کی اس تفصیل میں آپ نے کہیں یہ نہیں دیکھا کہ کسی ماہر اقتصاد یا فقیہ نے زَر کا یہ وظیفہ بھی بیان کیا ہو کہ یہ محل تجارت بھی ہے، جس سے یہ بات بالکل صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ زَر کا وظیفہ تجارت ہے ہی نہیں، لہذا ① زَر کی تعریف، ② زَر کی حقیقت اور ③ زَر کے وظائف ان تینوں مباحث سے یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی کہ زَر صرف آلہ مبادلہ ہے، آلہ تجارت نہیں۔

إفراط زَر اور تفریط زَر (Inflation and Deflation)

اس بحث کا اصل محل اس مقالے کا باب ششم ہے، جس کا عنوان ہی ”قدر زَر“ (Value of Money) ہے، اس لئے اس کی اصل تفصیلات ان شاء اللہ تعالیٰ اسی باب میں بیان کی جائیں گی، جن میں إفراط و تفریط زَر کے عوامل و اسباب (Causes) اس کے اثرات (Effects) اور مختلف اقسام و انواع (Kinds) پر مفصل روشنی ڈالی جائے گی، یہاں ہم صرف إفراط اور تفریط زَر کے معنی و حقیقت بیان کرنے پر اکتفاء کریں گے:

إفراط اور تفریط ایک دوسرے کی ضد کے طور پر استعمال ہوتے ہیں، کیونکہ لغوی معنی کے اعتبار سے ”إفراط“ زیادت، مبالغہ اور کمال کو کہتے ہیں، جبکہ ”تفریط“ کمی اور تفسیر کو کہتے ہیں، لہذا إفراط زَر اور تفریط زَر کے لغوی معنی زَر کے بڑھنے اور گھٹنے کے ہوئے، اصل اصطلاحی معنی بھی لغوی معنی کے قریب ہیں، کیونکہ:-

جب زَرَکَا پھیلاؤ زیادہ ہو جائے، تو اشیاء کی طلب (Demand) بڑھ جاتی ہے، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اشیاء کی قیمتوں میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اشیاء کی قیمتوں میں اضافے کی وجہ سے زَرَکَا قدر (Value) میں کمی آ جاتی ہے، اس صورتِ حال کو "افراطِ زَرَ" (Inflation) کہا جاتا ہے، اس کے برعکس جب زَرَکَا پھیلاؤ کم ہو جائے، جس سے اشیاء کی قیمتوں میں کمی ہو جاتی ہے، اور زَرَکَا قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے، تو اس صورتِ حال کو "تفریطِ زَرَ" (Deflation) کہا جاتا ہے۔^(۱)

خلاصہ یہ کہ زَرَ کے زیادہ پھیلاؤ سے اشیاء کی قیمت میں اضافہ اور زَرَ کی قدر میں کمی ہو جاتی ہے، اور کم پھیلاؤ کی صورت میں صورتِ حال معکوس ہو جاتی ہے، گویا کہ اشیاء کی قیمتیں اور زَرَ کی قدر دونوں متضاد سمتوں (Directions) میں سفر کرتے ہیں۔

قیمتِ شے ↑ قدرِ زَرَ ↓ → ← قیمتِ شے ↓ قدرِ زَرَ ↑

اس اصطلاح کی اصل حقیقت تو یہی ہے، لیکن بعد میں اس میں عموم ہوا، اور اس کو اشیاء کی قیمتوں میں ہر اضافے کے لئے استعمال کیا گیا، خواہ وہ اضافہ زَرَ کے پھیلاؤ کی وجہ سے ہو، یا دیگر عوامل کی وجہ سے، جس کی تفصیل بابِ ششم میں آئے گی۔



www.KitaboSunnat.com

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت (ص ۱۰۸) جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی
مراجعہ اضافیہ:-

زَرَ اور بنک داری (ص ۱۸۳) شیخ عطاء اللہ ایم اے

زَرَ اور بنکاری (ص ۸۳) شیخ مبارک علی

مقدمة فی النقود والبنوك (ص ۲۸) الدكتور محمد زکی الشافعی

باب دوم

ربا (سود)

احکام زّر میں سب سے اہم حکم چونکہ ”ربا“ (Interest) کا ہے، جیسا کہ اگلے ابواب سے ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہو جائے گا، اس لئے ضروری ہے کہ ربا کی تعریف اور دیگر بعض متعلقہ باتوں کو اس باب میں اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے۔

تعریفِ ربا

”ربا“ لغوی معنی کے اعتبار سے زیادتی اور بڑھوتری کو کہتے ہیں، اور اصطلاحی معنی کے اعتبار سے اس کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے:

ربا النسیئہ اور ربا الفضل

”ربا النسیئہ“ کو ربا القرآن، ربا الجاہلیہ اور ربا القرض بھی کہتے ہیں، اور ”ربا الفضل“ کو ربا الحدیث اور ربا البیع بھی کہتے ہیں۔

ربا النسیئہ کو ربا القرآن اس لئے کہتے ہیں کہ قرآن کریم کی متعدد آیات نے اس کو براہ راست ممنوع قرار دیا ہے، جیسا کہ ”دلائل حرمت“ سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو ربا الجاہلیہ اس لئے کہتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں اس کا رواج تھا، اور اہل جاہلیت بھی اس کو ربا ہی کہتے تھے، اور اس کو ربا القرض اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق قرض سے ہے، کیونکہ نسیئہ کے معنی اُدھار کے ہیں۔

”ربا الفضل“ کو ربا الحدیث اس لئے کہتے ہیں کہ یہ قسم صرف الفاظِ قرآن سے

نہیں سمجھی گئی، بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ سے معلوم ہوئی، جیسا کہ ”دلائل حرمت“ سے واضح ہو جائے گا، اور اس کو رباً البیوع اس لئے کہتے ہیں کہ اس کا تعلق بیع سے ہے، کیونکہ فضل کے معنی زیادت کے ہیں، چنانچہ ابن العربیؒ احکام القرآن^(۱) میں فرماتے ہیں:-

”الربا فی اللغة الزيادة، والمراد فی الآیة کل زیادة لا یقابها

عوض۔“

”ربالغت میں زیادتی کو کہتے ہیں، اور آیت کریمہ میں اس سے مراد

ہر وہ زیادتی ہے، جس کے مقابلے میں کوئی عوض نہ ہو۔“

ابن العربیؒ کی یہ تعریف رباً النسیئہ اور رباً الفضل دونوں کو جامع ہے، کیونکہ ایسا اضافہ جو کسی عوض کے مقابلے میں نہ ہو، یہ رباً النسیئہ میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں اپنا قرض پورا پورا لیا جاتا ہے، اور اس پر سود (Interest) کے نام سے جو اضافہ ملتا ہے، وہ بے معاوضہ ہوتا ہے، اور رباً الفضل میں بھی پایا جاتا ہے، کیونکہ اس میں دو چیزوں کا مبادلہ ہوتا ہے، اور کسی ایک جانب میں ایسی زیادتی پائی جاتی ہے، جو کسی معاوضے کے بدلے میں نہیں ہوتی، لہذا ابن العربیؒ کی تعریف اپنی جامعیت کی بناء پر عمدہ تعریفات میں شمار کی جاتی ہے۔

امام ابو بکر بھاصؒ احکام القرآن^(۲) میں رباً کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”وهو القرض المشروط فیہ الاجل و زیادة مال علی

المستقرض“

”قرض کا وہ معاملہ جس میں ایک مخصوص مدت ادائیگی اور مقروض پر

(۱) احکام القرآن، ابن العربی (محمد بن عبد اللہ م ۵۳۳ھ) بیروت، دار المعرفہ، طبع

سوم ۱۳۹۲ھ (۲۳۲/۱)۔

(۲) احکام القرآن، الجصاص (احمد بن علی الجصاص م ۱۳۷۰ھ) سہیل اکیڈمی

(۵۵۷/۱) لاہور پاکستان

مال کی کوئی زیادتی متعین کر لی گئی ہو۔“

علامہ جصاص نے ”القرض“ کی قید لگا کر اس تعریف کو اس قسم کے ساتھ خاص کر دیا، یعنی ربا النسئید کے ساتھ۔

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب علامہ جصاص کی اس تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں:-

”وان هذا التعريف يشمل سائر انواع ربا النسئية وكان هذا الربا محرما في سائر الاديان السماوية، وتوجد نصوص تحريمه حتى الآن في مجموعة الكتاب المقدس، وراجع سفر الخروج ۲۵: ۲۲ وسفر الاحبار ۲۵: ۲۵ وسفر التثنية ۲۳: ۲۰ من اسفار التوراة، وزبور داود عليه السلام ۵: ۱۵، وسفر امثال سليمان عليه السلام ۸: ۲۸، وسفر نحمية ۵: ۷، وسفر حزقييل عليه السلام ۸: ۱۸، ۱۳، ۱۷، ۱۲، ۲۲“

”یہ تعریف ربا النسئید کی تمام اقسام کو شامل ہے، اور ربا کی یہ قسم تمام آسمانی ادیان میں حرام رہی ہے، چنانچہ اس کی حرمت کی نصوص ابھی تک کتاب مقدس میں موجود ہیں، اس کے لئے ملاحظہ ہوں: خروج: ۲۲: ۲۵، احبار: ۲۵: ۲۵، استثناء: ۲۳: ۲۰، زبور داؤدی: ۱۵: ۵، سفر امثال سلیمان علیہ السلام: ۲۸: ۸، سفر نحمیاہ: ۵: ۷، اور اسفار حضرت حزقییل علیہ السلام: ۱۸، ۱۳، ۱۷، ۲۲، ۱۲، ۲۲“^(۱)

(۱) تکملہ فتح الملہم شرح صحیح مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳ طبع اول ۱۳۰۵ھ (۱/۵۶۷)۔

”ربا النسیۃ“ کی تعریف پر مشتمل ایک مشہور حدیث کی تشریح و تحقیق

”کل قرض جر نفعاً فهو ربا“ رواہ الحارث بن ابی اسامۃ فی

مسندہ عن علی رفعہ

”حارث بن ابی اسامہ نے اپنے ”مسند“ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ

سے مرفوعاً روایت کی ہے، کہ جو قرض کچھ نفع کمائے، وہ ربا ہے۔“^(۱)

اس حدیث شریف میں ”قرض“ کا لفظ موجود ہے، اس لئے اس کا تعلق ربا

النسیۃ سے ہی ہے۔

اس روایت پر سند کی حیثیت سے اگرچہ جرح ہوئی ہے، لیکن چونکہ دوسری

روایات و آثار سے اس کی تائید ہوتی ہے، اس لئے یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، اور

محدثین کرام کے نزدیک صالح للعمل ہے، بلکہ اُمت کی طرف سے اس کو ”تلقی

بالقبول“ حاصل ہے، جیسا کہ مفتی اعظم مولانا محمد شفیع صاحب ”مسئلہ سود“^(۲) میں اس

حدیث سے متعلق فرماتے ہیں:-

”یہ حدیث علامہ سیوطی نے جامع صغیر میں نقل کی ہے، اور فیض

القدر شرح جامع صغیر میں اگرچہ اس کی سند پر جرح کی ہے، اسناد کو

ضعیف بتلایا ہے، لیکن اس کی شرح سراج المنیر عزیزی نے اس کے

متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں: قال الشیخ: حدیث حسن لغیرہ، یعنی

یہ حدیث حسن لغیرہ ہے، کیونکہ دوسری روایات و آثار سے اس

کی تائید ہوتی ہے، بہر حال یہ روایت محدثین کے نزدیک صالح

للمعمل ہے۔“

(۱) کشف الخفاء، الجراحی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۳ھ)

بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع سوم ۱۴۰۳ھ (۱۶۳/۲)

(۲) مسئلہ سود (ص ۱۵)، ادارۃ المعارف کراچی طبع جدید، ۱۳۹۹ھ۔

امام الحرمین اور امام غزالی نے بھی اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے۔^(۱)
 نیز یاد رکھنا چاہئے کہ جمہور فقہاء و محدثین نے اس حدیث کو ایک اصول کے طور پر قبول کیا ہے، اور فقہاء و محدثین کی یہ "تلقی بالقبول" اس بات کی بذات خود ایک مستقل دلیل ہے کہ یہ اصول قرآن و سنت کے عین مطابق ہے، لہذا بعض عربی مصنفین اور علماء^(۲) کا اس حدیث کو دیگر احادیث کا معارض قرار دینا یا اس کی صحت سے بالکل انکار کرنا درست نہیں۔

مذکورہ حدیث میں "منفعت" سے مراد ہر وہ منفعت مراد ہے، جو مشروط یا معروف ہو، کیونکہ معروف بھی بیشتر احکام شرعیہ میں مشروط کے حکم میں ہے، چنانچہ امام ابو بکر بھصاؓ وغیرہ نے جو تعریف بیان فرمائی ہے، اس میں "المشروط" کی قید اس لئے لگائی ہے، نیز منفعت عام ہے، خواہ مال کی شکل میں ہو، یا کسی اور شکل میں ہو، لہذا اب مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہوا کہ "قرض کی وجہ سے جو بھی مشروط یا معروف نفع خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، حاصل ہو، وہ سود ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔"
 مذکورہ بالا تشریح و مطلب میں دو باتیں آگئیں:-
 ۱- حدیث میں نفع سے مراد مشروط یا معروف نفع ہے۔
 ۲- نفع عام ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہو۔

(۱) تلخیص الحیبر، العسقلانی (علامہ ابن حجر العسقلانی م ۸۵۲) الرياض، مکتبہ نزار مصطفیٰ الباز، طبع اول ۱۳۱۷ھ (۱۹۹۷/۳)
 "قال عمر بن بدرفی المغنی: لم یصح فیہ شیء، واما امام الحرمین، فقال: "انہ صحیح" و تبعہ الغزالی۔"

_____ فتح القدیر (۳۵۶/۶)

(۲) ان میں سے ڈاکٹر رفیق یونس مصری (الجامع فی اصول الربا)، شیخ صالح بن فوزان الفوزان (الفرق بین البیع والربا)، اور ڈاکٹر عبداللہ بن محمد بن حسن السعیدی (الربا فی المعاملات المصریة المعاصرة)۔

پہلی بات کی دلیل وہ تمام احادیث و روایات ہی، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کئی واقعات میں قرض لے کر ادائیگی کے وقت کچھ زیادہ عطاء فرمایا۔^(۱)

اور دوسری بات کی دلیل یہ ہے کہ ائمہ اربعہ نے بہت سی ایسی صورتوں کو ممنوع قرار دیا ہے، جن میں مقرض کو اپنے دیئے ہوئے قرض پر کچھ نفع حاصل ہو رہا ہے، حالانکہ وہ نفع ”مال“ کی شکل میں نہیں ہوتا، اور ممانعت کی بنیاد یہی حدیث شریف ہے، مثلاً:

۱- شیء ہون سے مشروط یا معروف انتفاع حرام ہے۔^(۲)

۲- قرض خواہ کے لئے مقروض کی سواری پر سوار ہونا یا قرض کی وجہ سے اس کے گھر میں کھانا کھانا جائز نہیں۔^(۳)

۳- اگر کوئی کسی کو اس شرط پر قرض دے کہ مقروض اس کو اپنا مکان فروخت کرے گا، تو یہ ناجائز ہے۔^(۴)

۴- ”سُفْتَجَہ“ کو اسی حدیث کی بناء پر ائمہ نے ممنوع قرار دیا ہے، حالانکہ اس

(۱) مجمع الزوائد، الہیتمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی م ۸۰۷ھ) بیروت، لبنان، دارالکتاب طبع دوم ۱۹۶۷ء، (۱۴۱/۳)

”استسلف النبی ﷺ من رجل من الانصار اربعین صاعاً، فاحتاج الانصاری فاتاہ، فقال رسول ﷺ: ماجاء ناشیء، فقال الرجل واراد ان یتکلم، فقال رسول اللہ ﷺ: لا تقل الا خیراً، فانا خیر من تسلف، فاعطاه اربعین فضلاً واربعین لسلفه فاعطاه بمائتین۔“
 ”عن عطاء بن یعقوب قال: استسلف ابن عمر منی الف درہم قرضانی اجدومتھا، فقلت له: ان دراهمك اجدود من دراهمی، قال: ماكان فیها من فضل نائل لك من عندی۔ ومالی ذلك من الاحادیث۔“

(۲) الدر المختار ورد المحتار (۷۰/۱۰)

(۳) الفقہ الاسلامی وادلتہ الزحیلی (الدكتور وهبه الزحیلی) بیروت دارالفکر (۷۲۳/۳)

(۴) مرجع سابق

میں کوئی زیادتِ مال نہیں۔^(۱)

لہذا یہ کہنا کہ منفعت جو حرام ہے اس سے مراد صرف ”زیادتِ مال“ ہے، درست نہیں، جیسا کہ ماضی قریب کے ایک ماہر اقتصادِ شیخ محمود احمد مرحوم نے علامہ بھاص^(۲) وغیرہ کی تعریفات کے ظاہر کو دیکھ کر یہ بات کی ہے، کیونکہ ان تعریفات میں ”مال“ کا لفظ موجود ہے۔

حالانکہ ان تعریفات میں ”مال“ کی قید تعلیماً ہے، کیونکہ زمانہ جاہلیت میں زیادہ تر اسی طرح ہوتا تھا، تو یہ کوئی قیدِ احترازی نہیں، کیونکہ اس صورت میں علامہ بھاص^(۲) کی تعریف خود مذکورہ حدیث (جس میں منفعت عام ہے) کی معارض ہو جائے گی، نیز بہت سارے علمائے اسلام نے ربا کی تعریف میں ”مال“ کی کوئی قید نہیں لگائی ہے۔^(۳) خلاصہ یہ کہ مذکورہ حدیث کی رو سے قرض پر ہر مشروط یا معروف نفع حاصل کرنا خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، ”ربا النسئہ“ ہے، اور قرآن و حدیث کی روشنی میں حرام اور ممنوع ہے، اور اس سے بچنا ضروری ہے۔

اور ”سفتجہ“ اس کی جمع سفتاج ہے، اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ زید مثلاً تاجر ہے، تو عمر واس قرض دیتا ہے، لیکن عمر واس کو قرض دیتے وقت یہ شرط عائد کرتا ہے کہ یہ قرض میرے شہر میں جو میرا دوست یا میرے والد ہیں، ان کو ادا کرنا، اس کو فقہائے کرام نے ممنوع قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں مقرض یعنی عمر واس کو راستے کے خطرات سے بچاؤ کا فائدہ حاصل ہوتا ہے، جو ”قرض جرنفعا“ میں داخل ہے، اور ممنوع ہے۔ دیکھئے! الشامیہ (۲۹۸/۷)۔

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۷۲۳/۳)

(۲) کتاب سود کی متبادل اساس۔ شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء۔

(۳) مسئلہ سود۔

ربا الفضل

ربا الفضل سے مراد وہ اضافہ ہے جو کچھ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے پر حاصل ہو۔

ربا الفضل کے سلسلے میں حدیث مشہور ہے، جسے ”اشیائے ستہ“ والی حدیث کہتے ہیں، کیونکہ اس میں چھ چیزوں کا ذکر موجود ہے، اس حدیث کے الفاظ ذیل میں ملاحظہ فرمائیں!

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلًا والفضة بالفضة مثلاً بمثلًا،
والتمر بالتمر مثلاً بمثلًا والبر بالبر مثلاً بمثلًا، والملح
بالمح مثلاً بمثلًا، والشعير بالشعير مثلاً بمثلًا فمن زاد
اوزداد فقد اربى، بیعوا الذهب بالفضة کیف شئتم یدا
بیدا، الحدیث^(۱)

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرا بر پیٹو، چاندی کو چاندی
کے بدلے میں برابر سرا بر پیٹو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سرا بر
پیٹو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سرا بر پیٹو، نمک کو نمک کے
بدلے میں برابر سرا بر پیٹو، جو جو کے بدلے میں برابر سرا بر فروخت
کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے
گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت
کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس
طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“

یہ حدیث مختلف کتابوں^(۲) میں مختلف الفاظ کے ساتھ آئی ہے، لیکن حاصل سب کا

(۱) کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۳۶۶۹۔

(۲) مثلاً: صحیح مسلم، القشیری (ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاة

صحیح البخاری، البخاری (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری) باب المساقاة

سنن ابی داؤد السجستانی (سلمیمان بن الأشعث بن اسحاق السجستانی)، البیوع

ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ مخصوص اجناس کے باہمی تبادلے کے وقت کسی ایک جانب اضافے سے آپ نے ممانعت فرمائی ہے۔

اس حدیث شریف میں صرف چھ چیزوں کا ذکر ہے، لیکن اس پر اتفاق ہے کہ ربا صرف ان چھ چیزوں کے تبادلے میں منحصر نہیں، بلکہ اور چیزیں بھی اس ممانعت میں آسکتی ہیں، اب یہ کس طرح معلوم ہوگا، اس کے لئے مجتہدین نے ”تعلیل“ کا سہارا لیا، یعنی اس حدیث میں سوچا گیا کہ ان چیزوں کے باہمی تبادلے میں اضافے کو کس علت کی بنیاد پر ممنوع قرار دیا ہے؟ چنانچہ ہر مجتہد نے اجتہاد کر کے اپنے اجتہاد کے مطابق علت نکالی، اور اس علت پر مزید احکام متفرع کئے، جس کی تفصیل کتب فقہ اور کتب اصول فقہ میں مذکور ہے۔

حرمتِ ربا کے دلائل کا خلاصہ

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي
يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ
الرِّبَا وَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا - الآية^(۱)

”جو لوگ سود کھاتے ہیں، ان کا حال اس شخص کا سا ہوتا ہے، جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو، اور اس حالت میں ان کے بتلا ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تجارت کو حلال کیا ہے، اور سود کو حرام الخ“

يَسْمَحُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُرِيهِ الصَّدَقَاتِ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ
أَثِيمٍ^(۲)

(۱) سورة البقرة آیت ۲۷۵

(۲) سورة البقرة آیت ۲۷۶

”اللہ سود کو مٹاتا ہے، اور خیرات کو بڑھاتا ہے، اور تمام ایسے لوگوں کو ناپسند کرتے ہیں، جو ناشکرے اور گنہگار ہوں۔“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ، فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ
الآية (۱)“

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، اور جس قدر سود رہ گیا ہے، اسے چھوڑو، اگر تم ایمان والے ہو، اگر تم نے ایسا نہیں کیا، تو پھر اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ.....“

”يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً الْآيَةَ (۲)“

”اے ایمان والو! سود مت کھاؤ چند در چند.....“

عن ابن مسعود قال: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله (۳)

وفى رواية لمسلم وغيره: لعن رسول الله ﷺ آكل الربا، وموكله وكتابه وشاهديه، وقال: هم سواء“

”آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سود کھانے والے اور کھلانے والے پر لعنت کی ہے، اور ایک روایت میں ہے، کہ آپ نے سود کھانے، سود کھلانے، لکھنے اور اس کے گواہ بننے والوں پر لعنت کی ہے، اور یہ

بھی فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔“

www.KitaboSunnat.com

(۱) سورة البقرة آیت ۲۷۸

(۲) سورة البقرة آیت ۲۸۱

(۳) بخاری کتاب الطلاق، مسلم کتاب المساقاة، ابوداؤد کتاب البیوع، وغیرها

”الربا بضع وسبعون باہا والشرك مثل ذلك“ (۱)

”سود کی خرابیاں ستر سے اوپر ہیں، اور شرک اس کے برابر ہے۔“

”الدرهم يصيبه الرجل من الربا اعظم عند الله من ثلاثة وثلاثين زينة يزنيها في الاسلام“ (۲)

”سود کا ایک درہم اللہ کے نزدیک تینتیس مرتبہ زنا سے بھی زیادہ بڑھ کر ہے، جو زنا حالتِ اسلام میں انسان کرے۔“

”الربا ثلاث وسبعون باہا ایسرھا مثل ان ینکح الرجل امه“ (۳)

”سود کے تہتر قسم کی خرابیاں ہیں، ان میں سب سے معمولی یہ ہے کہ آدمی اپنی ماں سے بدکاری کرے۔“

”ما احد اكثر من الربا الا كان عاقبة امره الى قلة“ (۴)

”جس شخص نے سود کے ذریعے سے زیادہ مال کمایا، انجام کار اس میں کمی ہی ہوگی۔“

”اذا ظهر الزنا والربا في قرية فقد اهلوا بانفسهم عذاب الله“ (۵)

”کسی بستی میں زنا اور سود کا کاروبار پھیل جائے، تو بستی والوں نے اللہ کا عذاب اپنے اوپر اتار لیا۔“

(۱) رواہ البزار ورواہ رواة الصحيح، وهو عند ابن ماجه باسناد صحيح باختصار۔

(۲) الطبرانی الكبير، الطبرانی (سليمان بن احمد م متکة)

(۳) مستدرک حاکم، الحاکم (محمد بن عبد الله الحاکم م هکة)، بیروت، دارالکتب

العلمية، ۱۴۱۱ھ

(۴) ابن ماجه والحاکم

(۵) المستدرک للحاکم

”مامن قوم یظهر فہم الربا الاخذوا بالسنة“ الحدیث^(۱)
 ”جس قوم میں سود پھیل جائے، وہ یقیناً قحط سالی میں مبتلا ہو جاتی
 ہے۔“

”بین یدی الساعة یظهر الربا“ الحدیث^(۲)
 ”قیامت سے پہلے سود کی کثرت ہو جائے گی۔“
 ”لیاتین علی الناس زمان لا یبقی احد الا اکل الربا، فمن
 لم یاکله اصابه من غبارہ۔“^(۳)
 ”ایک زمانہ آئے گا کہ کوئی بھی شخص سود خوری سے بچے گا نہیں، اور
 اگر وہ بچ بھی گیا، تو اس کا اثر اس تک ضرور پہنچے گا۔“

یہ چند قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ ہم نے سود اور ربا کی وعید سے متعلق
 یہاں ذکر کی، یہ صرف بطور ایک نمونے کے ہیں، ورنہ سود خوری کی سزاؤں سے متعلق اور
 بھی متعدد احادیث اور روایات موجود ہیں، جن میں سود خوری اور سودی معاملات کرنے
 کے بارے میں بہت شدید وعیدیں اور سزائیں مذکور ہیں، اگر ان احادیث کی تفصیل
 مطلوب ہو، تو مفتی اعظم مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کے مشہور رسالہ ”مسئلہ سود“ کا مطالعہ
 فرمایا جائے، جو خاص سود ہی کے موضوع پر ہے، اور اس میں سود کی وعیدوں سے متعلق
 چہل حدیث موجود ہیں۔

نیز شرکت و مضاربت کے موضوع پر ڈاکٹر عمران اشرف عثمانی صاحب کا مقالہ
 بھی ان احادیث کے مطالعے کے لئے موزوں ہے، یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے لئے لکھا گیا
 ہے، اور جامعہ کراچی نے منظور کیا ہے، اور اب مطبوعہ شکل میں دستیاب ہے۔

(۱) مسند احمد بن حنبل

(۲) المعجم الطبرانی

(۳) سنن ابی داؤد

اللہ تعالیٰ سود کی لعنت سے اور اس کی وعیدوں سے پوری امت مسلمہ کو محفوظ رکھے۔

علت کے معنی اور علت و حکمت میں فرق

لغت میں ”علت“ عین کے کسرے کے ساتھ ”بیاری“ کو کہتے ہیں، اور اصطلاح میں علت کی متعدد تعریفات کی گئی ہیں:-(۱)

”علت“ کی مشہور تعریف کا حاصل درج ذیل ہے:-

”علت اس شے کو کہتے ہیں جو نص کے حکم کے لئے علامت ہو، اور نص

میں موجود ہو، اور جب یہ علامت غیر نص (فرع) میں پائی جائے، تو

اس کی بنیاد پر غیر نص کو بھی وہ حکم مل جاتا ہے۔“-(۲)

(۱) مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین، الہیتی (عبد الحکیم عبد الرحمن السعد السعدی الہیتی العراقی، بیروت، لبنان، دار البشائر الاسلامیة طبع اول ۱۴۰۲ھ ص ۲۸)۔
”واما بالسکر فانها تأتي بمعنی المرض۔۔۔ وعلماء الاصول لهم تعریفات کثیرة للعلت۔۔۔ اھ“

(۲) کشف الاسرار شرح نور الانوار، النسفی (ابو البرکات عبد اللہ بن احمد المعروف ب”حافظ الدین النسفی“ م ۱۰۷۱ھ) بیروت، دار الکتب العلمیہ، طبع اول ۱۴۰۲ھ
”ما جعل علماً علی حکم النص مما اشتمل علیہ النص وجعل الفرع نظیر الہ فی حکمہ بوجودہ فیہ“ (۲/۲۳۸)

_____ حاشیة جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکئی، الافغانی (فضل الرحمن عبد الغفور الافغانی)

”قلت: اختلفت عبارات الاصولیین فی تعریف العلة و اوضح تعریفاتہا واحسنہا فی نظری ہو ما عرفہ بعضهم بقوله :

”الوصف الخارج المناسب للحکم بحيث یكون مضافاً الیہ“ (۳/۱۱۸۳)

”علت اس خارجی وصف کو کہتے ہیں، جو حکم کے لئے مناسب ہو، اور حکم اس کی طرف مضاف ہو۔“

The Historic Judgment on Interest

Justice Muhammad Taqi Usmani

"The Illat is the basic feature of a transaction without which the relevant law

cannot be applied to it ."P: 80

لیکن تمام تعریفات کا جو حاصل نکلتا ہے، وہ یہ ہے کہ علت غیر منصوص میں مدار حکم ہوتی ہے، اگر علت ہو، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور اگر علت نہ ہو تو حکم بھی موجود نہیں گا، البتہ علت منصوص میں مدار حکم نہیں ہوتی، اور نہ ہی منصوص میں حکم اس کی طرف مضاف ہوتا ہے، بلکہ یہاں حکم خود نص کی طرف مضاف ہوگا، لأن النصّ اولیٰ واقوٰی من العلة۔^(۱)

حکمت (Wisdom):۔ حکمت لغت میں مضبوطی اور استحکام کو کہتے ہیں، اور

اصطلاح میں حکمت کی تعریف درج ذیل ہے:-

”حکمت اس مصلحت کو کہتے ہیں، جس کی وجہ سے کوئی حکم مشروع ہوا ہو، خواہ وہ مصلحت منفعت کے حصول کی شکل میں ہو، یا دفع ضرر کی شکل میں۔“^(۲)

یعنی شارع نے کسی کام کو کرنے کا حکم دیا ہے، یا کسی کام کرنے سے منع کیا ہے،

(۱) نسبات الاسحار علی المنار، الشامی (علامہ ابن عابدین الشامی) کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ طبع سوم ۱۳۱۸ھ

”ثم هو علم علی الحكم فی الفرع عند اکثر مشائخنا لان الحكم فی الفرع مضاف الیه لا الحكم فی الاصل عندهم“ (ص ۲۱۷)

(۲) حکمة التشريع الاسلامی فی تحریم الربا، ڈاکٹر یوسف حامد العالم، دارجامعہ ام درمان الاسلامیہ، طبع اول ۱۳۰۳ھ (ص ۳۰)

”من المتفق علیہ بین جمهور العلماء المسلمین ان الله سبحانه وتعالى ماضع حکما الا لمصلحة عبادة وان هذه المصلحة اما جلب نفع لهم واما دفع ضرر عنهم“

مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین، الہیتی (عبد الحکیم عبدالرحمن):

”فالجمهور یطلقها علی ما یرتب علی التشريع من جلب مصلحة او تکمیلها او دفع مفسدة او تقلیلها“ (ص ۱۰۵)

The Historic Judgment on Interest (by Justice Muhammad Taqi Usmani)

”The Hikmahat is the wisdom and the philosophy taken into account by the legislator while framing the law....“ P:80

”حکمت اس مصلحت اور فلسفے کو کہتے ہیں، جو مقنن قانون وضع کرتے وقت پیش نظر رکھتا ہے۔“

اس میں پیش نظر یہ ہے کہ بندہ اس کام کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یا ممانعت کی صورت میں کام نہ کرنے کی وجہ سے فلاں فائدہ حاصل کرے، یا فلاں نقصان سے بچ جائے، یہ حکم کی حکمت ہے۔

فرق :- علت اور حکمت کی تعریف سے دونوں میں فرق خود بخود واضح ہو گیا، کہ علت مدار حکم ہے، لہذا شرعی احکام کا دار مدار علل پر ہوگا، حکمت پر نہیں، کیونکہ حکمت بعض اوقات بالکل مخفی ہوتی ہے، اور بندوں کو اس پر بالکل اطلاع نہیں ہوتی، اب اگر حکمت پر حکم کا مدار ہو، تو اس صورت میں حکم معطل ہو جائے گا، مثلاً :-

مسافر کے لئے ”قصر“ کا حکم ہے، اب اس حکم کی تشریح میں حکمت و مصلحت ”مشقت“ سے بچنا ہے، لیکن کہاں مشقت ہے، اور کہاں مشقت نہیں ہے، یہ فیصلہ نہایت مشکل ہے، اس لئے مذکورہ حکم کے لئے علت ”سفر“ کو مقرر کیا گیا، اب حکم کا مدار مشقت پر نہیں، بلکہ سفر شرعی پر ہے، سفر شرعی ہے، تو قصر کا حکم بھی ہے، سفر شرعی نہیں ہے، تو قصر کا حکم بھی نہیں ہے۔

حکمت اور علت میں فرق واضح کرنے کے لئے بعض علمائے کرام نے عام دنیوی قانون میں یہ مثال بیان فرمائی ہے، کہ مثلاً ٹریفک کا قانون ہے کہ جب سرخ بتی جل رہی ہو، تو سگنل پر گاڑی روکی جائے، اب ”گاڑی روکنا“ ایک حکم یا قانون ہے، اور سرخ بتی کا روشن ہونا اس کی علت ہے، اور یہ قانون کیوں بنا؟ اس کی مصلحت، حکمت اور فلسفہ حوادث سے بچاؤ ہے، لیکن یہ بات ہر ایک جانتا ہے کہ مذکورہ حکم کا مدار سرخ بتی ہے، اگر وہ روشن ہے، تو گاڑی روکنا لازم ہے، ورنہ نہیں، مذکورہ مصلحت اور حکمت اس کا مدار نہیں، یہی وجہ ہے کہ اگر دوسری سائڈ سے بالکل ٹریفک نہ ہو، اور سرخ بتی جل رہی ہو، تب بھی گاڑی روکنا لازم ہے، حالانکہ اس صورت میں حادثے کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔^(۱)

(۱) تکملة فتح الملہم شرح صحیحہ مسلم - العثماني (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) (۱/۵۷۴) کراچی، مکتبہ دارالعلوم، طبع اول ۱۳۰۵ھ۔

تنبیہ:- علت اور حکمت میں فرق بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے، کہ اس زمانے میں سود جائز کرنے والے جو حیلے پیش کرتے ہیں، ان میں سے ایک حیلہ یہ بھی ہے کہ آج کل بینکوں سے سود پر جو قرضہ کاروبار کے لئے لیا جاتا ہے، یا بینک لوگوں سے جو قرضہ سود پر لیتا ہے، اس میں کسی فریق پر کوئی ”ظلم“ نہیں، بلکہ دونوں کا فائدہ ہے، اور سود کی ممانعت ظلم کی وجہ سے ہے، لہذا بینک کے اس قسم کا سود جائز ہوگا، اس کو ناجائز کہنا درست نہیں، ناجائز سود تو وہ ہے کہ ایک آدمی کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں، یا پہننے کے لئے کچھ نہیں، اور وہ کسی سے قرضہ لیتا ہے، تاکہ وہ اس سے اس ضرورت کو پورا کرے، تو قرض دہندہ اس کو کچھ اضافے کی شرط کے ساتھ قرضہ فراہم کرتا ہے، تو اس میں بلاشبہ ظلم ہے، اور یہ ناجائز ہے، لیکن کاروباری نوعیت کے قرضے میں ظلم تو دور کی بات ہے، بلکہ یہ تو عین انصاف ہے، کہ بینک نے قرضہ لے کر اس کو کسی کاروبار میں لگایا اور اس پر بینک کو نفع حاصل ہوا، اب اس نفع میں سے بینک نے کچھ حصہ اکاؤنٹ ہولڈر کو دیا، اور کچھ خود رکھ لیا، دونوں کا فائدہ ہو گیا، تو اس کو ناجائز کہنے کی کوئی وجہ نہیں۔

حکمت اور علت میں فرق بیان کرنے سے بات صاف اور واضح ہو جاتی ہے، کہ حکم کا مدار علت پر ہے علت موجود ہوگی، تو حکم بھی موجود ہوگا، اور علت موجود نہیں ہوگی، تو حکم بھی موجود نہیں ہوگا، حکم کا مدار حکمت پر نہیں، ظلم ربا کی حکمت ہے، علت نہیں، لہذا کسی قرضے میں ظلم کے ہونے یا نہ ہونے پر ربا کا حکم لاگو نہیں ہوگا، بلکہ علت کو دیکھا جائے گا، اور اس پر حکم کا مدار ہوگا، جو بلاشبہ مذکورہ قرضوں میں موجود ہے، لہذا کاروباری قرضوں پر سود کا لین دین بھی حرام ہوگا۔

نیز ان قرضوں میں ظلم بھی ہے، جس کو علمائے اُمت نے بڑی تفصیل کے ساتھ اپنی تحریرات میں ذکر کیا ہے۔^(۱)

(۱) مسئلہ سود

زر میں علتِ ربا کی تحقیق

زر میں ربا کی دونوں قسمیں پائی جاتی ہیں، ربا الفضل بھی اور ربا النسیئہ بھی، زر میں ربا الفضل کے حرام ہونے کی علت کے بارے میں تین قول مشہور ہیں، جن کا خلاصہ ذیل میں بیان کیا جاتا ہے:-

۱- قدر + جنس: یعنی اگر زر میں یہ دونوں باتیں پائی جائیں، تو اس صورت میں تبادله زر کے وقت کسی ایک جانب زیادتی جائز نہیں ہوگی، مثلاً: سونے کا سونے کے ساتھ اگر تبادله ہو، یا چاندی کا چاندی کے ساتھ اگر تبادله ہو، تو چونکہ یہ موزونات میں سے ہیں، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہے، اس لئے یہاں کسی جانب اضافہ جائز نہیں، بلکہ مماثلت ضروری ہے۔

یہ مذہب حضرات حنفیہ کا ہے، اور امام احمد بن حنبل کا مشہور قول بھی یہی ہے۔^(۱)
یہ حضرات اپنے موقف کو قرآن، سنت اور قیاس سے ثابت کرتے ہیں:-
قرآن کریم:- قال الله تعالى:-

أَوْفُوا الْكَيْلَ وَلَا تَكُونُوا مِنَ الْمُخْسِرِينَ ج وَزِنُوا
بِالْقِسْطِ الْمُسْتَقِيمِ ج^(۲)

(۱) الدر المختار مع رد المحتار (۳۰۵/۷)

”وعلته ای علة تحریم الزیادة القدر المعهود بکیل او وزن مع الجنس، فان وجدا حرم الفضل“

_____ البحر الرائق شرح كنز الدقائق (۲۰۷/۶)

”وعلته القدر والجنس ای وجوب المساواة التي يلزم عند فوتها الربا“۔

— ابن قدامہ (موفق الدین ابو محمد عبد اللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ المقدسی

م ۶۲۰ھ) المغنی، دارعالم الکتب، الرياض طبع اول ۱۲۰۶ھ

”فروی عن احمد فی ذلك ثلث روايات اشهرهن ان علة الربا فی الذهب والفضة كونه

موزون جنس“ (۵۳/۶)

(۲) سورة الشعراء آیت ۱۸۱

”ماپ پورا بھر کر دو، اور نقصان دینے والے مت ہو، اور سیدھی ترازو سے تولو۔“

وقال الله تعالى:

وَيَا قَوْمِ أَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ الْآيَةَ (۱)

”اور اے قوم! ماپ اور تول کو پورا کرو اور انصاف کے ساتھ، اور نہ گھٹاؤ لوگوں کی ان کی چیزیں۔“

وقال الله تعالى:

وَيْدُلُ لِلْمُطَفِّفِينَ الَّذِينَ إِذَا اكْتَالُوا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُونَ وَإِذَا كَالُوهُمْ أَوْ وُزَنُوا لَهُمْ يُخْسِرُونَ (۲)

”خرابی ہے گھٹانے والوں کی، وہ لوگ جب ماپ کر لیں، لوگوں سے تو پورا بھر لیں، اور جب ماپ کر دیں ان کو یا تول کر دیں، تو گھٹا کر دیں۔“

ان آیات کریمہ میں کیل اور وزن کو پورا پورا دینے کا حکم دیا گیا ہے، اور ان میں کمی کرنے سے ڈرایا گیا ہے، جس سے اشارۃً یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ربا کی علت ”کیل و وزن“ ہے۔ (۳)

سنت :- وہ تمام احادیث جن کا تعلق اشیائے ستہ سے ہے، اور جن میں سے بعض کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں ہو چکا ہے، اور بعض مزید ذیل میں ذکر کی جا رہی ہیں، اس

(۱) سورة هود آیت ۸۵

(۲) سورة التطفیف۔

(۳) بدائع الصنائع الکاسانی (علاء الدین ابوبکر الکاسانی) کراچی، ایچ ایم سعید، طبع

اول ۱۹۱۰ء (۱۸۳/۵)

”علت“ کا مأخذ ہیں۔

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلابمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلابمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔“^(۱)

”سونا سونے کے مقابلے برابر سرابریٹپو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سرابریٹپو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“

”لا تبیعوا الذهب بالذهب الا وزنا بوزن۔“^(۲)

”سونے کو سونے کے مقابلے میں مت بیچو مگر یہ کہ برابر سرابریٹپو۔“

”لا تبیعوا الدرهم بالدرهمین ولا الصاع بالصاعین۔“^(۳)

”ایک درہم دو درہموں کے بدلے میں مت بیچو، اور ایک صاع دو صاعوں کے بدلے میں مت بیچو۔“

اس حدیث میں ”درہم“ کا تعلق وزن سے ہے، اور ”صاع“ کا تعلق کیل سے ہے، اور صاع پیمانے کو کہتے ہیں، لیکن یہاں اس سے مراد وہ چیز ہے جو اس پیمانے میں ماپنی جاتی ہو، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ بھی ہے، لہذا معلوم ہوا کہ علت ربا قدر + جنس ہے، اور یہی حال اشیائے ستہ والی احادیث کا بھی ہے، کیونکہ ان میں بھی جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہے، اور ہر چیز یا موزونات میں سے ہے، اور یا مکیلات میں سے ہے۔

”ماوزن مثلابمثل اذا كان نوعا واحدا وماکیل فمثل

ذلك، فاذا اختلف النوعان فلا بأس به۔“^(۴)

(۱) أخرجه مسلم، كتاب المساقاة، باب الربا۔

(۲) حوالہ بالا

(۳) مجمع الزوائد (۱۱۲/۴)

(۴) نیل الاوطار، الشوکانی (محمد بن علی بن محمد الشوکانی م ۲۵۵ھ من ابواب الربا۔

”جو چیز تولی جاتی ہو، تو وہ برابر ہونی چاہئے، اور جو چیز ناپی جاتی ہو، اس کا بھی یہی حکم ہے، البتہ جب دونوں قسمیں مختلف ہو جائیں، تو اس صورت میں (زیادتی میں) کوئی حرج نہیں۔“

قیاس:- بیع مال کے بدلے میں مال دینے سے عبارت ہے، اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ دونوں جانب تساوی ہو، یعنی دونوں جانب میں جو مال ہو، کسی مال کا کوئی جز عوض سے خالی نہ ہو، اور ایک دینار مثلاً ایک دینار کا صورت بھی مثل ہے، اور معنی بھی مثل ہے، صورتہ مثلی ہونے کا مطلب یہ ہے کہ دونوں موزونات میں سے ہیں، اور معنی اس لئے مماثلت ہے کہ دونوں ہم جنس ہیں، اب اگر کسی جانب ایک دینار یا نصف دینار کا اضافہ ہو، تو یہ دینار یا نصف دینار عوض سے خالی ہوگا، اور یہی حقیقت رہا ہے۔ اب یہ تماثل صورتہ ومعنی جس مبادلے میں بھی پایا جائے گا، وہاں کسی ایک جانب زیادتی جائز نہ ہوگی، لہذا معلوم ہوا کہ ربا الفضل کی علت قدر و جنس ہے۔^(۱)

۲:- زر میں ربا الفضل کی حرمت کی علت ”جنس + خلقی ثمنیت“ ہے، جس کو ”ثمن جوہریہ“ یا ”ثمنیت غالبہ“ بھی کہتے ہیں، اس کے قائل حضرت امام شافعی ہیں، اور امام مالک کا مشہور قول بھی یہی ہے۔^(۲)

(۱) بدائع الصنائع (۱۸۳/۵)

(۲) ملاحظہ ہو! النووی (صحی الدین یحییٰ بن شرف النووی) روضة الطالبین (۳۷۸/۳) المکتب الاسلامی، بیروت، طبع سوم ۱۳۰۵ھ۔

”وقال الجمهور: العلة فيها صلاحية الثمنية الغالبة، وان شئت قلت: جوهرية الاثمان غالباً، والعبارة ان تشملان التبر والمضروب والحلی والاواني منهما، وفي تعدی الحكم الى الفلوس اذا راجت وجه، والصحيح انه لا ربا فيها، لانتفاء الثمنية الغالبة، ولا يتعدى الى غير الفلوس من الحديد والنحاس والرصاص وغيرها قطعاً۔“

نیز ملاحظہ ہو! ابن رشد المالکی (ابوالولید محمد بن احمد القرطبی م ۵۲۰ھ) المقدمات الممهدات (۳۵/۲)۔

”واما الذهب والفضة فلم يقس عليهما شيئا من العروض التي تكال او توزن لان العلة عنده في منع التفاضل في كل واحد هي انها اثمان للاشياء۔“

اس قول کے مطابق جب خلقی اور جوہری شمیمیت ربا الفضل کی علت قرار پائی، تو ظاہر ہے کہ یہ علت شمنِ خلقی ہی کے ساتھ محدود رہے گی، اور وہ صرف سونا چاندی یا ان دونوں متعلقات ہیں، لہذا صرف سونا چاندی کے تبادلے میں ربا الفضل حرام ہوگا، فلوس وغیرہ میں ربا جاری ہی نہیں ہوگا۔

ان حضرات کے من جملہ دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ سونے، چاندی کا سلم تمام اشیاء میں جائز ہے، حتیٰ کہ موزونات میں بھی جائز ہے، اب اگر علت سونے اور چاندی میں ”وزن“ ہو، تو سلم میں تو ”تاجیل“ ضروری ہوتی ہے، اب اس کا حاصل ہوگا، کہ یہ موزون کی موزون کے ساتھ ادھار بیع ہے، حالانکہ جب جنس مختلف ہو، لیکن قدر ایک ہو، تو یہاں زیادتی تو جائز ہوتی ہے، لیکن نساء (ادھار) ناجائز ہوتا ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ سونے چاندی کا سلم موزونات میں صحیح نہ ہو، حالانکہ اس کے جواز پر سب فقہائے کرام متفق ہیں، معلوم ہوا کہ سونے چاندی میں حرمتِ ربا کی علت وزن نہیں، بلکہ شمیمیت ہے۔^(۱)

تردید:- سونے چاندی میں حرمتِ ربا کی علت ”شمیمیت غالبہ“ قرار دینا ”علتِ قاصرہ“ ہے، یعنی یہ سونے اور چاندی تک منحصر رہتی ہے، اور اس میں تعدی کی صلاحیت نہیں، لہذا منصوص میں تو اس علت کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ منصوص میں حکم نص کی طرف مضاف ہوتا ہے، نہ کہ علت کی طرف، اور فرع کی طرف یہ متعدی نہیں ہوتی، تو اس تعلیل کا فائدہ کیا؟^(۲)

۳:- زّر میں حرمتِ ربا کی علت ”جنس + شمیمیت مطلقہ“ ہے، یہ مالکیہ کا مذہب ہے، اور حنفیہ میں سے امام محمد کا قول بھی ہے۔^(۳)

(۱) مجموعہ فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۹/۴۷۱)

(۲) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجعید (ستر بن ثواب) السعودیة، الطائف، مکتبۃ

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۱۵۰)

(۳) حوالہ بلا (بحوالہ المدونة للامام مالک)

(۴) بدائع الصنائع (۶/۵۹)

اس قول کے مطابق ربا الفضل کی علت جب مطلق ثمنیت ہے، تو فلوس اگر رائج ہوں، یا کوئی اور چیز بطور زَر اور ثمن رائج ہو جائے، تو اس میں بھی ربا الفضل جاری ہوگا، یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے ہاں فلس بفلسین کی بیع ناجائز ہے، اور یہ سودی معاملہ ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل اگلے صفحات میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔^(۱)

ان حضرات کی دلیل یہ ہے کہ جب فلوس اپنے وظیفے (Function) کے اعتبار سے دینار اور درہم کی طرح ہو گیا، یعنی جو وظائف درہم اور دینار کے ہیں، وہی وظائف فلوس کے بھی ہو گئے، تو حکم ربا میں بھی فلوس درہم اور دینار کی طرح ہوں گے۔^(۲)

ربا النسیئہ کی علت

یہ ساری تفصیل زَر میں ”ربا الفضل“ کی حرمت کی علت سے متعلق تھی، اور جہاں تک زَر میں ”ربا النسیئہ“ کی حرمت کی علت کا تعلق ہے، تو وہ بالکل واضح ہے، اور اس میں کسی کا اختلاف بھی نہیں ہے، کیونکہ قرض کے جس معاملے میں کچھ مشروط یا معروف اضافہ جو خالی عن العوض ہوگا پایا جائے، تو وہ معاملہ ناجائز ہوگا۔

بلکہ یہ حقیقت میں یہی علت ربا الفضل کی بھی ہے، لیکن چونکہ وہاں احادیث موجود ہیں، جن میں ربا کو صرف چھ چیزوں میں ذکر کیا ہے، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ آیا یہ حکم صرف ان چھ چیزوں میں منحصر ہے، یا کہیں اور بھی متعدی ہوگا، اسی وجہ سے علمائے اُمت کی ایک جماعت ایسی بھی ہے، جو ربا الفضل کو صرف انہی اشیاء میں منحصر گردانتی ہے، جیسا کہ آگے اس کی تفصیل آرہی ہے، اور یہی وہ ربا ہے جس میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ دُنیا سے تشریف لے گئے، اور ہمارے لئے ابواب ربا کو واضح نہیں فرمایا، لہذا علمائے اُمت نے ان احادیث میں غور و خوض کر کے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق اس حکم کی علت مستنبط کی، اور اس پر حکم کا مدار رکھا، جس کی تفصیل بیان ہوئی، لیکن ”ربا النسیئہ“ میں

(۱) احکام الاوراق النقدیة، العثماني (المفتی القاضی محمد تقی العثماني) (ص ۱۸)

(۲) بدائع الصنائع (۱۸۵/۵)

کوئی خاص شی کا ذکر نہیں، بلکہ فرمایا ”کل قرض جدر نفعا فهو ربا“ اس میں آپ نے ایک اصل کلی بیان فرمائی کہ جس قرض میں بھی ”جرِ منفعت“ کی بات پائی جائے، تو وہ ربا ہے، اور حرام ہے، اور اس سے بچنا واجب ہے۔

فائدہ ۱: (حکم ربا کی تعدی و قصر):-

اشیائے ستہ والی حدیث ان اشیاء میں حرمتِ ربا پر صریح نص ہے، اور اُمت ان اشیاء میں حرمتِ ربا پر متفق ہے، لیکن کیا یہ حرمت انہی اشیاء منصوصہ میں منحصر ہے، یا دیگر اشیاء میں بھی پائی جاسکتی ہے؟ اس سلسلے میں علماء کی دو جماعتیں ہیں:-

ایک جماعت ”تعدی“ کی قائل ہے، جس کی تفصیل گزشتہ صفحات میں ذکر کی جا چکی، اور دوسری جماعت ”قصر“ کی قائل ہے، یعنی یہ کہ یہ حکم صرف انہی اشیاء ستہ میں منحصر ہے، اور دیگر اشیاء پر یہ حکم لاگو نہیں ہوگا، اس جماعت میں درج ذیل حضرات شامل ہیں:-

۱۔ طاووس، ۲۔ قتادہ، ۳۔ شععی، ۴۔ مسروق، ۵۔ عثمان بن عتیق، ۶۔ قاضی ابوبکر

الباقلانی، ۷۔ صدیق حسن خان، ۸۔ علامہ ابن حزم اور تمام اہلِ ظاہر۔^(۱)

ان حضرات کے اس موقف کا منشاء یا تو:-

۱- حجیتِ قیاس سے انکار ہے، یا

۲- یہ کہ اصل اشیاء میں اباحت ہے، اور یا

۳- یہ کہ پہلی جماعت (معللہ) نے استخراجِ علت میں ایک دوسرے سے

اختلاف کیا ہے، لہذا اس اختلاف کی وجہ سے ساری علتیں کمزور پڑ گئیں، اور کوئی ایسی قوی

(۱) المغنی لابن قدامہ مع الشرح الکبیر (۱۲۳/۴)

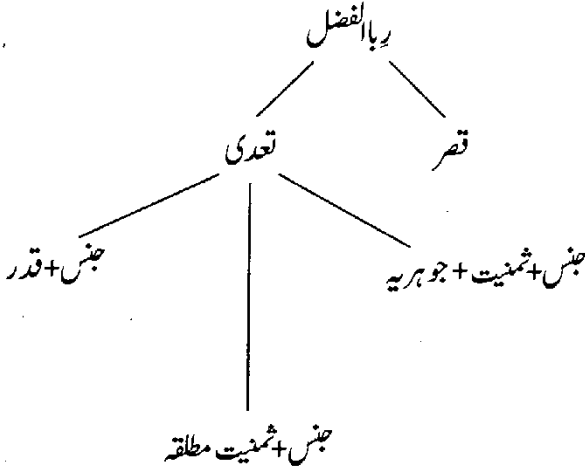
— ابن حزم (ابو محمد علی بن احمد بن سعید ابن حزم م ۳۵۶ھ) المحلی (۳۶۸/۸)

ادارة الطباعة المنيرية مصر، طبع اول ۱۳۵۰ھ

”وممن قال: لا ربا الا في الاصناف المذكورة“ طاووس، وقتادة وعثمان البتي، وابو

سليمان وجميع اصحابنا“

دلیل موجود نہیں، جس کی بنیاد پر اس حکم کو متعدی کیا جاسکے۔



فائدہ (۴) (ربا النساء اور ربا النسیئہ میں فرق):-

ربا کے سلسلے میں ہم دو لفظ بکثرت سنتے ہیں:-

۱۔ ربا النساء اور ۲۔ ربا النسیئہ

ان دونوں میں فرق ہے، اور وہ یہ کہ ربا النساء کا تعلق ”بیع“ (Sale) سے ہے، اور

ربا النسیئہ کا تعلق ”قرض“ (Loan) سے ہے۔

اس کی مزید وضاحت یہ ہے کہ اگر:-

۱- سونے کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو، یا

۲- چاندی کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۳- سونے کا تبادلہ چاندی کے ساتھ ہو، یا

۴- چاندی کا تبادلہ سونے کے ساتھ ہو،

تو پہلی دو صورتوں میں دو قسم کا ربا پایا جاسکتا ہے، ربا الفضل کہ کسی ایک جانب

زیادتی ہو، اور ربا النساء کہ ایک عوض پر قبضہ ہو، اور دوسرا ادھار ہو، تو یہ ادھار ربا النساء کہلاتا

ہے، اور آخری دو صورتوں میں زیادتی تو جائز ہے، لیکن اُدھار جائز نہیں، یہ ربا النساء ہے۔
 ”بیع صرف“ میں اس کی مزید وضاحت آئے گی، ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اور ربا النسیئہ کا تعلق
 عقد قرض سے ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر گئی۔^(۱)

ثمنیت کسے کہتے ہیں؟

ثمنیت کے معنی کسی شے کے ”ثمن ہونے“ کے ہیں، اور ”ثمن“ کی تعریف درج

ذیل ہے:-

”الثمن اسم لما هو عوض من المبيع“^(۲)

”جو کسی بیچی ہوئی چیز کا بدل بن سکے، اس کو ثمن کہتے ہیں۔“

”قال لاهری: قال الليث: ثمن كل شئى قيمته“^(۳)

”ہر شے کا ثمن اس کی قیمت ہے۔“

”والمعروف ان الثمن هو ما جعل عوضا فى عقد البيع“^(۴)

”مشہور یہی ہے کہ ثمن وہ چیز ہے جو عقد بیع میں عوض بنے۔“

(۱) جہاد فی رفع بلوی الربا، محمد خاطر محمد الشیخ، (۱۰/۱)

”وعلى هذا ينقسم ربا لبیوع الى قسمین:

۱۔ ربا الفضل: ويتحقق بیع احد الاصناف۔۔۔۔

۲۔ ربا النساء: ويكون فى بیع الاموال الربوية بجنسها او بغير جنسها، يتحد معها فى

العلة عند تأجيل القبض فى احد البدلین الخ“

بحوث فى الربا، الامام ابو زهرة، بيروت، دار الفكر العربی، (ص ۶۶)

”فان ذلك يكون ربا ويسمى ربا النساء وليس هو ربا النسيئة الذى بنهنا من قبل“

(۲) كتاب المغرب فى ترتيب المعرب، المطرزی (ابو الفتح ناصر الدين عبد السيد بن

على المطرزی المتوفى ۶۱۶ هـ)، بيروت، دار الکتب العربی۔

(۳) تهذيب الاسماء واللغات، النووی (ابوزكريا محی الدين بن شرف النووی المتوفى

۶۷۷ هـ) مصر، ادارة الطباعة المنيرية (۴۵/۱)

(۴) تطور النقود للدكتور احمد حسن احمد الحسنى، ص (۱۳۳)

ان تمام تعریفات کا حاصل یہ ہے کہ عقد بیع (Sale) میں جو شئی بیع کے مقابلے میں آجائے، وہ ثمن ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ثمن زر کا مترادف نہیں، بلکہ زر سے عام ہے، یعنی ہر زر ثمن ہے، لیکن ہر ثمن کا زر ہونا ضروری نہیں، مثلاً:-

اگر کوئی شخص اپنا گھر غلام کے مقابلے میں فروخت کرے، تو اس مثال میں غلام ثمن ہے، لیکن غلام زر نہیں ہے، جیسا کہ ظاہر ہے، لہذا جن حضرات کے نزدیک زر میں علتِ ربائیت مطلقہ ہے، تو اس سے مراد یا ثمنِ خلقی ہوگا، یا پھر وہ ثمن ہوگا، جو زر جیسا ہو، یعنی لوگ اپنے معاملات میں اس کو زر ہی کے طور پر استعمال کرتے ہیں، جیسا کہ فلوس اور کاغذی نوٹ وغیرہ، اس درجے میں زر ثمن کا مترادف ہو سکتا ہے۔

تو گویا کہ ثمن کی بھی تین قسمیں ہو گئیں:-

- | | | | |
|---|----------------------|---|---------------------|
| ① | ثمنِ خلقی | = | سونا، چاندی |
| ② | ثمنِ اصطلاحی یا عرفی | = | فلوس، نوٹ وغیرہ |
| ③ | ثمنِ اتفاقی | = | مثال مذکور میں غلام |

باب اول اور باب دوم کی تفصیلات سے معلوم ہوا کہ مال، زر، کرنسی اور ثمن میں

فروق موجود ہیں، اور یہ ایک ہی چیز کے مختلف نام نہیں ہیں۔



باب سوم

کرنسی نوٹ اور فلوس (Pices)

نوٹ کسے کہتے ہیں؟

ارتقاء ذر کی بحث میں یہ تفصیل گزر چکی ہے کہ ۱۰۰۰ء میں صرافوں اور سناڑوں کی طرف سے جاری شدہ رسیدوں نے ترقی کر کے باقاعدہ نوٹوں کی شکل اختیار کی، اور اس کے بعد اس پر مختلف مراحل گزرتے گئے، تو نوٹ یا بینک نوٹ (Bank Note) درحقیقت مذکورہ رسیدوں کی ترقی یافتہ شکل اور باضابطہ شکل ہے، جو بعد میں زرقانونی (Legal Tender) قرار پایا، لہذا ہم نوٹ کی تعریف درج ذیل الفاظ میں کر سکتے ہیں:-

”نوٹ حکومت کا ایک عہد نامہ ہے جو بہ تحکم سکے کی طرح واجب القبول بنا یا گیا ہے۔“^(۱)

علامہ سید احمد بیگ الحسینی اپنی کتاب ”بہجة المشتاق“ میں نوٹ کے بارے

میں لکھتے ہیں:-

”جب ہم نے لفظ ”بنک نوٹ“ کی ماہیت کے بارے میں تحقیق کی، تو معلوم ہوا کہ یہ فرانسیسی زبان کی اصطلاح ہے، اور ”لاروس“ جو فرانسیسی زبان کی سب سے بڑی اور مشہور لغت ہے، اس میں بینک نوٹ کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

(۱) جدید فقہی مباحث (۸۸/۲)

”بنک نوٹ“ ایک کرنسی نوٹ ہے، جس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت دے دی جائے گی، اور یہ نوٹ بالکل اسی طریقے پر رائج ہوتا ہے، البتہ یہ نوٹ مضمون ہوتے ہیں، یعنی اس کے بدل کی ضمانت دی جاتی ہے، تاکہ لوگ اس لین دین پر اعتماد کریں.....^(۱)

یاد رہے کہ نوٹ، بینک نوٹ اور کاغذی زر (Paper Money) ایک ہی چیز ہے، جس کو عربی میں ”الاوراق النقديّة“ یا ”النقود الورقيّة“ یا ”الانواط“ کہتے ہیں۔

نوٹوں کی فقہی و شرعی حیثیت (ایک تفصیلی جائزہ)

کرنسی نوٹ کی فقہی تکلیف (فقہی وصف کہ نوٹ فقہی احکام کے لحاظ سے کیا چیز ہے؟) میں مختلف نظریات رہے ہیں، اور اس سلسلے میں علماء و فقہاء کی آراء مختلف ہیں چنانچہ بعض کتابوں میں سات تک اقوال ذکر کئے گئے ہیں، لیکن ہم یہاں صرف ان اقوال کو ذکر کرنے پر اکتفاء کئے دیتے ہیں، جو زیادہ معروف اور مشہور ہیں، اور وہ چار ہیں:-

- ۱- نوٹ دین (Debt) کی ”سند“ (Certificate) ہے۔
- ۲- نوٹ ”سامان“ (Goods) ہے۔
- ۳- نوٹ سونے اور چاندی کا ”بدل“ یا قائم مقام (Substitute) ہے۔
- ۴- نوٹ بذات خود ”شمن عرفی“ (Customary Price) ہے، اور فلوس کے حکم میں ہے۔

ان اقوال کی تفصیل، دلائل کی تنقیح، تفریعات کی تشریح اور مناقشہ ذیل میں

ملاحظہ ہوں:-

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۱۷)

نوٹ کی فقہی حیثیت سے متعلق پہلا نظریہ

گزشتہ صدی کے بیشتر علمائے ہند (جن میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمہم اللہ بھی شامل ہیں) کا نوٹ سے متعلق یہ موقف رہا ہے کہ نوٹ دین کی سند ہے، نوٹ نہ مال ہے، نہ سونے اور چاندی کا بدل ہے، اور نہ بذات خود دشمن ہے، بلکہ یہ محض اس دین کی ایک سند (Certificate) ہے، جو حامل نوٹ کے لئے جاری کنندہ کے ذمہ واجب ہے۔^(۱)

دلائل

۱- اس موقف پر ایک اہم دلیل یہ پیش کی جاتی ہے کہ ہر نوٹ پر یہ وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے کہ اس کے حامل کو بوقت مطالبہ اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کی جائے گی، لہذا یہ وعدہ اس بات کی صاف دلیل ہے کہ نوٹ دین کی سند اور وثیقہ ہے، چنانچہ علامہ سید احمد بک اہلسنی نوٹ کی ماہیت اور حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:-

”فقولہ: “قابلة لدفع قیمتہا لدی الاطلاع لحاملہا الخ“ لم

یجعل شکافی انہا سندات دیون الخ“

”یہ بات کہ اس کے حامل کو مطالبے کے وقت اس نوٹ کی حقیقی قیمت ادا کر دی جائے گی، بلاشبہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہ

(۱) امداد الفتاویٰ، تھانوی (حضرت مولانا اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی ۱۳، (۵/۲)۔

جدید فقہی مباحث للقاہمی (۱۸۱/۲)۔

احکام الاوراق النقدية والتجارية للجمعید (ص ۱۷۶)۔

احکام الاوراق النقدية للعثمانی (ص ۱۰)۔

نوٹ قرض کی سند ہے الخ۔^(۱)

۲- ان نوٹوں کا بدل بصورت سونا یا چاندی جاری کنندہ کے خزانے میں ہونا ضروری ہے، جس سے یہ بات واضح ہے کہ ان نوٹوں کی قیمت اسی بدل کی وجہ سے ہے، لہذا نوٹ اس بدل کی سند ہے۔^(۲)

۳- نوٹ کاغذ کا ایک معمولی پُرزہ (Piece) ہے، پھر ایک پُرزہ زیادہ قیمت کا ہے، اور دوسرا کم قیمت کا ہے، مثلاً ۱۰۰ کا نوٹ اور ۵۰ کا نوٹ، حالانکہ ذاتاً دونوں کاغذ برابر ہیں، لیکن قیمت میں فرق ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ اصل چیز بدل ہی ہے۔

۴- اگر ان نوٹوں کے ذریعے تعامل (Custom) ختم ہو جائے، تو حکومت اس کا ضمان ادا کرتی ہے، یہ بھی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ یہ اس دین کی سند ہے۔^(۳)

تفریعات (یعنی اس قول پر جو فرعی اور فقہی مسائل مرتب ہوتے ہیں)

اس قول پر جو فقہی مسائل متفرع ہوتے ہیں، ان میں سے بعض مشہور مسائل

درج ذیل ہیں:-

۱- بیعِ سلم میں نوٹ رَأْسِ المَال نہیں بن سکتا، کیونکہ نوٹ پر قبضہ ثمن پر قبضہ نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو گویا کہ رَأْسِ المَال (Capital) پر قبضہ نہیں پایا گیا، حالانکہ بیعِ سلم میں رَأْسِ المَال پر قبضہ ضروری ہے، ورنہ ”بیعِ الکالنی بالکالنی“ (ادھار کی بیعِ ادھار کے ساتھ) ہو جائے گی، جو شرعاً ممنوع ہے۔

(۱) بلوغ الامانی علی الفتح الربانی، الساعاتی (احمد عبد الرحمن البنا) مصر، مطبعة

الفتح الربانی، طبع اول، ۱۳۵۶ھ (۲۳۸/۲)

(۲) الفتاوی السعدیة، السعدی (الشیخ عبد الرحمن الناصر السعدی) السعودیہ،

الریاض، مکتبة المعارف، طبع دوم، ۱۹۸۲ء (ص ۳۲۳)

(۳) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجمعید (۱۷۶) (۴) کما هو مصرح به فی جمیع کتب

۲- نوٹ کے ذریعے سونے یا چاندی کا معاملہ درست نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہوگی، اور بیع صرف میں دونوں عوضوں پر قبضہ کرنا ضروری ہے، حالانکہ یہاں نوٹوں پر قبضہ درحقیقت سونے یا چاندی کی رسید پر قبضہ ہے، اور سونا یا چاندی اُدھار ہے، تو عوضین پر قبضہ نہیں پایا گیا۔^(۱)

۳- فقیر کو محض نوٹ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں گی۔^(۲)

۴- نوٹوں کے ذریعے معاملہ ”حوالہ“ ہے، جو ”تعاطی“ (کسی خاص لفظ کے بغیر لین دین کرنا) کے طریقے سے درست ہے، یعنی زید عمر کو نوٹ دے کر اس سے کتاب خریدتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ زید عمر کو نوٹ دے کر گویا یہ کہہ رہا ہے کہ میرے ذمہ تمہارا جو دین ہے، اس کی یہ سند ہے، اور تم بجائے مجھ سے اس کے جاری کنندہ سے وصول کرو، اور یہی حوالہ ہے۔^(۳)

۵- نوٹ کا تبادلہ نوٹ سے درست نہیں ہوگا، اگرچہ مختلف الجینس ہوں، کیونکہ یہ بیع الکالی یا کالی (اُدھار کا اُدھار کے ساتھ بیع) ہے، جو ممنوع ہے۔

مناقشہ

اس موقف سے احکام شرعیہ اور مختلف معاملات (Transactions) میں جو مشقت اور حرج لازم آتا ہے، وہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ نوٹوں کے ذریعے مذکورہ بالا جیسے سارے معاملات معطل ہو جائیں گے، حالانکہ حرج شریعت میں بصوص قرآن و سنت مدفوع اور مدفوع ہے، چنانچہ محقق عبدالرحمن السعدی صاحب اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:-

”لا یخفی ان جمیع اقطار الدنیا الالنزیر الیسیر کل معاملاتہم فی ہذہ الاوراق التی تسمی الانواط، فلو حکم

(۱) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۱۰)

(۲) امداد الفتاویٰ (۵/۲)

(۳) بھجۃ المشتاق بحوالہ احکام الاوراق النقدیة للجمعید۔

لہا باحکام السندات والديون لتعطلت المعاملات في الوقت الذي تقتضى الاحوال وظروفها ان يخفف فيه غاية التخفيف“

”تمام دنیا کے معاملات انہی نوٹوں کے ذریعے انجام پاتے ہیں، لہذا اگر یہ کہا جائے کہ یہ نوٹ دین کی سندت ہیں، تو تمام معاملات معطل ہو جائیں، حالانکہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ معاملات میں بہت ہی تخفیف ہو جائے۔“^(۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

”فيه حرج عظيم والمعهود من الشريعة السمحة في مثله السعة والسهولة الخ-“

”اس میں عظیم اور ناقابل برداشت حرج ہے، حالانکہ شریعت مطہرہ کا مزاج ان جیسے حالات میں گنجائش اور وسعت کرنے کا ہے۔“^(۲)

نیز اس تنگی کو لوگ قبول تو کریں گے نہیں، تو حرام معاملات کا ارتکاب کریں گے، اور نوٹ کا سند دین ہونا کسی نص صریح قطعی سے ثابت تو ہے نہیں، جس میں کوئی اور احتمال نہ ہو، لہذا بہتر یہی ہے کہ نوٹ کو سند دین نہ قرار دیا جائے، تاکہ لوگ ارتکاب حرام سے محفوظ ہوں۔

کرنسی نوٹ پر جو وعدہ لکھا ہوا ہوتا ہے، جس کی تفصیل گزر چکی، یہ شروع میں تو درست تھا، لیکن اب یہ بے معنی ہے، اب جاری کنندہ اس بات کا کوئی پابند نہیں کہ نوٹ کے حامل (Holder) کو سونا یا چاندی دیدے، بلکہ کاغذی نوٹ کی پشت پر کوئی سونا یا چاندی ہے ہی نہیں، بلکہ اس وعدہ اور ضمانت کا صرف اتنا فائدہ ہے کہ جاری کنندہ حامل کو بوقت

(۱) الفتاوی السعدیة (ص ۱۸۲)

(۲) احکام الاوراق النقدیة للعثمانی (ص ۱۶)

مطالبہ کر سکے یا دوسرے نوٹ دے دیتا ہے، یا کوئی سامان دے دیتا ہے، جیسا کہ جیوفری گراؤتھر (Geoffry Growther) لکھتے ہیں:-

"The promise to pay which appears on their face is now utterly meaningless. Not even in amounts of 1700 cannot now be converted into gold. The note is no more than a piece of paper, for no intrinsic value whatever, and if were presented for redemption, the Bank of England could honour its only by giving silver coins or another notes, but it is accepted as money throughout the British Isles."

” کرنسی نوٹوں پر جو یہ عبارت لکھی ہوئی ہوتی ہے کہ حاملِ ہذا کو مطالبے پر ادا کرے گا، اب اس عبارت کا کوئی مقصد اور معنی باقی نہیں رہے، اس لئے اب موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں کی کسی بھی مقدار کو سونے میں تبدیل کرانے کی کوئی صورت نہیں، چاہے ان نوٹوں کی مقدار سترہ سو پونڈ یا اس سے زیادہ کیوں نہ ہو، اب موجودہ دور میں یہ کرنسی نوٹ ایک کاغذ کا پڑزہ ہے، جس کی ذاتی کوئی قیمت نہیں، اور اگر کوئی شخص اس پونڈ کو بنک آف انگلینڈ میں پیش کرے، تو بنک یا تو علامتی سکے دے دے گا، یا سکے بجائے دوسرے نوٹ پکڑا دے گا، لیکن کاغذی پونڈ برطانیہ کے تمام جزائر میں زر کے طور پر رائج ہیں۔“^(۱)

خلاصہ یہ کہ یہ ”وعدہ“ (Promise) نوٹ کی ثمنیت کو باطل نہیں کرتا، بلکہ اس کو مزید تقویت بخشتا ہے، کیونکہ اس کی وجہ سے نوٹ کے ساتھ لین دین کے سلسلے میں لوگوں کا اعتماد بڑھ جاتا ہے۔

لہذا یہ موقف نہایت کمزور اور موجبِ حرج ہے، بلکہ ناقابلِ عمل ہے، اس لئے

(۱) بحوالہ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۲۵)۔

آج کل کے حالات میں اس کو اختیار نہیں کیا جاسکتا۔

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق دوسرا نظریہ

نوٹ مال اور سامان (Goods) ہے، کیونکہ لین دین اور سارے معاملات نفس کاغذ ہی سے متعلق ہوتے ہیں، اور کاغذ مال متقوم (قیمت والا) ہے، جس کی قدر و قیمت عرف و رواج کی وجہ سے بڑھ گئی، جیسے ہیرے، جواہرات کہ انتہائی قیمتی ہوتے ہیں، لیکن ان کی حیثیت مال اور سامان کی ہوتی ہے۔

ہندوستانی علمائے کرام میں علمائے رام پور اور جناب احمد رضا خان صاحب بریلوی کی بھی یہی رائے ہے، اور یہی شیخ عبدالرحمن بن سعدی کے نزدیک راجح معلوم ہوتی ہے۔^(۱)

احمد رضا خان صاحب بریلوی کا اس موضوع پر باقاعدہ رسالہ ہے، جس کا نام ہے ”کفل الفقہ الفہم فی احکام القرطاس والداہم“ اس میں انہوں نے یہ ثابت کیا ہے کہ نوٹ مال اور سامان ہے، سند دین یا خود ثمن نہیں، چنانچہ فرمایا:۔

”اما اصله فمعلوم انه قطعة کاغذ والکاغذ مال متقوم وما زادته هذه السكة الارغبة للناس اليه وزيادة في صلوح ادخاره للحاجات، وهذا معنى المال ای ما يميل اليه الطبع ويمكن ادخاره للحاجة الخ“

”اس کی (نوٹ) اصل تو معلوم ہے کہ وہ کاغذ کا ایک ٹکڑا ہے، اور کاغذ مال متقوم ہے، اور اس کے سکے ہونے نے اس کی طرف رغبتیں بڑھائیں، اور یہ کہ وقت حاجت کے لئے اٹھار کھنے اور ذخیرہ

(۱) الفتاوی السعدیہ (ص ۳۲۷ تا ۳۲۹)۔

کرنے کا زیادہ لائق ہو گیا، اور مال کے یہی معنی ہیں، کہ طبع اس کی طرف مائل اور رغبت ہو، اور زمانہ مستقبل کی ضرورتوں کے لئے اس کو ذخیرہ کیا جاسکے۔“^(۱)

دلائل

۱۔ عروض (سامان) کی جتنی تعریفات ہوئی ہیں، وہ سب کاغذی نوٹ پر صادق آتی ہیں، مثلاً:-

”العرض هو كل ماعدا العين والطعام من الاشياء كلها“
 ”سونے چاندی اور طعام کے علاوہ تمام اشیاء سامان میں داخل ہیں۔“

”هو ماسوی النقد“

”جو نقد کے علاوہ ہو، وہ سامان ہے۔“

”هو كل مالاً زكوة في عينه“

”سامان ہر وہ چیز ہے، جس کی ذات میں زکوٰۃ واجب نہ ہو۔“

”هو ماعدا الحيوان والطعام والنقد“

”سامان حیوان، طعام اور نقد کے علاوہ ہر چیز کو کہتے ہیں۔“^(۲)

۲۔ جب نوٹ کے بدلے میں کوئی چیز خریدی جائے، تو عقد اسی نوٹ پر واقع

سمجھا جاتا ہے، سونے یا چاندی پر واقع نہیں سمجھا جاتا، اور اس نوٹ کی قیمت مقرر ہوتی ہے، تاکہ لوگ اس میں رغبت کا اظہار کریں، یہ نوٹ اپنی ذات کے اعتبار سے سونے چاندی

(۱) كفل الفقيه القاهم في احكام القراض والدرهم، بريلوى (مولوى احمد رضاخان

بريلوى) لاهور، شبیر بردرز، اردو بازار لاهور، (ص ۱۳)

(۲) شرح الصاوى للشمس محمد ابراهيم المبارك، بحواله احكام الاوراق النقدية

والتجارية للجمعيد (ص ۱۹۰)

سے بالکل مختلف ہے، یہ ایک محض ایک کاغذ ہے، اگرچہ ٹخن بننے میں سونے چاندی کی طرح ہے، اور سونے چاندی کے موافق ہے، لیکن اس موافقت سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے، دیکھئے موتی یا ہیرا اگر قیمت میں سونے چاندی کے برابر یا اس سے زائد ہو جائے، تو کیا موتی یا ہیرے کو سونے یا چاندی کا حکم دیا جائے گا؟ نہیں، ہرگز نہیں، اسی طرح نوٹ کا معاملہ بھی ہے۔^(۱)

۳- نوٹ نہ مکملات میں سے ہے، اور نہ موزونات میں سے، اور اس کی کوئی ایسی جنس بھی نہیں، جس پر نوٹ کو قیاس کیا جائے۔

۴- فقہائے کرام نے یہ قاعدہ ذکر کیا ہے کہ نئے واقعات کو مشابہ ترین (Most Similar) منصوص علیہ شیء کے ساتھ ملایا جائے گا، اور اسی کا حکم ان واقعاتِ جدیدہ کو دیا جائے گا، اس قاعدہ کا تقاضا بھی یہ ہے کہ نوٹ کو سامان کے ساتھ ملایا جائے، کیونکہ سامان اس کو کہتے ہیں کہ جو نہ کیلی ہو، اور نہ وزنی، نہ حیوان ہو، اور نہ زمینی۔^(۲)

۵- ان نوٹوں کی حکومت اگر ختم ہو جائے، تو ان نوٹوں کی کچھ قیمت باقی نہیں رہتی، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ بذاتِ خود نقد (زَر) نہیں، گودقتی طور پر زَر (Money) قرار دیا گیا ہے، تاکہ لوگوں کی رعیتیں بڑھ جائیں، بخلاف سونے چاندی کے کہ اس میں یہ بات نہیں، وہ بہر حال نقد ہی ہے، لہذا سونے چاندی پر نوٹوں کو قیاس کرنا اور ان کے احکام ان کو دینا قیاس مع الفارق ہے۔^(۳)

تفریحات

۱- اس موقف پر جو سب سے اہم اور خطرناک مسئلہ متفرع ہوتا ہے وہ یہ کہ کاغذی نوٹ اموالِ ربوہ میں سے نہیں، لہذا نوٹوں میں ربا الفضل جائز ہوگا، مثلاً زید

(۱) الفتاویٰ السعودیة (ص ۳۱۸)

(۲) جریدة البلاد السعودیة العدد ۲۹۱۷ (۲۲/۶/۱۳۷۸ھ)

(۳) الفتاویٰ السعودیة (ص ۳۲۰)

عمر کے ہاتھ ایک ہزار روپے آٹھ سو روپے میں فروخت کر سکتا ہے، البتہ ربا التسمیہ نوٹوں میں ان کے ہاں بھی ناجائز ہے، کیونکہ وہ ”کل قرض جو نفعاً فہو ربا“ کے کلیہ میں داخل ہے۔

چنانچہ احمد رضا خان صاحب بریلوی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:-

”نعم یجوز بیعہ بازید من رقمہ وبانقص منہ کیفما تراضیا

الخ“

”ہاں نوٹ پر جتنی رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے زائد یا کم پر اس کا بیچنا جائز ہے، جبکہ باہمی رضامندی سے ہو۔“^(۱)

اور فتاویٰ سعیدیہ میں مذکور ہے:-

”قتعین انہا سلع یثبت لہا مایثبت لسانر السلع من زیادة ونقصان وجواز بیع بعضها ببعض متماثلاً او متفاضلاً من جنس او اجناس الخ“

”تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔“

اور شیخ سلیمان الحمدانی اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:-

”اذا علم هذا فلا مانع من بیع الورق علی اختلاف انواعه و مسمایاتہ من الریالات او الدنانیر او الجنیہات باحد النقیدین الذهب والفضة متفاضلاً او نساء ولادخل للربا فی شئی من ذلك لان الورق لیس من الاموال الربویة

(۱) کفل الفقہ الفاہم فی احکام القرطاس والدرہم (ص ۶۲)

ولان الربا مختص بالمکملات والموزونات والورق ليس
بمکمل ولا موزون۔“

”.....نوٹوں کے تبادلے میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیونکہ نوٹ
اموالی ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکملات
اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکمل ہے، اور نہ موزون۔“^(۱)

۲۔ نوٹوں میں اگر تجارت کی نیت نہ ہو، تو زکوٰۃ واجب نہیں۔^(۲)

۳۔ نوٹوں کے ذریعے مضاربت جائز نہیں، کیونکہ مضاربت میں مال کا ذرا ہم یا
ذنا نیر ہونا ضروری ہے، یا نقد کا ہونا ضروری ہے، جبکہ نوٹ نقد نہیں، بلکہ عروض ہے۔

مناقشہ

پہلی بات تو یہ کہ نوٹوں میں اس موقف کے مطابق ربا الفضل یا ربا النساء جاری
نہیں ہوگا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات ہے، کیونکہ اس ربا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اس
موقف کے مطابق ربا نوٹوں میں اس لئے جاری نہیں ہوتا کہ نوٹ عروض ہیں، نہ مکملات
میں سے ہیں، اور نہ موزونات میں سے ہیں، اور نہ ان میں شمنیت ہے، لہذا ربا الفضل کی
کوئی علت بھی نوٹ میں موجود نہیں۔

موقف ثانی کی دلائل میں سے ایک دلیل یہ بھی ہے کہ عروض کی تعریفات نوٹوں
پر صادق آتی ہیں، حالانکہ یہ بات غلط ہے، کیونکہ یہ تعریفات فقہائے کرام نے خاص خاص
مقامات کی مناسبت سے ذکر کی ہیں، یہ عام تعریفات نہیں، مثلاً زکوٰۃ کے باب میں زکوٰۃ
حیوان کو ذکر کیا، زکوٰۃ ارض کو ذکر کیا، زکوٰۃ سیم و زر کو ذکر کیا، پھر عروض کی باری آئی، تو مقام

(۱) جريدة البلاد السعودية العدد ۴۹۱۷ (۲۲/۶/۱۳۷۸ھ)

_____ المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي، الدكتور عثمان شبير،

بيروت، دار النفائس، طبع سوم ۱۴۱۹ھ

(۲) حوالہ بالا۔

کی مناسبت سے اس کی ایسی تعریف کی، جو اسی مقام کے ساتھ مناسب تھی، جیسا کہ کتب مالکیہ میں ہے:-

”المراد بالعرض هنا مقابل الذهب والفضة“

”عرض سے یہاں مراد وہ چیز ہے، جو سونے چاندی کے مقابلے میں ہو۔“ (۱)

دلائل میں یہ کہنا کہ جب جب نوٹوں کی حکومت ختم ہو جاتی ہے، تو ان کی قیمت ختم ہو جاتی ہے، جو تعریف میں ”یہاں“ کی قید لگا کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ ”عرض“ کی یہ تعریف صرف یہاں کے خاص ہے، یہ کوئی عام تعریف نہیں۔
زوالِ ثمنیت کی دلیل ہے، تو اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ ہماری گفتگو نوٹوں کے بارے میں اس وقت ہے، جب ان کی قیمت برقرار ہو، تو اس وقت یہ دیکھنا ہے کہ ان کی فقہی حیثیت کیا ہے؟ اور جب ان کی قیمت ہی نہ رہے تو یہ صورت ہماری بحث سے خارج ہے۔

نوٹوں کی شرعی حیثیت سے متعلق تیسرا نظریہ

تیسرا موقف نوٹوں سے متعلق یہ ہے کہ نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام ہے، یعنی نہ تو ان کی حیثیت محض سندِ دین کی ہے، اور نہ یہ عروض ہے، اور ان میں بذاتِ خود ثمنیت ہے، لیکن چونکہ عرف و رواج کی وجہ سے کاغذی نوٹ اصلِ ثمن (سونے چاندی) کے قائم مقام اور اس کا بدل (Substitute) ہے، لہذا جو احکام اصل اور ”مبادل“ کے ہوں گے، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس

(۱) الخرشی علی سیدی خلیل، الخرشی (محمد الخرشی المالکی) بیروت، دارالصادر

نظریے کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ٹمن تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی کے لاگو ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:-

”پس پیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً ٹمن ہیں، مگر عین ٹمن خلقتی نہیں سمجھے گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ٹمن خلقتی ہے، گو ثمنیت خلقتیہ نہیں، بلکہ ثمنیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس ٹمن ہیں، حقیقتہً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں کمی ثمنیت کی صفت آگئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ٹمن خلقتی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا جائے گا، اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔“^(۱)

شیخ احمد البنا نوٹ کے سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

”فالذی ارادہ حقاً وادین اللہ علیہ ان حکم الورق المالئ کحکم النقدین تماماً سواء بسواء لانه یتعامل به کالنقدین تماماً، ولان مالکہ یمکنہ صرفہ فی قضاء مصالحہ به فی ای وقت شاء فمن ملک النصاب من الورق المالئ ومکت عندہ حولا كاملا وجبت علیہ زکاة باعتبار الفضة الخ“

”جس کو میں حق سمجھتا ہوں، وہ یہ کہ کاغذی نوٹ بالکل برابر سونا چاندی کے حکم میں ہے، کیونکہ نوٹ کے ذریعے سونا چاندی کی طرح معاملہ ہوتا ہے، اور نیز نوٹ کے مالک کے لئے ممکن ہے کہ وہ نوٹ

(۱) مجموعة الفتاوی، لکھنوی (مولانا عبد الحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک

سے اپنی ضروریات جس وقت چاہے، پوری کر سکتا ہے، لہذا جو نوٹ میں سے نصاب کا مالک ہو، اور اس نصاب پر پورا سال گزر جائے تو ایسے شخص پر چاندی کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔“^(۱)

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی اس سلسلے میں جو قرارداد ہے، اس کے الفاظ درج ہیں:-

”وبعد الاطلاع على قرار المجمع رقم ۹ فی الدورة الثالثة بان العملات الورقية نقود اعتبارية فيها صفة ثمنية كاملة، ولها الاحكام الشرعية المقررة للذهب والفضة من حيث احكام الربا والزكاة والسلم وسائر احكامها۔“

”پیپر کرنسی زبیر اعتباری ہے، جس میں کامل ثمنیت ہے، سود، زکوٰۃ، سلم اور دیگر احکام جو سونے چاندی کے ہیں، وہ احکام نوٹ کے بھی ہیں۔“^(۲)

دلائل

- ۱- اس پر اتفاق ہے کہ نوٹ تمام معاملات میں سونے چاندی کا بدیل ہے، اور اس کا مقام ہے، اور تمام معاملات میں نوٹ نے سونے چاندی کا مقام لیا، تو لامحالہ احکام میں بھی نوٹ سونے چاندی کی طرح ہوگا، خاص طور پر جبکہ مشہور اصولی قاعدہ ہے کہ: ”البدل له حکم المبدل“ یعنی بدل احکام میں مبدل کی طرح ہوگا، یہاں مبدل سونا اور چاندی ہے، اور بدل کاغذی نوٹ ہے۔
- ۲- احکام شرعیہ میں اعتبار معانی اور مقاصد کا ہے، معروف اصولی قاعدہ ہے:

(۱) الفتح الربانی

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ۱۴۰۹ھ،

(ص ۲۲۶)

”الامور بمقاصدها“ یعنی تمام اُمور کا دار و مدار مقاصد پر ہے، الفاظ اور ظاہری شکلوں پر نہیں، تو نوٹ کی وضع سے مقصد شہینت ہے، لہذا مقاصد کے اعتبار سے نوٹ سونے اور چاندی کی طرح ہوگا۔^(۱)

تفریحات

۱- نوٹ تمام احکام شرعیہ میں جب سونے چاندی کی طرح ہو گیا، اور سونے چاندی کا مقام نوٹ کو نیا بیہ حاصل ہو گیا، تو نوٹ کے وہی احکام ہوں گے، جو سونے چاندی کے ہیں، اور وہ معروف ہیں، لہذا:-

الف:- نوٹ پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

ب:- نوٹ کے ذریعے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

ج:- نوٹ میں ربا کی تمام اقسام جاری ہوں گی، یعنی ربا بالفضل، ربا بالنسیبہ اور ربا بالنساء نوٹ میں حرام ہوں گے، لیکن اس نظریے کے اعتبار سے اس کا مطلب یہ ہے کہ دو نوٹوں کا تقاضاً تبادلہ اس وقت ناجائز ہوگا، جبکہ ان دونوں نوٹوں کا مبدل اور اصل سونا ہے، یا چاندی ہے، اس صورت میں چونکہ یہ دونوں نوٹ متحد الجنس ہوں گے، اس لئے ان کا تقاضاً بیع درست نہ ہوگی، لیکن اگر دونوں ایسے ہوں کہ ان میں سے ایک کا مبدل اور اصل سونا ہے، اور دوسرے کا چاندی ہے، تو اس صورت میں ان دونوں کا تقاضاً بیع درست ہوگی، کیونکہ یہ دونوں نوٹ مختلف الجنس ہیں، البتہ جائین سے قبضہ جس کو ”تقابض“ کہتے ہیں، ضروری ہوگا، کیونکہ یہ بیع صرف ہے، جس میں تقابض ضروری ہوتا ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل آگے مستقل بحث کی شکل میں آئے گی۔

د:- بیع صرف اپنی شرائط کے ساتھ نوٹ میں جائز ہوگی۔

(۱) الفتاوی السعدیة (۳۲۲ تا ۳۲۳)۔

مناقشہ

معاملات میں نوٹ کا سونے اور چاندی کی طرح رواج پانے سے لازم نہیں آتا کہ یہ کہا جائے کہ اصل سونا چاندی ہے، اور نوٹ نایب ہے، لہذا دونوں کے احکام ایک ہوں گے، کیونکہ اس میں یہ احتمال بھی ہے، نوٹ کو مستقل ثمن کی حیثیت حاصل ہو، جیسا کہ فلوس کو یہ حیثیت حاصل ہے، حالانکہ فلوس بھی سونا چاندی کی طرح رواج میں رہے ہیں، لہذا یہ وجہ نہایت کمزور ہے۔

نیز جب ان نوٹوں کی پشت پر سرے سے سونا یا چاندی موجود ہی نہیں، تو زکوٰۃ یا سود کے مسائل میں یہ فیصلہ کس طرح ہوگا کہ اس نوٹ کا مبدل اور اصل سونا ہے، اور اس کا چاندی ہے، اس صورت میں یہ فیصلہ بہت مشکل ہوگا، اور ان مسائل میں لوگ حرج عظیم میں مبتلا ہو جائیں گے، حالانکہ حرج دین اسلام کے مزاج کے یکسر خلاف ہے، اور قرآن اور حدیث نے اس کی نفی کی ہے۔

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا نظریہ

نوٹ کی شرعی حیثیت سے متعلق چوتھا موقف یہ ہے کہ نوٹ بذات خود ثمنِ عرفی ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، یعنی نوٹ نہ سندِ دین ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بديل ہے، بلکہ خود ثمن ہے، اور احکام شرعیہ میں فلوس کی طرح ہے۔

اکثر علماء اسی نظریے کے قائل ہیں، اور یہی نظریہ ہمارے نزدیک راجح ہے، اس لئے ہم اس کو قدر زیادہ تفصیل کے ساتھ اور مفصل حوالہ جات کے ساتھ بیان کریں گے، چند مشہور اور معروف علمائے عرب و عجم کی عبارات ملاحظہ مع ترجمہ ملاحظہ ہوں:-

۱- شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:-

”هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس في

طروا الثمניתۃ علیہا فما ثبت للفلوس من احکام الربا
والزکاة والسلام تثبت للاوراق النقدیۃ مثلہا وقد قال بھذہ
النظریۃ مجموعۃ کبیرۃ من افاضل العلماء و یعتبر القائل
بہا فی الجملۃ وسطا بین القائلین بالنظریۃ السندیۃ
والقائلین بالنظریۃ العرضیۃ، ولا شک انہ اقرب الاقوال
الی الاصابۃ فی نظرنا۔“ (النقد الورقی ص ۸۳)

”اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ٹمن طاری ہونے میں فلوس کی
طرح ہیں، سو ربا، زکوٰۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے
ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے، اس نظریے کا قائل
فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے، اور اس نظریے کا قائل دو
نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے،
کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریے کا قائل مذکورہ دو
نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتدال پر مبنی
ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور دُرستی کے زیادہ
قریب ہے۔“ (۱)

خط کشیدہ عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیخ نے اس نظریے کی کتنی پُر زور تائید
فرمائی کہ:-

- الف:- اس قول کو علمائے افاضل کی ایک بڑی جماعت کی طرف منسوب کیا۔
ب:- اس قول کے قائل کو ”وسط“ کہا۔
ج:- اس قول کو حق کے زیادہ قریب کہا۔
شیخ احمد خطیب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:-

(۱) بحوالہ جدید فقہی مباحث للقاظمی۔

”قتبین بجمیع ذلك ان النوت كالفلوس النحاسية في
جميع احكامها ظاهراً وباطناً (اقناء النفوس بالحق النوت
بالفلوس ص ۳۸)

”ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہر و باطناً تمام
احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔“^(۱)
شیخ عبداللہ بن بسام فرماتے ہیں:-

”لانها ليست ذهباً ولا فضة وانما هي اثمان تتغير كما
تتغير القروش بالكساد والرواج وتقرير
الحكومات۔۔۔ فان كان الورق بالقروش اشبه وبه اولی
فالاحسن ان تلحق به وان تعطى حكمه وحكم القروش
معروف الخ (الورق النقدي ص ۸۱)^(۲)

”کیونکہ یہ (نوٹ) سونا اور چاندی نہیں، یہ تو اثمان ہیں، ان میں
”کساد، رواج“ اور حکومتوں کے انقلابات سے اس طرح تغیر واقع
ہوتا ہے جس طرح نیکل کے سکے بدلتے ہیں، پس اگر نوٹ نیکل کے
سکوں کے زیادہ مشابہ ہیں، اور ان کے زیادہ قریب ہیں، تو پھر بہتر
یہی ہے کہ ان کو ان ہی کے ساتھ ملایا جائے، اور ان کو ان ہی کا حکم دیا
جائے، اور نیکل کے سکوں کا حکم معروف ہے۔“^(۳)

سعودیہ عربیہ کے علمائے کبار کی مجلس نے نوٹوں کے سلسلے میں اکثریت کے ساتھ
جو قرار داد منظور کی، وہ درج ذیل ہے:-

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) بحوالہ: جدید فقہی مباحث لائقا کی جلد دوم۔

(۳) ایضاً۔

”ان الورق النقدي يعتبر نقداً قائماً بذاته كقيام النقدية في الذهب والفضة وغيرها من الاثمان وانه اجناس تتعدد بتعدد جهات الاصدار بمعنى ان الورق النقدي السعودي جنس وان الورق النقدي الامريكى جنس وهكذا كل كل عملة ورقية جنس مستقل بذاته الخ

”نوٹ بذات خود زَرَّكَاتِ ہے، جیسا کہ سونا چاندی اور دیگر اثمان ہیں، اور یہ کہ نوٹ کی جنس جاری کنندہ کے اختلاف کی وجہ سے مختلف ہوتی ہے، (یعنی دو نوٹ اس وقت مختلف جنس شمار ہوں گے، جب ہر نوٹ کا جاری کنندہ الگ الگ ہو۔) مطلب یہ کہ سعودی نوٹ (ریال) الگ جنس ہے، امریکی نوٹ (ڈالر) الگ جنس ہے، اور اسی طرح ہر کاغذی کرنسی مستقل جنس ہے۔“^(۱)

جس مفتی محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:-

”فاتضح بنا ذکرنا ان النقود الورقية لم تبق الآن سندات لديون في تخريجها الفقهي، وانما صارت اثمانا رمزية يعبر عنها الفقهاء بكلمة الفلوس الناققة، فان الفلوس الناققة تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية فكذلك الاوراق النقدية تكون قيمتها الاسمية اضعاف قيمتها الذاتية وجرت بها التعامل العام فيما بين الناس دون ايما فرق بينها وبين الفلوس الناققة الخ“

”ہماری بحث سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کاغذی نوٹ اب دیون کی سندات نہ رہے، اب تو یہ علامتی اثمان بن گئے، جن سے فقہائے

(۱) ابحاث هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية، طبع اول ۱۴۰۹ هـ (۵۷/۱)

کرام ”فلوس نافقہ“ کے ساتھ تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ فلوس نافقہ کی ظاہری قیمت اس کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے، چنانچہ کاغذی نوٹ کا یہی حال ہے، کہ ان کی ظاہری قیمت ان کی ذاتی قیمت سے کئی گنا زیادہ ہے، اور ان نوٹوں کے ذریعے لوگوں کے درمیان تعامل جاری ہے، اور تعامل کے لحاظ سے ان میں اور فلوس میں کوئی فرق نہیں۔“^(۱)

ڈاکٹر محمد سلیمان الاشرار اس بابت فرماتے ہیں:-

”القول الثالث انها عملة نقدية قائمة بذاتها تعامل معاملة الذهب والفضة الا انها شئى آخر ليست هي الذهب وليست هي الفضة وليست هي قائمة مقام الذهب ولا الفضة، بل هي اجناس اخرى بحسب الدول المصدرة لها، فالدينانير الكويتية جنس والدينانير العراقية جنس ثان والدولارات الامريكية جنس ثالث وهكذا- ودليل هذا القول دليل واحد وهو القياس على الذهب والفضة بجامع الثمنية، وهذا القول هو السائد الآن في الاوساط الاسلامية الملتزمة بالشريعة--وقد درج عليه غالبية المسلمين الملتزمين في التعامل-- وصدت الفتاوى من كثير من المفتين بهذا القول وصدت قرارات من بعض المجامع الفقهية بموجبه الخ“

”(نوٹوں کے سلسلے میں) تیسرا قول یہ ہے کہ یہ بذاتِ خود ایک کرنسی زَرَّ ہے، جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۱۵)

مختلف چیز ہے، نہ یہ سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے، بلکہ یہ (نوٹ) جاری کنندہ ممالک کے پیش نظر بالکل مختلف اجناس ہیں، کویتی دینار ایک جنس ہے، عراقی دینار جنس ثانی ہے، امریکی ڈالر جنس ثالث ہے، اور اسی طرح دوسری کرنسیوں کا حال ہے۔ اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علت ”شمئیت“ کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔ اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیان کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔^(۱)

ڈاکٹر اشقر کی یہ عبارت اس موقف پر نہایت صاف، واضح اور بے غبار ہے، اور اس میں بہت باتیں اہم ہیں، جن کا مختصر تجزیہ درج ہے:-

۱- نوٹ بذات خود کرنسی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ نوٹ سند دین نہیں، اور نہ

ہی عروض ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

۲- جس کے ساتھ سونے چاندی جیسا معاملہ کیا جاتا ہے، مگر مختلف چیز ہے، نہ یہ

سونا ہے، نہ چاندی ہے، اور نہ سونے چاندی کا قائم مقام ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ بات اپنی جگہ درست ہے کہ نوٹ تعامل میں سونے چاندی کی طرح ہے، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ تعامل کی وجہ سے نوٹ سونے چاندی کا مقام قرار دیا جائے، اور سونے چاندی کا بدلہ قرار دیا جائے، اور احکام میں اس کو سونے چاندی کا تابع بنایا جائے، جیسا کہ تیسرے

(۱) مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث، ۱۳۰۹ھ،

نظریے والوں نے کیا ہے۔

۳- اور اس قول کی دلیل ایک ہی ہے، اور وہ یہ کہ نوٹوں کو سونے چاندی پر علتِ ”شمیت“ کی وجہ سے قیاس کیا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ سونا چاندی ”مقیس علیہ“ ہے، نوٹ ”مقیس“ ہے، اور ”شمیت“ علت ہے۔

۴- اب ان ممالک میں جہاں شریعت کی پابندی کی جاتی ہے، اسی قول کو درست سمجھا جاتا ہے، اور اکثر مسلمان اسی کے مطابق باہمی معاملات چلاتے ہیں، بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے، اور بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔ اس عبارت میں مختلف طریقوں سے اس قول کی ترجیح ذکر ہے کہ:-

الف:- اکثر ممالک میں یہ قول درست سمجھا جاتا ہے۔

ب:- اکثر ممالک میں اس کے مطابق تعامل جاری ہے۔

ج:- بہت سارے مفتیانِ کرام نے اسی قول کے مطابق فتوے جاری کئے۔

د:- بعض فقہی اکیڈمیوں سے اس کے موافق قراردادیں پاس ہوئی ہیں۔

دلائل

دلیل اول:- نوٹ قانونی کرنسی (Legal Tender) بن گیا ہے، اور معاملات میں نوٹ قبول کرنے پر اس طرح لوگوں کو مجبور کیا جاتا ہے، جس طرح دوسرے عرفی اثمان کو قبول کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے، حالانکہ اگر دیکھا جائے تو دوسری مالی دستاویزات کی قبولیت پر لوگوں کو مجبور نہیں کیا جاتا، مثلاً اگر کسی نے دوسرے شخص کو قرضہ دیا، یا کسی نے دوسرے شخص کے ہاتھ کوئی نیچی، اور وہ مقروض یا خریدنے والا اس کو نوٹ دیتا ہے، تو اس صورت میں اس کے لئے انکار کی گنجائش نہیں، لیکن اگر وہ اس کو نوٹ کے بجائے چیک پکڑاتا ہے، تو وہ چیک قبول کرنے سے قانوناً انکار کر سکتا ہے، نیز یہ بھی یاد رہے کہ کرنسی

نوٹ غیر محدود قانونی کرنسی (Unlimited Legal Tender) ہے، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی۔

دلیل دوم:- ”سندِ دین“ قانوناً ہر کوئی جاری کر سکتا ہے، مثلاً مدیون دائن کے لئے کوئی رقمہ تحریر کرے، جیسا کہ معاملات میں ہوتا رہتا ہے، لیکن نوٹ جاری کرنے کا اختیار قانوناً ہر کسی کو حاصل نہیں۔

دلیل سوم:- اگر دیکھا جائے تو نوٹ پر ہر جگہ اور ہر عرف میں ”شمن“ اور ”زر“ کا اطلاق بولا جاتا ہے، جو اس بات کی واضح دلیل ہے کہ نوٹ سندِ دین یا عروض نہیں، اور نہ ہی سونے چاندی کا بدیل ہے۔

دلیل چہارم:- دیکھئے! سکوں میں کاروبار جاری ہے، اور لوگ سکوں کے ذریعے باہمی معاملات چلا رہے ہیں، اور یہ نہیں دیکھتے کہ ان کی پشت پر سونا یا چاندی ہے، یا نہیں، یہی حال بعینہ آج کل نوٹوں کا ہے، کہ لوگوں کے معاملات میں نوٹ چل رہے ہیں، اور تعامل میں نوٹ جاری ہیں، لیکن کسی کا سونا یا چاندی کی طرف ذہن ہی نہیں جاتا، اس صورتِ حال کو دیکھتے ہوئے نوٹ کو سونے چاندی کی سند، یا عروض یا سونے چاندی کا بدیل کس طرح کہیں گے؟

دلیل پنجم:- سونے چاندی کے ارتقاء (Evolution) پر جو مراحل گزرے ہیں، اس میں یہ بات ہم نے ذکر کی ہے کہ اب کچھ عرصے سے ان نوٹوں کی پشت سونے اور چاندی سے بالکل خالی ہو گئی، اور نوٹ کو سونے چاندی کا کوئی سہارا حاصل نہیں، اس حال میں نوٹ سونا یا چاندی کی کس طرح سند ہوگی، یا کس طرح بدیل ہوگا؟ اس سلسلے میں جیونفرے گراؤتھر (Geoffry Growth) کی عبارت پیچھے گزر چکی ہے۔

دلیل ششم:- یہ بات تفصیل کے ساتھ گزر چکی ہے کہ نوٹ کو سندِ دین یا عروض قرار دینے کی صورت میں کئی مفاسد لازم آتے ہیں، اور ربا کا درزاہ کھل سکتا ہے، نیز اس سے ”سد الذرائع“ کے قاعدے میں جو شریعت کا بہت اہم قاعدہ ہے، خلل پڑ سکتا ہے،

کیونکہ اگر نوٹ کو عرض قرار دے کر اس میں ربا الفضل کو جائز قرار دیا جائے، تو لوگ اس کا بصورت بیع (Sale) کاروبار شروع کریں گے، اور ربا الفضل کا بازار گرم ہو جائے گا، کیونکہ ہمارے ہاں سونا چاندی تو ہے نہیں، یہی نوٹ سب کچھ ہے۔

دلیل ہفتم:- نوٹ کو سندِ دین یا عرض قرار دینے کی صورت میں لوگ معاملات کے سلسلے میں مختلف مشاغل اور مسائل میں واقع ہو جائیں گے، اور معاملات میں حرج و مشقت پیش آجائے گی، تفصیل گزر چکی ہے، اور حرج شریعتِ اسلامیہ میں مرفوع اور مدفوع ہے، جبکہ نوٹ کو بذاتِ خود ضمن قرار دینے میں اس قسم کی کوئی خرابی نہیں، اور نہ ہی کوئی حرج ہے۔

دلیل ہشتم:- بابِ اوّل میں ”زَر“ کی جو تعریف (Definition) بیان ہو چکی ہے، وہ مکمل طریقے سے نوٹ پر صادق ہے، لہذا نوٹ کو زَر نہ کہنا خلافِ انصاف ہے۔

دلیل نهم:- بابِ اوّل میں زَر کے جو وظائف (Functions) بیان ہو چکے ہیں، زَر وہ تمام وظائفِ بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں، پھر کیوں نوٹ کو زَر نہ کہا جائے؟^(۱)

نوٹ کی فقہی حیثیت میں قولِ راجح

انہی دلائل اور وجوہات کی بناء پر نوٹ کی شرعی حیثیت کے بارے میں راجح قول

یہی ہے کہ:-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية في الفقه الاسلامي للجميد عن الورق النقدي لابن

منيع (ص ۱۳۷)

_____ مجلة البحوث الاسلامية، العدد الاول من المجلد الاول (ص ۲۰۵)

_____ فقه الزكاة للقرضاوى (۱/۲۷۱)

_____ المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الاسلامي

_____ جديد فقهي مباحث

_____ احکام الاوراق النقدية للعثماني

نوٹ بذاتِ ثمن ہے، اس پر سونے چاندی کی طرح ثمن کے احکام جاری ہوں گے، بس اتنا فرق ہے کہ سونا چاندی ثمنِ خلقی ہے، اور نوٹ ثمنِ عرفی ہے، نوٹ نہ سندِ دین ہے، نہ عروض ہے، اور نہ سونے چاندی کا بدل (Substitute) ہے۔

وجوہ ترجیح

وجوہ ترجیح اختصار کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہوں!

۱- نوٹ پر زر کی ذکر کردہ تعریفات مکمل طور پر صادق آتی ہیں۔
 ۲- زر کے جو شرعی اور اقتصادی وظائف ہیں، وہ نوٹ بحسن و خوبی سرانجام دیتا ہے۔

۳- نوٹ کو زر اور بذاتِ خود ثمن قرار دینے سے زکوٰۃ، سلم، مشارکہ، مضاربہ وغیرہ معاملات میں نہایت سہولت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴- نوٹ کو زر اور ثمن قرار دینے سے سود کا دروازہ بند ہو جاتا ہے، اور شریعت کے اہم اصل ”سد الذرائع“ پر عمل ہو جاتا ہے۔

۵- نوٹ کی پشت پر سونا چاندی نہیں ہیں۔

۶- ہر علاقے اور ہر عرف میں نوٹ پر زر کا اطلاق ہوتا ہے۔

۷- نوٹوں کے ساتھ تعامل کے وقت کسی کا ذہن سونے یا چاندی کی طرف

نہیں جاتا۔

۸- نوٹ کو قانونی طور پر کرنسی کا درجہ دیا گیا ہے۔

۹- نوٹ کے اجراء کا حق ہر کسی کو حاصل نہیں، بلکہ صرف مرکزی بینک ہی اس کا مجاز ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جمہور علمائے اُمت نے اسی قول کو اختیار کیا، اور اسی کو ترجیح دی، اور احکامِ شرعیہ میں اسی قول کے مطابق فتاویٰ صادر کرتے ہیں، جیسا کہ تفصیل کے ساتھ

ان کی اصل عبارات بمع اردو ترجمے کے ذکر ہوئیں۔^(۱)

تشبیہ

اگر دیکھا جائے، تو ان حضرات کی بات بھی درست ہے، جو نوٹ کو سندِ دین قرار دے رہے ہیں، لیکن یہ بات اس وقت درست تسلیم کی جاسکتی تھی، جب اس کی پشت پر سونا یا چاندی تھی، لہذا جس زمانے میں نوٹ کی پشت سونے چاندی سے خالی نہیں تھی، اس وقت اگر کوئی نوٹ کو سندِ دین کہتا، تو اس کی بات درست تھی، لیکن جب اس کی پشت سونے چاندی سے خالی ہوگئی، تو اب اس کو سونے چاندی کی سند کہنے کی کوئی معقول اور وزنی وجہ اور دلیل موجود نہیں۔

یہ قاعدہ شرعیہ مُسَلَّم ہے کہ زمانے میں تغیر (Changing) واقع ہونے کی وجہ سے غیر منصوص احکام شرعیہ میں تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس کے شریعت میں بہت نظائر ہیں، یہاں ان کو ذکر کرنا مناسب نہیں، انہی میں سے نوٹ کا مسئلہ بھی قرار دیا جاسکتا ہے، کہ اُس وقت یہ سند تھا، اور بعد میں بذاتِ خود شمن بن گیا، تو آراء میں اختلاف، زمانے میں اختلاف کی وجہ سے ہوا۔

(۱) اضافی حوالہ جات:- المعاملات المالية المعاصرة "الراجح ماذهب اليه الفريق الثالث من ان النقود الورقية تقوم مقام النقود الذهبية والفضية في التعامل، وتاخذ صفة الثمنية لان العرف العام الع" (ص ۱۹۱)

جدید فقہی مباحث میں مذکور ہے: "حاصل کلام یہ کہ کاغذی نوٹ فلوس کی طرح اثمانِ مروجہ ہیں، لہذا جو احکام فلوس کے ہوں گے، وہی اس کے بھی ہوں گے اگر چنانچہ" (۱۸۵/۲)

اسلام و جدید معیشت و تجارت میں ہے: "صحیح نقطہ نظر یہ ہے کہ نوٹ رسید نہیں بلکہ خود مال ہیں، سونے چاندی کی طرح شمنِ حقیقی نہیں بلکہ شمنِ عرفی ہیں انچ" (ص ۱۰۶)۔

کذا فی اقتصادیات النقود فی اطار الفكر الاسلامی، متولی (ابوبکر الصدیق عمر) قاہرہ، مکتبہ وہبہ، طبع اول ۱۳۰۳ھ۔

فائدہ

نوٹ سے متعلق مذکور چار نظریوں میں سے نظریہ سند اور نظریہ عروض بالکل الگ اور ممتاز ہیں، ایک دوسرے سے بھی ممتاز ہیں اور آخری دو نظریوں سے بھی ممتاز ہیں، البتہ آخری دو نظریے پہلے دو نظریوں سے تو ممتاز ہیں، لیکن باہم ملتے جلتے ہیں، جس کی وجہ سے اشتباہ (Confusion) میں واقع ہونے کا اندیشہ ہے، تو خوب سمجھنا چاہئے کہ یہ دونوں نظریے اس بات پر متفق ہیں کہ نوٹ سندِ دین یا عروض نہیں، بلکہ ثمن ہے، ثمنیت پر ان کا اتفاق ہے، لیکن فرق یہ ہے کہ نظریہ سوم کی رو سے نوٹ بذاتِ خود ثمن نہیں، بلکہ سونے چاندی کا بدیل (Substitute) ہے، اس وجہ سے ہم اس کو ثمن کہتے ہیں، لہذا اس کے احکام اوّل سے آخر وہی ہوں گے جو سونے چاندی کے ہیں، یہاں تک کہ اس نظریہ کی رو سے نوٹوں کا تبادلہ صرف ہو سکتا ہے، جبکہ نظریہ چہارم کی رو سے نوٹ بذاتِ خود ثمن ہے، یہ کسی شے کا قائم مقام نہیں، البتہ ثمن ہونے کی وجہ سے اس کے احکام سونے چاندی کے ہوں گے، لیکن خلقت اور عرف کا فرق ہوگا، نوٹ ثمنِ عرفی ہے، اس لئے فلوس کی طرح ہوں گے، اور ان کا تبادلہ صرف نہیں ہوگا، اور سونا چاندی ثمنِ خلقتی ہے، اس لئے ان میں صرف ہو سکتا ہے، اس لئے زکوٰۃ کے مسئلے کی تخریج میں بھی دونوں موقفوں میں فرق ہے، جس کی تفصیل گزر گئی۔

فلوس (Pices) کی حقیقت

فلوس ”فلس“ کی جمع ہے، فلس پیسہ کے معنی میں ہے، اسی سے ”افلاس“ اور ”تفلیس“ مشتق (Drived) ہے، افلاس کے معنی غربت کے ہیں، اور تفلیس کے معنی ہیں: حاکم کا کسی کو مفلس قرار دینا۔^(۱)

اور اصطلاح میں فلوس تانبے کے ان ڈھلے ہوئے ٹکڑوں (Pieces) کو کہتے

(۱) لسان العرب، ابن المنظور متوفی ۱۱۷۱ھ، بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع

اول ۱۳۰۸ھ (۱۰/۳۱۸)۔

ہیں، جو لوگوں میں سکون کی طرح رائج ہوں، اس کو ”فلوس نافقہ“ یا ”فلوس رائج“ بھی کہتے ہیں۔^(۱)

فلوس کے ارتقائی مراحل کا خلاصہ

۱- زمانہ جاہلیت، یعنی اسلام سے قبل اور ظہور اسلام کے بعد ایک عرصہ تک لوگ فلوس کی جگہ انڈے، یا گندم وغیرہ استعمال کرتے تھے، اور انڈے یا گندم یا کوئی بھی غلہ تعامل استعمال ہوتا تھا۔

۲- اس کے بعد لوگوں نے تانبے کے ٹکڑے استعمال کرنے لگے، لیکن یہ ٹکڑے ڈھلے ہوئے نہیں ہوتے تھے۔

۳- اس کے بعد فلوس باقاعدہ ڈھلنے لگے، اور ان کو ایک قانونی شکل دی گئی، ہر فلس کی ایک جانب اس وقت کے بادشاہ کا نام اور لقب کندہ ہوتا تھا، اور دوسری جانب متعلقہ ملک کا نام درج ہوتا تھا، نیز جس سن میں سکہ ڈھلا ہے، وہ سن درج ہوتا تھا، یہاں سے باقاعدہ فلوس کا آغاز ہوا۔

۸۱ھ میں ملک ظاہر برقوق کے زمانے میں فلوس کا بہت زیادہ رواج ہو گیا، اور

(۱) الفقه الاسلامی وادلتہ، الزحیلی (الدکتور وہبہ الزحیلی) دمشق، دارالفکر، طبع اول ۱۴۰۳ھ

”الفلوس جمع فلس، وهو قطعة من النحاس كان يتعامل بها الخ“ (۸۰۹/۳)۔

_____ اقرب الموارد، الشرتونی (علامہ سعید الخوری الشرتونی) لبنان، دارالاسوة للطباعة النشر، طبع اول ۱۳۷۳ھ۔

”الفلس قطعة مضروبة من النحاس يتعامل بها وهي من المسكوكات القديمة (۱۹۷/۳) _____ شرح منہ الجلیل (علامہ محمد علیش

”فلوس بضم الفاء جمع فلس بفتحها وسكون اللام، ای النحاس المسكوك الذي يتعامل به (۵۳۳/۳)۔

کذا فی دائرۃ معارف القرآن، وجدی، (محمد فرید وجدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ۱۳۵۷ھ (۳۰۳/۷)۔

فلوس میں رواج اور تعامل اس حد تک بڑھنے لگا کہ قریب تھا کہ درہم کا وجود ہی ختم ہو جاتا، بعض روایات میں ہے کہ اس وقت کے امیر نے بہت بڑی تعداد میں فلوس ڈھالے، اور درہم میں تعامل کو معطل کر دیا۔

فلوس میں تعامل وزنا بھی ہوتا تھا، اور عدداً بھی، بعد میں فلوس عددی اشیاء میں شمار ہونے لگے، چنانچہ احکام شرعیہ میں فلوس کا عددی ہونے کے لحاظ سے اعتبار ہے۔^(۱)

فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء

”زر“ کے استعمال اور اس کے اطلاق کے سلسلے میں بابِ اوّل میں تین موقفوں کا تفصیل کے ساتھ ذکر کیا تھا، وہاں یہ بات ذکر ہوئی تھی کہ بعض فقہائے کرام کے ہاں زر کے اطلاق کا دائرہ بہت وسیع ہے، اور ان کے ہاں زر یا ثمن کا اطلاق ”فلوس“ پر بھی ہوتا ہے، یہیں سے فلوس کے ثمن ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف فقہاء کا آغاز ہو جاتا ہے، کہ بعض حضرات فلوس کو ثمن اور زر کہتے ہیں، جبکہ دیگر حضرات فلوس کو زر یا ثمن نہیں کہتے، ہم یہاں قدرے تفصیل سے ان اقوال کو جمع اولہ اور تفریعات کے ذکر کرتے ہیں۔

فقہائے کرام کی عبارات کے تتبع اور استقراء سے اور ان پر غور کرنے سے اس سلسلے میں تین اقوال سامنے آتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

۱- حضرات حنفیہ میں سے امام محمدؒ، محمد بن الفضلؒ، علامہ نسفیؒ، علامہ حلوانیؒ، حضرات مالکیہ، علامہ ابن تیمیہؒ، اور علامہ ابن القیمؒ، ان حضرات کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں۔

۲- حضرات حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسفؒ کے ہاں فلوس کو ثمنیت لازم نہیں اور متعین کرنے سے متعین ہوتے ہیں، اور حضرات شافعیہ کا قول یہ ہے کہ فلوس اثمان نہیں۔

(۱) تطور النقود فی اطار الفكر الاسلامی، الحسنی (الدكتور احمد حسن احمد الحسنی)

۳- حضراتِ حنابلہ کی اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں، ایک روایت یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، یہی امام احمد بن حنبلؒ سے منصوص قول ہے، اور یہی ان کے ہاں رائج ہے، اور دوسری روایت بعض حنابلہ علماء کی ہے، اور وہ یہ کہ فلوس اثمان نہیں ہیں، گویا کہ حنابلہ ایک روایت میں فریقِ اول کے ساتھ ہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فریقِ

ثانی کے ساتھ ہیں۔ www.KitaboSunnat.com

فریقِ اول:- امام محمدؒ کا مذکورہ موقف ان احکام سے معلوم ہوتا ہے، جو ربا، سلم، مشارکہ اور مضاربتہ کے ضمن میں فقہائے کرام نے بیان کئے ہیں، مثلاً ”ربا“ (Interest) کے مسئلے میں علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:-

”ويجوز بيع المعدودات المتقاربة من غير المطعومات
 بجنسها متفاضلاً عند ابي حنيفة و ابي يوسف بعد ان
 يكون يداً بيد كبيع الفلوس بالفلسين باعيانها، وعند
 محمد لا يجوز۔ وجه قوله، ان الفلوس اثمان فلا يجوز
 بيعها بجنسها متفاضلاً كالدرهم والدنانير، ودلالة الوصف
 عبارة عما تقدر به مالية الاعيان ومالية الاعيان كما تقدر
 بالدرهم والدنانير تقدر بالفلوس فكانت اثماناً، ولهذا
 كانت اثماناً عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها
 بجنسها حالة المساواة، وان كانت ثمناً فالثمن لا يتعين
 وان عين كالدراهم والدنانير فالتحق التعين فيهما
 بالعدم فكان بيع الفلوس بالفلسين بغير اعيانها، وذا
 لا يجوز، ولانها اذا كانت اثماناً فالواحد يقابل الواحد
 فبقي الآخر فضل مال لا يقابله عوض في عقد المعاوضة

وهذا تفسير الربا الخ،^(۱)

”کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء ”محدودات متقاربه“ میں سے ہوں، ان کی بیع بجنسہا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ ہاتھ در ہاتھ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین جنوں، اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ جائز نہیں۔ امام محمدؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلس اثمان ہیں، لہذا دراہم اور دنانیر کی طرح ان کی بیع بجنسہا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور وصف (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح دراہم اور دنانیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلس کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے، لہذا فلس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلس کا مقابلہ جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف ساوی ہوں، تو فلس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلس

(۱) بدائع الصنائع، الکاسانی (الامام العلامة علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی)

کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، طبع اول ۱۳۲۸ھ

مراجع اضافیہ:

البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (الشيخ العلامة زين الدين بن ابراهيم متوفى

۹۷۰ھ) بيروت، دارالكتب العلمية، طبع اول ۱۳۱۸ھ (۲۱۹/۶)

فتح القدير شرح الهداية، ابن الهمام (كمال الدين محمد بن عبد الواحد المعروف بابن

الهمام) كونه، المكتبة الرشيدية، كونه باكستان، (۲۰۸/۶)

الفتاوى العالمگیریة، جماعة من العلماء الكبار، كونه، مكتبة رشيدية، طبع دوم، ۱۴۰۲ھ

ھـ (۲۲۴/۳)۔

اثمان ہیں، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ ذرا ہم اور
 دنانیر کا معاملہ ہے، لہذا ان میں ”تعین“ کا عدم ہوگی، تو اب یہ سمجھا
 جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیع ہوئی،
 اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس
 ایک فلس کے مقابلے میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ
 جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔“

علامہ کا سانبیؒ کی یہ عبارت کئی مفید نکات پر مشتمل ہے:-

۱- اس عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک فلس کی بیع فلسین کے

ساتھ ناجائز ہے۔

۲- عدم جواز کی وجہ ان کے نزدیک فلوس کا ثمن ہونا ہے۔

۳- ثمن کے فلوس ہونے کی دلیل فلوس کے وظائف ہیں، چونکہ فلوس کے
 وظائف وہی ہیں جو ذرا ہم و دنانیر کے ہیں، اس لئے فلوس وصفِ شمیئت کے ساتھ متصف
 ہوں گے۔

۴- فلوس کے ثمن ہونے کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ جب بیع میں ایک طرف
 فلوس ہوں، اور دوسری طرف مثلاً غلام ہو، یا جب ایک فلس کا مقابلہ ایک فلس کے ساتھ ہو،
 تو ان صورتوں میں بالاتفاق فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا ہے، لہذا فلس بفلسین کی صورت میں بھی
 فلوس اثمان ہوں گے۔

۵- اور جب فلوس اثمان ہو گئے، تو ثمن تعین سے متعین نہیں ہوتے، لہذا فلوس
 میں عاقدین یعنی بائع اور مشتری کی تعین کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا، اور عدم تعین کے وصف میں
 فلوس درہم و دینار کی طرح ہوں گے۔

۶- اب یہ سمجھا جائے گا کہ ایک فلس ایک فلس کے مقابلے میں آگیا، اور ایک

فلس عوض سے خالی رہ گیا، اور یہی تو رہا کی تعریف اور تفسیر ہے، لہذا فلس کی بیع بفلسین ناجائز ہوگی۔

۷۔ البتہ بیع فلس بفلسین کی صورت میں چونکہ جنس ایک ہے، اس لئے علتِ قاصرہ کے تحقق کی وجہ سے ”نساء“ بالاتفاق ناجائز ہوگا۔

شرکت اور مضاربت کے بارے میں علامہ کا سائی فرماتے ہیں:-

”واما الفلوس فان كانت كاسدة فلا تجوز الشركة ولا المضاربة بها، لانها عروض، وان كانت نافقة فكذلك في الرواية المشهورة عن ابي حنيفة وابي يوسف وعند محمد تجوز۔ والكلام فيها مبني على اصل وهو ان الفلوس الراجحة ليست اثمانا على كل حال عند ابي حنيفة وابي يوسف لانها تتعين بالتعيين في الجملة وتصير مبيعا باصطلاح العقادين، وعند محمد الثمنية لازمة للفلوس النافقة فكانت من الاثمان المطلقة، لهذا ابي جواز بيع الواحد منهما باثنين، فتصير رأس مال الشركة كسائر الاثمان المطلقة الخ“^(۱)

”فلوس اگر کھوٹے ہوں (یعنی رواج میں نہ ہوں)، تو ان میں شرکت اور مضاربت جائز نہیں، کیونکہ یہ عروض ہیں، اور اگر کھرے ہوں، (یعنی رواج میں ہوں) بھی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ان شرکت جائز نہیں، اور امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ فلوس میں یہ بحث ایک اور اصل پر مبنی (Based) ہے، اور وہ یہ کہ فلوس رائج ہر حال میں اثمان نہیں، کیونکہ یہ کسی نہ کسی درجے میں

تعیین سے متعین ہو جاتے ہیں، اور عاقدین کے کی اصطلاح سے
فلوس مبیع بھی بنتے ہیں، اور امام محمدؒ کے نزدیک فلوس نافقہ کو وصفِ
ثمنیت لازم ہے، لہذا فلوس اثمانِ مطلقہ میں سے ہیں، اسی وجہ سے
امام محمدؒ ایک فلس کی بیع دو کے مقابلے میں جائز قرار نہیں دیتے ہیں،
لہذا شرکت میں فلوس دوسرے اثمانِ مطلقہ کی طرح کارؤس المال
(Capital) بنا دُرست ہوگا۔“

جاننا چاہئے کہ شرکت اور مضاربت میں شرعی اصول یہ ہے کہ ان دونوں میں
رأس المال کا نقد ہونا ضروری ہے، سامان رأس المال نہیں بن سکتا، اسی اصول کی بناء پر
امام محمدؒ کے نزدیک فلوس کے ساتھ شرکت اور مضاربت دُرست ہیں، جبکہ امام ابوحنیفہؒ اور
امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دُرست نہیں۔

علامہ کاسانیؒ نے ”فی الروایة المشہورة عن ابی حنیفة وابی یوسف“
کہا، کیونکہ اس سلسلے میں ان حضرات سے ایک غیر مشہور روایت بھی مروی ہے، جس کے
مطابق ان کے ہاں بھی فلوس میں شرکت اور مضاربت دُرست ہیں، چنانچہ تنویر
الابصار متن الدرالمختار میں ہے:-

”ولا تصح مفاوضة وعنان بغير التقدين والفلوس النافقة

الخ“

”اور شرکت مفاوضہ اور شرکت عنان سونے، چاندی اور فلوس کے

بغیر دُرست نہیں۔“ (۱)

اس عبارت سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ فلوس کے ساتھ بھی

(۱) تنویر الابصار متن الدرالمختار، التمرتاشی (محمد بن عبد اللہ بن احمد الخطیب

التمرتاشی الغزی المتوفی ۹۳۹) بیروت، دار احیاء التراث العربی، طبع اول ۱۴۱۹ھ

شرکت دُرست ہے، اور اس حکم میں مضاربت شرکت کی طرح ہے، لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ مشہور اور صحیح روایت وہی ہے کہ فلوس میں ان کے نزدیک شرکت اور مضاربت دُرست نہیں۔

ازالہ وہم

امام محمدؒ کی مشہور کتاب ”کتاب الاصل“ میں یہ مذکور ہے کہ فلوس میں امام محمدؒ کے نزدیک ”سلم“ دُرست ہے، جس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ اس مسئلے میں امام محمدؒ نے فلوس کے سلسلہ میں اپنا موقف ترک کر دیا، تب ہی تو فلوس میں سلم کو جائز قرار دیا، کیونکہ سلم کے صحیح ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ ”مسلم فیہ“ (بیع) ایسی شئی ہو، جو متعین کرنے سے متعین ہوتی ہو، یہی وجہ ہے کہ درہم و دینار میں بیع سلم دُرست نہیں، کیونکہ درہم و دینار متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، تو جب امام محمدؒ نے فلوس میں بیع سلم کو جائز قرار دیا، تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انہوں نے فلوس میں وصفِ ثمیت کو باطل کیا، اور فلوس کو یہاں عروض میں شمار کیا، چنانچہ مشہور کتاب فقہ ”تحفة الفقہاء“ میں مذکور ہے:-

”واما السلم فی الفلوس فقد ذکر فی ”الاصل“ وقال : انه

یجوز“

”فلوس میں سلم کے بارے میں امام محمدؒ نے ”الاصل“ میں فرمایا کہ یہ

جائز ہے۔“ (۱)

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ کتاب الاصل میں ذکر کردہ یہ موقف درحقیقت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا ہے، اور امام محمدؒ نے یہاں اپنا موقف ذکر نہیں کیا ہے، لہذا اس سے اس وہم میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے کہ امام محمدؒ نے اس مسئلے میں اپنا موقف تبدیل کیا ہے، جیسا کہ صاحب تحفہ نے مذکورہ عبارت ذکر کر کے فرمایا:-

(۱) تحفة الفقہاء، السمرقندی، (علامہ علاء الدین المتوفی ۵۳۹ھ)، دمشق، مطبعة

”ویجب ان یکون ذلك على قول ابی حنیفة وابی

یوسف۔۔۔وعلى قول محمد لا یجوز“

”یہ ضروری ہے کہ یہ مسئلہ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف کے قول پر

مبنی ہو، اور امام محمد کے قول کے مطابق یہ معاملہ درست نہیں۔“ (۱)

چنانچہ علامہ کاسانی مسلم کے بارے میں صاف انداز میں لکھتے ہیں:-

”واما السلم فی الفلوس عددا فجائز عند ابی حنیفة وابی

یوسف وعند محمد لا یجوز بناء على ان الفلوس اثمان

عنده فلا یجوز السلم فيها كما لا یجوز السلم فی الداهم

او الدنانیر وعند هام الخ“

”فلوس میں سلم عدد کے اعتبار سے امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف

کے نزدیک درست ہے، اور امام محمد کے نزدیک جائز نہیں، اور وجہ

یہ ہے کہ فلوس امام محمد کے نزدیک اثمان ہیں، لہذا ان میں سلم ناجائز

ہوگا، جیسا کہ ذراہم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں ہے، اور ان کے

ز نزدیک الخ“ (۲)

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ربا، مشارکت، مضاربت اور سلم کے ان ذکر کردہ مسائل سے یہ

بات بالکل واضح ہو کر سامنے آئی کہ فلوس امام محمد کے نزدیک اثمان مطلقہ ہیں، اور وصف

ثمنیت ان کو لازم ہے، اور حضرات شیخین (یعنی امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف) کے

ز نزدیک فلوس اثمان مطلقہ نہیں، وصف ثمنیت ان سے الگ ہو سکتی ہے۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) بدائع الصنائع (۲۰۸/۵)، کذا فی البحر الرائق (۲۶۱/۶) وفی الدر المختار مع

ردالمحتار (۳۳۹/۷)

محمد بن الفضل، شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ حلوانی کا موقف
محمد بن الفضل، شمس الائمہ سرخسی اور شمس الائمہ الحلوانی: ان کے موقف کے
بارے میں استاد الجعید فرماتے ہیں:-

”ویوافق محمد بن الحسن علی هذا الاصل بعض علماء
الحنفية مثل محمد بن الفضل واختاره السرخسی وشيخه
الحلوانی“
”اس اصل میں امام محمد کے ساتھ بعض علمائے حنفیہ متفق ہیں، مثلاً:
محمد بن الفضل، اور اسی کو علامہ سرخسی اور ان کے استاد علامہ حلوانی
نے اختیار کیا ہے۔“^(۱)

حضرات مالکیہ

مالکیہ کے ہاں فلوس اثمان ہیں، البتہ بیع فلس بفلسین میں ان کے ہاں اقوال
مختلف ہیں، یعنی یہ کہ یہ معاملہ حرام ہے، مکروہ ہے، حلال ہے۔
لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان کے نزدیک قول راجح یہی ہے کہ یہ معاملہ ناجائز اور
حرام ہے، جیسا کہ جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے لکھا ہے:-

”وذلك ان بيع الفلس بالفلسين حرام مطلقا وهو من الربا
المحرم شرعا عند الامام مالك بن انس ومحمد بن
الحسن الشيباني الخ“

”اور یہ اس وجہ سے کہ فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع حرام
مطلق ہے، اور یہ شرعاً امام مالک بن انس اور امام محمد کے نزدیک ربا

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية عن البدائع والفتاوى الهندية والمبسوط (ص ۳۹)

حرام ہے۔“ (۱)

حضرات مالکیہ کے ہاں ان تین اقوال کا منشاء یہ نہیں کہ ان کے ہاں فلوس کے شمن ہونے میں اختلاف ہے، بلکہ ان کے ہاں فلوس اثمان ہیں، اور یہی ہمارا مقصود ہے، بلکہ اس کا منشاء دو چیزیں ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

منشاء اول

الف:- فلوس کو اگر سونے اور چاندی پر قیاس کیا جائے، اور یہ کہا جائے کہ شمنیت کی علت کی وجہ سے یہ سونے اور چاندی کی طرح ہیں، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ فلوس احکام میں سونے اور چاندی کی طرح ہو، لہذا جس طرح ایک دینار کے مقابلے میں دو دیناروں کی اور ایک درہم کے مقابلے میں دو درہموں کی بیع حرام ہے، اسی طرح ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع بھی حرام ہو۔

ب:- اور اگر یہ کہا جائے کہ ٹھیک ہے فلوس اثمان ہیں، لیکن سونا اور چاندی کی طرح نہیں، اور نہ ہی یہ سونا چاندی ہیں، اور احادیث میں سونا اور چاندی کا ذکر ہے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ حلال ہو۔

ج:- اور اگر اس تذبذب کو دیکھا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ معاملہ

مکروہ ہو۔

منشاء دوم

نقدین (سونے چاندی) میں ربا کے حرام ہونے کی جو علت ہے وہ متعدی ہوتی ہے، یا نہیں، جو تعدی کے قائل ہیں ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حرام ہے، جو تعدی کے

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۱۷۱)

قائل نہیں، تو ان کے نزدیک مذکورہ معاملہ حلال ہے، اور جو تذبذب کا شکار ہیں، ان کے نزدیک مکروہ ہے۔^(۱)

حضرت امام مالکؒ کی مشہور کتاب ”المدونة“ سے چند عبارات بطور نمونہ

ملاحظہ ہوں:-

”قلت : ارأیت ان اشتریت فلوسا بدرہم فافترقنا قبل ان نتقابض، قال: لا یصلح هذا فی قول مالک، وهذا فاسد، قال: لی مالک : لاخیر فیہا نظرة بالذہب ولا بالورق، ولو ان الناس اجازوا بینہم الجلود حتی تكون لها سكة وعین لسكرهتھا ان تباع بالذہب والورق نظرة۔ قلت: ارأیت ان اشتریت خاتم فضة او خاتم ذہب او تبر ذہب بفلوس فافترقنا قبل ان نتقابض ایجوز هذا فی قول مالک؟ قال: لا یجوز فلس بفلسین۔۔۔ قال اللیث بن سعد عن یحی بن سعید وربیعة انہما کرھا الفلوس بالفلوس وبینہما فضل اور نظرة وقالوا: انہا صارت سكة مثل سكة الدنانیر والدراہم۔“

”میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر ذراہم کے بدلے فلوس خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالک نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلے میں ادھار ہوں، تو اس

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید عن شرح التلقین للمازری فی الفقہ المالکی شرح التہذیب فی الفقہ المالکی المخطوطین بمركز البحت العلمی بجامعة ام القرى، ص ۳۱

معاملے میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکے اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ ادھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کی انگوٹھی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، تو یہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالک نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلے میں معاملہ جائز نہیں..... لیف بن سعد یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلے میں ایسے معاملے کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا ادھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ دنانیر اور درہم کی طرح سکے ہو گیا۔^(۱)

”وقال مالک : اكره ذلك في الفلوس ولا اراه حراما
كتحریم الدنانیر والدرهم، قلت: ارأیت ان اشتریت فلسا
بفلسین ایجوز هذا عند مالک؟ قال: لا یجوز فلس
بفلسین۔“

”اور امام مالک نے فرمایا: میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملے کو دنانیر اور درہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالک کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو

(۱) المدونة الكبرى، الاصبحي (الامام مالك بن انس الاصبحي المتوفى ۱۷۹، بيروت،

دارالكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۵ھ (۲۰۵/۳)

فلوس کے ساتھ جائز نہیں۔“^(۱)

علامہ ابن تیمیہؒ کا موقف

علامہ ابن تیمیہؒ بھی فریقِ اول میں داخل ہیں، جو فلوس کو ائمان کہتا ہے، چنانچہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں:-

”الظاهر المنع من ذلك فان الفلوس النافقة يغلب عليها

حكم الايمان وتجعل معيار الاموال الناس-“

”ظاہر منع ہی ہے کیونکہ فلوس نافقہ پر ائمان کا حکم غالب ہے، اور

فلوس کو لوگوں کے اموال کا معیار قرار دیا جاتا ہے۔“^(۲)

ایک اور جگہ تحریر فرماتے ہیں:-

”فاذا صارت الفلوس ائمانا صار فيها هذا المعنى، فلا يباع

ثمن بئمن الى اجل-“

”سو جب فلوس ائمان ہو گئے، تو ان میں یہ معنی آگئے، لہذا اب ثمن کو

ثمن کے مقابلے میں ادھار نہیں بیچا جائے گا۔“^(۳)

ان دونوں عبارتوں سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ فلوس علامہ ابن

تیمیہؒ کے نزدیک ائمان ہی ہیں۔

علامہ ابن تیمیہؒ

علامہ ابن تیمیہؒ بھی ان علماء میں سے ہیں، جو فلوس کو ثمن قرار دیتے ہیں، چنانچہ

اس سلسلے میں وہ فرماتے ہیں:-

(۱) مرجع سابق (ص ۱۵۸)

(۲) مجموعة الفتاوى لابن تیمیہؒ (۲۹/۳۷۱)

(۳) حوالہ بالا

”والثمن هو المعيار الذي به يعرف تقويم الاموال فيجب ان يكون محددًا مضبوطًا، لا يرتفع ولا ينخفض الخ“
 ”ثمن وہ معیار ہے جس سے اموال کی قیمتیں معلوم کی جاتی ہوں، لہذا ضروری ہے کہ ثمن کی کوئی تحدید ہو، اور وہ منضبط ہو، یعنی اس میں اُتار چڑھاؤ نہ ہو۔“^(۱)

”كما رأيت من فساد معاملاتهم والضرر اللاحق بهم حين اتخذت الفلوس سلعة تعد للربح فعم الضرر وحصل الظلم ولو جعلت ثمنًا واحدًا لا يزداد ولا ينقص بل تقوم به الاشياء ولا تقوم هي بغيرها لصلح امر الناس۔“
 ”جیسا کہ میں نے لوگوں کے معاملات کا فساد اور ان کو جو نقصان لاحق ہوا وہ دیکھا، جبکہ لوگوں نے فلوس کو سامان بنایا اور ان کو نفع کا ذریعہ بنایا، تو اس طریقے سے نقصان عام ہو گیا، اور ظلم سامنے آ گیا، اور اگر فلوس کو ثمن قرار دیا جاتا اور اس میں اُتار چڑھاؤ نہ ہوتا، بلکہ ان اشیاء کی قیمتوں کا اندازہ کیا جاتا، اور یہ خود کسی شے سے اندازہ نہ کیا جاتا، تو لوگوں کے معاملات درست ہوتے۔“^(۲)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ علامہ ابن القیمؒ فلوس کو اثمان قرار دے رہے ہیں، اور ساتھ یہ بھی کہہ رہے ہیں کہ فلوس کو اثمان قرار نہ دینے سے لوگوں کو نقصان اور ضرر لاحق ہو گیا، اور ظلم عام ہو گیا، اور دوسری بات علامہ ابن القیمؒ کی عبارت سے معلوم ہوتی ہے کہ انہوں نے فلوس کو ذر سمجھا، سامان نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی ہے۔

(۱) اعلام الموقعین (۱۳۹/۲)۔

(۲) حوالہ بالا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف

فریقِ ثانی: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا موقف یہ ہے کہ فلوس کو شمیئت لازم نہیں، اور فلوس متعین کرنے سے متعین ہو جاتے ہیں، لہذا جو احکام امام محمدؒ کے موقف پر متفرع ہوتے تھے، وہ احکام ان حضرات کے موقف کے مطابق برعکس ہو جائیں گے، تفصیل اور حوالہ جات فریقِ اول کے بیان کے ضمن میں گزر گئے، اعادے کی ضرورت نہیں۔

امام شافعیؒ کا موقف

شافعیہ کے ہاں بھی فلوس اثمان نہیں، چنانچہ علامہ کوہجیؒ علتِ ربا کے ضمن میں فرماتے ہیں:-

”وعلة الربا في الذهب والفضة الثمنية وهي منتفية عن

العروض والفلوس۔“

”ربا کی علت سونے اور چاندی میں ثمنیت ہے، اور یہ عروض اور

فلوس میں نہیں پائی جاتی۔“^(۱)

اور علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:-

”اذا راجت الفلوس رواج النقود لم يحرم الربا فيها، هذا هو

الصحيح المنصوص وبه قطع المصنف والجمهور۔“

”جب فلوس میں ایسا تعامل جاری ہو جائے، جیسا کہ زر میں ہے، تو

بھی ان میں ربا حرام نہیں ہوگا، یہی درست ہے، اسی کو مصنف نے

جزم کے ساتھ بیان کیا، اور جمہور کا یہی موقف ہے۔“^(۲)

(۱) زاد المحتاج شرح المنهاج، الكوهجی (الشیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الحسن الكوهجی

(قطر، طبع اول ۱۴۰۲ھ (۲۳/۲)

(۲) المجموع شرح المہذب، النووی (الامام ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی،

بیروت، دارالفکر۔

اہم تنبیہ

عربی مصتفین نے اگرچہ یہ بات واضح انداز میں لکھی ہے کہ شافعیہ کے ہاں فلوس اثمان نہیں، اور علامہ کوٹلی شافعی کی مذکورہ عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، لیکن حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات پر جب غور کیا جاتا ہے، تو ان عبارات سے فلوس میں مطلقاً ثمنیت کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ ”ثمنیت جو ہریہ“ یا ”ثمنیت غالبہ“ کی نفی ہوتی ہے، کہ فلوس ثمن جو ہری یا خلقی نہیں، اور ان کے ہاں چونکہ نقد میں علتِ حرمتِ ربا ”ثمنیت جو ہریہ“ ہے، اور فلوس میں یہ علت نہیں پائی جاتی، اس لئے انہوں نے فلسِ بفلسین کی بیع کو جائز قرار دیا، تو جواز کی وجہ یہ نہیں کہ فلوس ثمن نہیں، بلکہ جواز کی وجہ یہ ہے کہ ثمنیت جو ہریہ جو علت ہے، وہ فلوس میں نہیں پائی جاتی۔

حضرات شافعیہ کی فقہی عبارات سے ثمنیت جو ہریہ کی نفی ہوتی ہے، یعنی مقید کی نفی ہے، اور مشہور قاعدہ ہے کہ جب مقید پر نفی داخل ہو، تو اس سے قید کی نفی ہوگی، نہ کہ ذاتِ مقید کی نفی، مثلاً جب یہ کہا جائے کہ میں نے زید کو بندھا ہوا نہیں مارا، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مارا تو ہے، لیکن اس وقت وہ بندھا ہوا نہیں تھا، تو اس سے نفی باندھنے کی ہوئی، نہ کہ مارنے کی، اسی طرح مذکورہ مسئلے میں نفی ثمنیت جو ہریہ کی ہے، نہ کہ ثمنیت کی، اس لئے راقم الحروف کا خیال یہ ہے کہ فلوس نافقہ ان کے ہاں بھی اثمان ہیں، لیکن اثمان جو ہریہ نہ ہونے کی وجہ سے علتِ ربا نہیں اس لئے فلسِ بفلسین کی بیع جائز ہے، چنانچہ چند عبارات ملاحظہ ہوں:-

”وقال الجمهور: العلة فيهما صلاحية الثمنية الغالبة، وان

شئت قلت: جوهرية الاثمان غالباً،-- وفي تعدى الحكم

الى الفلوس اذا راجت وجه، والصحيح انه لا ربا فيها لانتفاء

الثمنية الغالبة--“

”اور جمہور نے کہا کہ سونے اور چاندی میں علت ان میں شمنیتِ غالبہ کی صلاحیت کا ہونا ہے، اور اگر آپ چاہے تو کہے کہ جو ہریت اثمان..... اور حکم (ربا) کو فلوس رائجہ کی طرف متعدی کرنے میں ایک روایت ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ ان میں ربا نہیں ہے، کیونکہ ان میں شمنیتِ غالبہ نہیں ہے۔“^(۱)

حواشی شروانی میں ہے:-

”وعلة الربا فيه جوهرية الثمن فلاربا في الفلوس وان راجت الخ“

”اور ربا کی علت اس میں ثمن کی جو ہریت ہے، لہذا فلوس میں ربا نہیں ہے، اگرچہ رائج ہوں۔“^(۲)

حنابلہ کا موقف

فقہائے حنابلہ سے اس سلسلے میں دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں فلوس ثمن نہیں، اور دوسری روایت کے مطابق فلوس ثمن ہیں، اور یہی روایت ان کے نزدیک رائج اور قوی ہے، چنانچہ رائج قول کے مطابق ان کے ہاں فلس بفلسین کی بیع ناجائز ہے۔^(۳)

(۱) روضة الطالبین، النووی (علامہ محی الدین بن شرف النووی) بیروت، المکتب الاسلامی، طبع دوم ۱۴۰۵ھ

(۲) حواشی الشروانی بن قاسم العبادی (۲۷۹/۳)

(۳) وقال: لا يباع الفلوس بالفلسين ولا السكين بالسكينين ولا ابرة باهرتين، اصله الوزن المغنى مع الشرح الكبير (۱۲۸/۳)

_____ وجزم ابو الخطاب في خلافه الصغير: بانها (الفلوس-عصمت) مع نفاقها لا يباع بمثلها الامثلة معللا بانها اثمان-(الانصاف، المرادوى، علاء الدين ابوالحسن على بن سليمان المرادوى الحنبلي) قاهرة، مطبعة السنة المحمدية، طبع اول ۱۳۷۶ھ (۱۵/۵)

_____ فان احمد قال: لا اري السلم في الفلوس لانه يشبه الصرف وهذا قول محمد بن الحسن وابي ثور لانها ثمن فجازت الشركة بها كالدراهم والدنانير-(المغنى والشرح الكبير (۱۲۵/۵)

خلاصہ یہ جمہور فقہاء و مجتہدین کے نزدیک فلوس اٹمان ہیں، اور فلوس کا فلوس کے ساتھ خرید و فروخت کی پیشگی کے ساتھ ناجائز اور حرام ہے۔

اس بارے میں قولِ راجح

فلوس کے ٹخن ہونے یا نہ ہونے میں قولِ راجح یہی ہے کہ:-

- ۱- فلوس اٹمان ہیں۔
- ۲- تعیین سے متعین نہیں ہوتے۔
- ۳- کمی بیشی کے ساتھ ان کی بیع حرام ہے۔
- ۴- ان میں شرکت دُرست ہے۔
- ۵- ان میں مضاربت صحیح ہے۔
- ۶- فلوس میں سلم دُرست نہیں۔

وجہ ترجیح

اس قول کی ترجیح کی وجہ یہ ہے کہ فلوسِ نافقہ میں سونے اور چاندی کی طرح تعامل جاری ہے، اور سونے چاندی کے جو وظائف ہیں، وہ فلوس بحسن و خوبی انجام دیتے ہیں، نیز زَرَکَا کی تعریف تمامہ فلوس پر صادق آتی ہے، لہذا فلوس کو اٹمان کہنا بجا ہے، اور ان کے ساتھ وہی معاملہ کرنا چاہئے جو لُغو د کے ساتھ ہوتا ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ جمہور اُمتِ فلوس میں ثمنیت کے قائل ہے، جن میں:-

إمام محمدؒ، إمام مالکؒ، إمام احمدؒ، شمس اللائمہ السرخسیؒ، شمس اللائمہ الحلوانیؒ، محمد بن الفضلؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، علامہ ابن قیمؒ اور اس زمانے کے تقریباً بیشتر علماء و فقہاء شامل ہیں۔



باب چہارم

بیع صرف

بیع صرف اور اس کی حقیقت

بیع صرف لغتاً

”صرف“ کے لغوی کئی معانی ہیں:-

- ۱- نقل:- ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنا۔
- ۲- پھیرنا:- فلاں نے اس سے اپنا چہرہ پھیرا۔
- ۳- تخلیہ:- کسی کو چھوڑنا، مثلاً میں نے مزدور کو چھوڑ دیا۔
- ۴- انفاق:- خرچ کرنا، میں نے پیسے صرف وکے، یعنی خرچ کئے۔
- ۵- بیع:- زیادت اور اضافہ۔
- ۶- توبہ۔
- ۷- زمینت اور خوبصورتی۔
- ۸- شور مچانا اور آواز نکالنا۔

لغت کے اعتبار سے ان سب معانی کے لئے لفظ ”صرف“ استعمال ہوتا ہے،

اور اسم فاعل اس سے ”صیرنی“، ”صیر وف“، اور ”صرآف“ ہے۔

”عقد صرف“ کو صرف اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں مقصود ہی اضافہ ہوتا ہے،

کیونکہ اس میں ذرکا مقابلہ ذر کے ساتھ ہوتا ہے، اور ذر اجناس کی طرح بذات خود تو قابل

اشقاع ہے نہیں، جیسا کہ شروع میں اس کی تفصیل گزر چکی، بلکہ اس صورت میں اس سے مقصود تجارت اور ربح (نفع) ہے، جو زر کی ذات پر ایک اضافہ ہے، اور بعض حضرات نے اس کی وجہ تسمیہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ جب سونے یا چاندی کو بوقت بیع ترازو میں رکھی جاتی ہے، تو اس سے ایک قسم کی آواز نکلتی ہے، اس لئے اس کو بیع صرف کہا گیا۔ واللہ اعلم۔^(۱)

بیع صرف اصطلاحاً

حضرات حنفیہ، شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک ”بیع صرف“ کی تعریف درج

ذیل ہے:-

(۱) الدر المختار ورد المحتار: هو (الصرف) لغة الزيادة، وفي رد المحتار: (هولفة الزيادة) ”هذا احد معانيه ففى المصباح: صرفته عن وجهه صرفاً من باب ضرب، وصرفت الاجير والصبى، خلعت سبيله، وصرفت المال: انفقته، وصرفت الذهب بالدرهم بعته، واسم الفاعل من هذا صيرفى وصيروف، وصراف للمبالغة، قال ابن الفارس: الصرف فضل الدرهم فى الجودة على الدرهم وصرفت الكلام: زينته (۴۰۲/۶) ————— فتح القدير:

” (الزيادة) وهذا العقد لا يقصد به الا الزيادة دون الانتفاع بعين البديل الآخر فى الغالب لانه لا ينتفع بعينه بخلاف نحو الطعام والثوب والحمار، والمراد ان قصد كل من المتعاقدين التجارة والربح فيه بالنقل والا خلا العقد عن الفائدة، والزيادة تسمى صرفاً وبه سميت العبادة النافلة صرفاً فى قوله ﷺ: من انتمى الى غير ابيه لا يقبل الله منه صرفاً ولا عدلاً الخ“ (۲۵۹/۶)

————— كذا فى البحر الرائق (۳۲۱/۶)

————— ومجمع الأنهر فى شرح ملتقى الأبحر،

الشيخى زادة، (العلامة عبدالرحمن بن محمد بن سلمان المتوفى ۱۰۷۸ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۹ھ (۱۶۱/۳)

————— كشاف القناع

، البهوتى، (العلامة منصور بن يونس المتوفى ۱۰۵۱ھ)، السعوديه العربيه، مطبعة الحكومة بمكة ۱۳۹۴ھ۔

”سميت بذلك لصريفهما وهو تصويتهما فى الميزان“ (۲۵۳/۳)

”ثمن (یا زر) کے مقابلے میں ثمن (یا زر) کی خرید و فروخت، خواہ دونوں کی جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔“

لیکن بابِ صرف میں دونوں جانبوں میں ”ثمن“ سے مراد ثمنِ خلقی ہے، یعنی سونا اور چاندی، خواہ سونا یا چاندی کسی بھی شکل میں ہو، مثلاً درہم یا دینار ہو، سونے یا چاندی کا برتن ہو، یا زیور ہو، یا ڈلی ہو۔

لہذا اگر کسی ایک جانب یا دونوں جانبوں میں عوضین ثمنِ عرفی ہو، مثلاً کرنسی نوٹ یا فلوس، تو اس کو بیعِ صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس پر بیعِ صرف کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔ تفصیل اگلے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ حسکفیؒ فرماتے ہیں:-

”وشرعاً بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنية، ومنه

المصوغ جنسا بجنس او بغير جنس۔“

”اور شریعت میں بیعِ صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید و فروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلاف جنس کے ساتھ ہو۔“^(۱)

علامہ مرغینائیؒ فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعينان كالمصوغ اولا يتعينان كالمضروب،

او يتعين احدهما ولا يتعين الاخر، لا طلاق ماروينا، ولانه

ان كان يتعين ففیه شبهة التعيين لكونه ثمنا خلقة

فيمشترط قبضه اعتبارا للشبهة في الربا۔“

(۱) الددالمختار للحسکفی شرح تنویر الابصار للتمرتاشی و متن رد المحتار لابن عابدین

المعروف بالشامی (۴۰۲/۷)

”چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکہ ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیچ صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔“^(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف ذرا ہم یا ذنا نیر ہوں، یا ایک طرف ذرا ہم یا ذینار ہو، اور دوسری طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، تو یہ تمام صورتیں بیچ صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام ثمن خلقی ہیں، لہذا ان تمام صورتوں میں تقابض ضروری ہوگا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:-

”وغالب الغش لیس فی حکم الدرہم والذنانیر فیصح بیعہا بجنسہا متفاضلا والتبايع والاستقراض بما یروج عددا او وزنا او بہما ولا یتعین بالتعین لکونہا اثمانا۔“
 ”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ ذرا ہم یا ذنا نیر کے حکم نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیچ زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے

(۱) الہدایۃ مع الفتح، المرغینانی (شیخ الاسلام برہان الدین ابو الحسن ابوبکر المرغینانی المتوفی ۵۹۳ھ) کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ (۲۶۱/۶)

متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“ (۱)

اس پر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:-

”قوله: ”ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا“ یعنی مادامت

تروج لانها بالاصطلاح صارت اثمانا، فمادام ذلك

الاصطلاح موجودا، لا تبطل الثمنية لقيام المقتضى-

”صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ ”یہ متعین کرنے سے متعین نہیں

ہوتے، کیونکہ یہ اثمان ہیں“ یعنی جب تک مروّج ہوں، کیونکہ یہ

لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح

باقی رہے گی، اس کی ثمنیت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضی

موجود ہے۔“ (۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونا یا چاندی

کم ہو، اور وہ مروّج بھی ہو، تو ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ عوضین ہم جنس

کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان

ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ

ہے، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدت جنس

کے باوجود تفاضل (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہائے حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیع

۱. كنز الدقائق مع البحر، النسفی (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود

المعروف بحافظ الدين النسفی المتوفى ۷۱۰ هـ) بيروت، دارالكتب العلمية، طبع اول

۱۴۱۱ھ (۳۳۵/۶)

(۲) مرجع سابق

صرف کے لئے صرف ثمن کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمنِ خلقی ہو، البتہ ثمنِ خلقی کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے۔

البتہ عدم تعیین کے لئے کسی شے کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔
حنابلہ کی مشہور کتاب ”کشاف القناع“ میں ہے:-

”فصل فی المصارفة، وہی بیع نقد بنقد، اتحد الجنس او
اختلف۔“

”مصارفہ زَر کے مقابلے میں زَر کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ
جنس ایک ہو یا مختلف ہو۔“^(۱)

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدینِ ثمنیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح درہم و دینار یا
سونا چاندی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیعِ صرف میں ”نقد“
سے مراد ثمنِ خلقی ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ”مغنی المحتاج“ میں ہے:-

”النقد بالنقد) والمراد به الذهب والفضة مضروبا كان او
غير مضروب۔“

”بیعِ صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں)
اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا نہ ہو۔“^(۲)
اور اسی کتاب میں ہے:-

”تنبیہ: بیع النقد بالنقد من جنسه وغيره یسمى صرفا۔“
”نقد کے مقابلے میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو،

(۱) (۲۵۳/۳)

(۲) مغنی المحتاج، الشریبینی (الشیخ محمد الشریبینی الخطیب) بیروت، دار احیاء التراث
العربی (۲۳/۲)

یا جنس مختلف ہو۔“ (۱)

علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:-

”والثانیة لا یشرط الحلول والتقبض، فان ذلك معتبر فی جنس الذهب والفضة سواء كان ثمنا او كان صرفا او كان مکسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هی فی الاصل من باب لا عراض والشمینہ عارضة لها“

”اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (Cash Payment) اور تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنس سونا اور چاندی میں معتبر ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت میں سامان کے قبیل میں ہیں اور شمئیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق ہو گئی ہے۔“ (۲)

یہ امام احمدؒ کی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ ”صرف“ کے

لئے شمنِ خلقی کا ہونا ضروری ہے۔ www.KitaboSunnat.com

علامہ زحلیؒ فرماتے ہیں:-

”وشرعاً هو بیع النقد بالنقد جنسا بجنس او بغير جنس: ای بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب بالفضة مصوغا او نقداً۔“

”اور شریعت صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ ہو، یعنی

(۱) حوالہ بالا

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ ۲۹/۳۵۹)

سونا بمقابلہ سونا کے، یا چاندی بمقابلہ چاندی کے یا سونا بمقابلہ چاندی کے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو۔^(۱)

کتاب ”تطور النقود“ میں ہے:-

”عرف الحنفية الصراف بانه بيع الاثمان بعضها ببعض وادوا من الاثمان ما كان ثمننا خلقه اى من القدم وهو الذهب والفضة سواء كانا مسكوكين دنانير ودرهم وهي المعروفة بالنقدين او كانا مصوغين كالاقراط والاساور او كانا تبرا وعبر الشافعية والحنابلة عن الثمن بالنقد فقالوا: الصراف بيع النقد بالنقد من جنسه او غيره، ارادوا بالنقد كذلك الذهب والفضة مسكوكين او مصوغين او تبرا والحكم فى المذاهب الثلاثة هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتمائل والتقابض (الى قوله:) والتعريف السابق للصراف عند الائمة الثلاثة يفيد انه محصور فى الذهب والفضة اللذين لا يغلب عليهما الغش، فاذا كانت الدراهم مغشوشة ورائجة او كان النقد من الجنانين فلوسا رائجة لايجرى فيها حكم الصراف الخ

”حضرات حنفیہ نے بیع صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلے میں فروخت کیا جائے۔ اور ان کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقۃ ثمن ہوں، یعنی زمانہ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی

(۱) الفقه الاسلامی وادلتہ للعلامة الزحلی (۳/۲۳۶)

ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں دنانیر اور ذراہم، جو ”نقدین“ کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافیہ اور حنابلہ نے ثمن سے ”نقد“ کے ساتھ تعبیر کی ہے، سو انہوں نے کہا کہ ”صرف“ ”نقد“ کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی ”نقد“ سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں..... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا چانین سے نقد فلوس رائج ہوں، تو اس عقد کو عقدِ صرف نہیں کہا جائے گا۔“^(۱)

حاصل یہ کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقدِ صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں، نیز ان حضرات کے نزدیک اس عقد کو ”صرف“ یا ”مصارف“ یا ”تصارف“ کہتے ہیں، کوئی اور اصطلاح ان کے ہاں استعمال نہیں ہوتی، خواہ صرف کی کوئی بھی شکل ہو۔

البتہ مالکیہ کے ہاں اس سلسلے میں تین اصطلاحات رائج ہیں:-

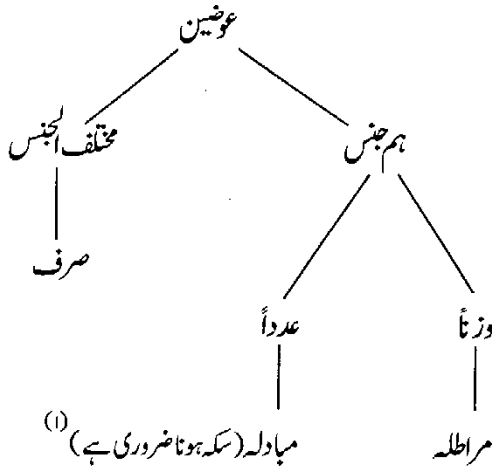
مراطلہ، مبادلہ، صرف

(۱) تطور النقود (ص ۱۴۱، ۱۴۳)

مراطلہ :- سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تول کر بیچنے کو مراطلہ کہتے ہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، لہذا مراطلہ میں یہ ضروری ہے کہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو۔

مبادلہ :- سکہ کو سکہ کے ساتھ عدداً فروخت کرنے کو ”مبادلہ“ کہتے ہیں، مثلاً دینار بمقابلہ دینار کے یا درہم درہم کے مقابلے میں، نیز اس میں یہ ضروری ہے کہ عوضین ہم جنس ہوں۔

صرف :- سونے کو چاندی یا چاندی کو سونے کے ساتھ خرید و فروخت کو ”صرف“ کہتے ہیں، سونا چاندی خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور معاملہ خواہ وزناً ہو یا عدداً ہو۔



(۱) عقد الجواهر الثمنیة، ابن شاس (جلال الدین عبد اللہ بن نجم ابن شاس المتوفی ۶۱۶ھ) دار الغرب الاسلامی، طبع اول ۱۳۱۵ھ
اس میں مصنف نے صرف، مراطلہ اور مبادلہ کے احکام بڑی تفصیل کے ساتھ بیان فرمائے ہیں۔
(۳۹۶ تا ۳۵۱/۲)

الشرح الصغير علی اقرب المسائل الی مذهب الامام مالک، الدردير

(العلامة ابو البركات احمد بن محمد بن احمد الدردير) مصر، دار المعارف (۳۸/۳) تا (باقی اگلے صفحے پر)

”بیع صرف“ اور اس کی شرطیں

بیع صرف کے شرعاً معتبر ہونے کی چار شرطیں ہیں، جن میں سے دو وجودی ہیں، یعنی ان کا پایا جانا ضروری ہے، اور دو عدلی ہیں، یعنی ان کا نہ پایا جانا ضروری ہے، اور وہ چار شرائط اجمالاً درج ذیل ہیں:-

وجودی	۱- تقابض
	۲- تماثل یا مماثلت
عدلی	۳- خیاری شرط
	۴- اجل (تاجیل)

حقیقت میں شرطیں دو ہی ہیں، یعنی تقابض اور تماثل، کیونکہ آخری دو شرطیں تقابض ہی پر متفرع ہیں، جیسا کہ تفصیل سے واضح ہو جائے گا۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

_____ کتاب الکافی فی فقہ اہل المدینۃ المالکی، القرطبی (ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد بن عبد البر النمر القرطبی) السعودیۃ، الرياض، مکتبۃ الرياض الحدیثیۃ، طبع دوم ۱۴۰۰ھ (۲/۶۳۳)

_____ تطور النقود فی ضوء الشریعة الاسلامیۃ :

”اما المالکیۃ فلہم اصطلاح آخر فی بیع الاثمان، ذلك انہم یقسمونها الی ثلثۃ اقسام : المراطلة والمبادلۃ، والصرف، اما المراطلة: فہی بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضۃ وزنا، سواء اکانا مسکوکین او مصوغین او تبرا۔ واما المبادلۃ: فہی بیع النقد المسکوک من الذهب او الفضة بجنسہ عددا۔

_____ واما الصرف فہو بیع الذهب بالفضۃ او الفضة بالذهب او احدہما بالفلوس۔“ (ص ۱۳۳)

اس عبارت کا خلاصہ وہی ہے جو تفصیل کے ساتھ متن میں ذکر ہوا ہے، لیکن یاد رکھیں کہ یہ صرف اصطلاح کا فرق ہے، اداکام میں مالکیہ کا مذہب حضرات ائمہ ثلاثہ سے کچھ زیادہ مختلف نہیں ہے، صرف مراطلہ میں یہ حضرات معمولی کمی بیشی کی گنجائش دیتے ہیں، باقی تقابض وغیرہ کے اداکام میں یہ ائمہ ثلاثہ کی طرح ہے۔

بلکہ اگر غور کیا جائے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے ایک ہی شرط ہے، اور وہ تماثل ہے، کیونکہ مماثلت یا تماثل کے معنی یہاں برابری کے ہیں، اور جب ایک جانب قبضہ پایا جائے، اور دوسری جانب قبضہ نہ پایا جائے، تو ظاہر ہے کہ ایک جانب جو جانب قبضہ ہے اس کو فضیلت حاصل ہوگئی، تو مماثلت نہ رہی، جیسا کہ علامہ مرغینانی کی عبارت میں اس کی صراحت ہے:-

”ثم لا بد من قبض الآخر تحقیقا للمساواة فلا يتحقق الربا

ولان احدهما ليس باولى من الآخر“

”پھر دوسری جانب قبضہ ضروری ہے تاکہ برابری ثابت ہو، اور ربا

لازم نہ ہو، اور اس لئے بھی کہ ایک جانب دوسری جانب سے اولیٰ

نہیں۔“ (۱)

فائدہ

بیع صرف اور ربا کا باہم گہرا تعلق ہے، کیونکہ صرف بیع ہے، اس میں اتحاد جنس کی صورت میں کسی ایک جانب زیادتی کی صورت میں ربا الفضل وجود میں آتا ہے، اور ادھار یا کسی ایک جانب قبضہ نہ ہونے کی صورت میں ربا النساء لازم آتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں ربا اور صرف ایک ساتھ اور ایک ہی باب میں ذکر کرتے ہیں، بلکہ بعض اوقات ”صرف“ کا عنوان ان کے ہاں ہوتا ہی نہیں، ربا کا عنوان ہوتا ہے، اس میں صرف کے مسائل ذکر کرتے ہیں، گو حنفیہ کے ہاں دونوں کے لئے الگ الگ باب قائم کرتے ہیں۔

اب ہم مذکورہ شرائط کو ایک ایک کر کے قدر تفصیل کے ساتھ یہاں ذکر

کرتے ہیں:-

(۱) ہدایۃ مع فتح القدیر (۶/۲۶۰)۔

تقابض (Possession)

”تقابض“ بابِ تقاضی ہے، جس کے معنی باہمی قبضہ کرنے کے ہیں، یعنی متعاقدین (Contractors) میں سے ہر ایک عوض پر مجلسِ عقد میں قبضہ کرے، تو بیع صرف معتبر ہونے کے لئے یہ سب سے اہم اور عمومی شرط ہے، جو بیع صرف کی تمام صورتوں میں بالاتفاق ضروری ہے، یعنی بیع صرف کی کوئی بھی صورت ہو، خواہ عوضین کسی بھی شکل میں ہوں، یعنی کسی کی شکل میں ہوں، برتن یا زیور کی شکل میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، وغیرہ، اور جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، ان تمام صورتوں میں بیع صرف معتبر ہونے کے لئے اس شرط کا پایا جانا ضروری ہے۔^(۱)

(۱) علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعينان كالمصوغ اولاً يتعينان كالمضروب، او يتعين احدهما ولا يتعين الاخر، لا لطلاق ماروينا، ولانه ان كان يتعين ففيه شبهة التعيين لكونه ثمنا خلقاً فيشترط قبضه اعتباراً للشبهة في الربا.“

”چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکے ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیثِ مطلق ہے، اور دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعین کے باوجود شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو ضروری قرار دیا۔“

الهداية مع الفتحة، المرغيناني (شيخ الاسلام برهان ابو الدين ابو الحسن ابو بكر المرغيناني المتوفى ۵۹۳ھ) كوئٹہ، باكستان، مكتبه رشديه (۶/۲۶۱)۔

كذا في البحر الرائق (۶/۳۲۱)۔

_____ الفقه الاسلامي وادلته للزحيلي:

”والتقابض شرط سواء اتحد الجنس او اختلف (۴/۶۳۷)۔“

_____ تطور النقود:

”والحكم في المذاهب الثلاثة (الحنفية والشافعية والحنابلة) عصمت (هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتماثل والتقابض، واذا بيع احدهما بالآخر وجب الحلول والتقابض وجزا التفاضل (ص ۱۴۱)“

اس شرط کو ضروری قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ اگر بیع میں کسی جانب بھی قبضہ نہ ہو، تو یہ ”بیع الکالیٰ بالکالیٰ“ ہے یعنی ادھار کا ادھار کے ساتھ معاملہ، جو شرعاً ناجائز ہے۔

چنانچہ ابن عمرؓ کی روایت ہے، جس کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

اسحاق وابن شیبہ والبخاری عن ابن عمر: ”نہی رسول اللہ

ﷺ ان یبئع کالئی بکالئی — یعنی دینا بدین — زاد

البخاری: وعن بیع عاجل بآجل وعن بیع الغرر“

”حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کے مقابلے میں ادھار کی بیع

سے منع فرمایا ہے، بزار کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ آپ نے

ادھار کے مقابلے میں نقد کی بیع سے منع فرمایا ہے، اور بیع غرر سے

بھی منع فرمایا ہے۔“ (۱)

اور فقط ایک جانب قبضہ ہو، تو اس صورت میں مساوات اور برابری فوت ہو جائے گی، اور اس شرط کی اہم دلیل اشیائے ستہ والی احادیث ہیں:-

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلًا والفضة بالفضة مثلاً بمثل،

والتمر بالتمر مثلاً بمثل والبر بالبر مثلاً بمثل، والملح

بالملاح مثلاً بمثل، والشعیر بالشعیر مثلاً بمثل فمن زاد

او زاد فقد اربى، بیعوا الذهب بالفضة کیف شئتم یدا

بید، الحدیث۔“

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سرابریٹپو، چاندی کو چاندی

کے بدلے میں برابر سرابریٹپو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سرابریٹپو،

پیٹو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سرابریٹپو، نمک کو نمک کے

(۱) الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایۃ، العسقلانی (العلامة ابن حجر العسقلانی المتوفی

۸۵۲ھ) پنجاب، شیخوپورہ، المكتبة الاثرية پاکستان (۱۵۷/۱)

بدلے میں برابر سراسر بیچو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سراسر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“ (۱)

”الذهب بالذهب وزنا بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزنا بوزن مثلاً بمثل، فمن زاد او استزاد فهو ربا۔“

”سونا سونے کے مقابلے برابر سراسر بیچو، اور چاندی چاندی کے مقابلے میں برابر سراسر بیچو، جس نے بڑھایا یا زیادہ مانگا، تو یہ ربا ہے۔“ (۲)

عن ابن عمر ان عمر قال: لا تبیعوا الذهب بالذهب بالذهب الا مثلاً بمثل، ولا تبیعوا الورق بالذهب احدهما غائب والآخر ناجز

”سونے کو سونے کے ساتھ برابر سراسر بیچو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ اس طرح مت بیچو کہ ایک حاضر ہو، اور دوسری چیز غائب ہو۔“ (۳)

فائدہ:- بیع صرف میں ”تقابض“ کے شرط ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین جسماً مجلس عقد نہ چھوڑیں، جسے عربی میں ”افتراق بالابدان“ کہتے ہیں، جس کی صورت

(۱) کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۳۶۶۹۔

(۲) اخرجه مسلم، کتاب المساقاة، باب الربا۔

(۳) نصب الرأیة، الزیلعی (العلامة جمال الدین ابو محمد عبد الله الزیلعی الحنفی

المتوفی ۷۶۲ھ لبنان، مؤسسة الریان، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۳/۵۶)

یہ ہوگی کہ مثلاً بیع صرف کا معاملہ ہو گیا، اور عوضین پر قبضے سے قبل ایک عاقد اس طرف نکل گیا، اور دوسرا عاقد دوسری طرف نکل گیا، یا ایک عاقد مجلس میں موجود ہے، اور دوسرا اٹھ کر چلا گیا، تو اس صورت میں یہ عقد شرعاً باطل ہے، لیکن اگر اسی مجلس میں دونوں موجود ہیں، خواہ مجلس جتنی بھی لمبی ہو جائے، یا دونوں اس میں سو جائیں، تو اس کو ”افتراق“ نہیں کہا جائے گا، اسی طرح اگر مجلس میں عقد ہوا، اور متعاقدین دونوں ایک ساتھ مجلس سے اٹھ گئے، اور ایک جانب ہی ایک ساتھ نکلیں، تو اس صورت کو بھی افتراق نہیں کہا جائے گا، اور اس سے عقد باطل نہیں ہوگا، اگر اس کے بعد عوضین پر قبضہ پایا گیا، تو صرف معتبر ہو جائے گا۔^(۱)

مذکورہ شرط کی اہمیت

بیع صرف میں ”تقابض“ کی شرط کی اہمیت حضرت عمر اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی درج ذیل دو روایتوں سے معلوم ہوتی ہے:-

عن ابن عمر ان عمر قال: لا تبعوا الذهب بالذهب الا
مثلا بمثل ولا تبعوا الورق بالذهب احدهما غائب والآخر
ناجز وان استنظرت ان يلج بيته فلا تنظرة الا ايدا بيد
هات وهات انى اخشى عليكم الربا۔
”حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سونے کو سونے کے ساتھ
مت بیچو مگر یہ کہ برابر برابر ہو، اور چاندی کو سونے کے ساتھ مت بیچو
جن میں سے ایک غائب ہو، اور دوسرا حاضر ہو، اور اگر وہ تم سے گھر

(۱) البحر الرائق:

”واما التقابض فالمراد التقابض قبل الافتراق بابدانہما بان یاخذ هذا فی جهة وهذا فی جهة، فان مشیا میلًا او اکثر ولم یفارق احدہما صاحبه فلیسا بمتفرقین“ (۳۲۲/۶)
کذا فی الفقہ الاسلامی وادلتہ: ”کذلک لا یحصل التفرق ان ناما فی المجلس او اغمی علیہما او قاما عن المجلس فذہباً معاً فی جهة واحدة وطریق واحد الخ“ (۲۳۷/۳)

میں داخل ہونے کی مہلت مانگے، تو اس کو یہ مہلت مت دو، مگر یہ ہاتھ ڈر ہاتھ ہو، یہ دیا اور یہ لیا، مجھے آپ لوگوں کے بارے میں ربا کا خوف ہے۔“ (۱)

غور فرمائیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ شرط تقابلض کو بیع صرف میں کیا اہمیت دیتے ہیں کہ بیع صرف میں عوضین پر قبضے سے قبل گھر میں داخل ہونے کی بھی گنجائش نہیں ہے، اور اس سے بھی زیادہ اہمیت پر دال حضرت ابن عمر کا قول ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں:-

”عن ابن عمر رضی اللہ عنہ انه قال: وان وثب من سطح فثب معه“

”اور اگر وہ (احد العاقدین) چھت سے کودے، تو تم بھی اس کے ساتھ ہی کودو (تاکہ مجلس ایک رہے)۔“ (۲)

شرط تقابلض پر متفرع چند اہم مسائل

بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے جب جائین سے قبضہ ضروری ہو، تو اس پر

درج ذیل اہم مسائل متفرع ہوتے ہیں:-

ابراء، ہبہ، صدقہ، استبدال، مقاصد۔

تفصیل درج ذیل ہے:-

ابراء، ہبہ اور صدقہ

ان تینوں کا حکم ایک ہے، مطلب یہ ہے کہ مثلاً زید اور عمرو کے درمیان ایک دینار کے مقابلے میں ایک دینار کا معاملہ صرف ہو، زید نے عمرو کو مجلس عقد میں اس کا دینار حوالہ کر دیا، تو زید بری الذمہ ہو گیا، لیکن عمرو نے ابھی تک زید کو اس کا دینار حوالے نہیں کیا

(۱) نصب الرایۃ (۵۶/۳) کذا فی فتح القدیر (۲۶۱/۶)

(۲) حوالہ بالا۔

شرعی نقطہ نظر سے

ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ عمرو کے ذمہ ابھی تک زید کا ایک دینار واجب ہے، تو زید جو صاحب حق ہے، اس نے عمرو سے اس مجلس میں کہا، یہ دینار میں نے تمہیں ہبہ کر دیا، یا میں نے تمہیں صدقے کے طور پر دیا، یا میں نے تمہیں اس سے بری کر دیا، اس ابراء، یا ہبہ یا صدقے کا تعلق ”ثمن الصرف“ سے ہے، جو ایک دینار ہے۔

اب دو صورتیں ہیں:-

۱- اگر عمرو نے کہا کہ میں نے یہ ہبہ یا صدقہ یا ابراء قبول کیا، اس صورت میں عمرو بری الذمہ ہو جائے گا، لیکن بیع صرف باطل ہو جائے گی، کیونکہ ایک جانب سے قبضہ نہیں پایا گیا۔

۲- لیکن اگر عمرو نے اس کو قبول نہیں کیا، تو اس صورت میں ابراء وغیرہ باطل ہو گیا، اور بیع صرف علیٰ حالہ باقی ہے، کیونکہ یہاں ابراء وغیرہ فسخ عقد کے معنی میں ہے، گویا کہ زید اس عقد کو فسخ کرنا چاہتا ہے، اور عمرو اس پر راضی نہیں ہے، اور فسخ شرعاً ایک طرفہ درست نہیں، اس میں جائین کی رضامندی ضروری ہے، اب اگر دوسری جانب سے بھی افتراق سے قبل دینار پر قبضہ پایا جائے، تو بیع صرف درست ہو جائے گی۔

استبدال

مثال مذکور میں اگر عمرو زید کو دینار کے بدلے میں کپڑا دیدے، تو اس کو قبضہ نہیں کہا جائے گا، اور یہ سمجھا جائے گا، کہ قبضہ ابھی تک ہوا نہیں، لہذا استبدال باطل ہوگا، اور بیع صرف علیٰ حالہ باقی ہوگا، اگر افتراق سے قبل زید نے دینار پر قبضہ کر لیا، تو یہ عقد درست ہو جائے گا۔

مقاصہ (Set off)

مقاصہ کے معنی برابری کے ہیں، یعنی برابر برابر کرنا، پھر مقاصہ کی دو قسمیں ہیں:-

۱۔ مقاصہ جبریہ (Compulsory)

۲۔ مقاصہ اختیاریہ (Voluntary)

مقاصہ جبریہ (Compulsory)

مقاصہ جبریہ کا مطلب یہ ہے کہ عاقدین چاہیں یا نہ چاہیں، خود بخود مقاصہ ہو جاتا ہے، مثلاً زید کے عمرو پر ایک سو دینار ادھار ہیں، اب کسی معاملے میں عمرو کے زید کے پاس ایسے ہی ایک سو دینار آگئے، تو ان دونوں کے درمیان خود بخود مقاصہ ہو جائے گا، اور دونوں کا دین ساقط ہو جائے گا، زید و عمرو اس پر راضی ہوں یا نہ ہوں، اب اگر دونوں دینوں کی مقدار ایک ہو، تو ایک دوسرے سے مطالبہ بالکل ساقط ہو جائے گا، اور اگر دونوں مقدار میں برابر نہ ہوں، تو کمی بیشی کو برابر کیا جائے گا۔

لیکن مقاصہ جبریہ میں ضروری ہے کہ:-

۱- ہر شخص ایک دوسرے کی نسبت سے دائن (Creditor) بھی ہو، اور مدین

(Debtor) بھی ہو۔

۲- دونوں دین جنس، نوع، صفت، اور کیفیت میں مماثل ہوں، جنس ایک ہو

مثلاً دونوں زر ہوں، نوع ایک ہوں مثلاً دونوں ورہم ہوں، صفت اور کیفیت ایک ہوں، مثلاً دونوں کھرے یا دونوں کھوٹے ہوں۔ مقاصہ میں کمیت (مقدار) کا ایک ہونا ضروری نہیں۔

مقاصہ اختیاریہ (Optionaly)

مقاصہ اختیاریہ جو اصحاب حق کی باہمی رضامندی سے ہو، مثلاً زید کا عمرو کے

ذمہ دس دینار واجب ہیں، اور عمرو کا زید کے ذمہ ایک من گندم ہے، اب دونوں اس بات پر راضی ہو گئے کہ ہم ان دونوں کا مقاصہ کرتے ہیں کہ زید اپنا حق چھوڑے اور عمرو اپنا حق چھوڑے، تو یہ جائز ہے۔

جب یہ تمہید سمجھ میں آگئی تو اب اصل مسئلے کی تفصیل یہ ہے کہ:-

مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک دینار کے بدلے میں دس درہم بیچے، تو ذرا ہم دینا زید کے ذمہ واجب ہے، اور دینار دینا عمرو کے ذمہ واجب ہے۔

زید ۱۰ درہم سے دینار عمرو

عمرو نے زید کو دینار دے دیا، اور دس درہم ابھی زید کے ذمہ عمرو کے لئے واجب ہیں، لیکن عمرو کے ذمہ زید کے بھی کسی اور معاملے میں درہم واجب الاداء ہو گئے:-

زید ۱۰ درہم صرف سے ۱۰ درہم (کسی اور معاملے میں) اور ایک دینار عمرو

اب دونوں مقاصد کرنا چاہتے ہیں، تو کیا مقاصد ہو سکتا ہے؟
تین صورتیں ہیں:-

۱- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف سے قبل کسی وجہ سے واجب ہو چکے تھے، اس صورت میں یہ مقاصد استحساناً درست ہوگا، اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ مقاصد درست نہ ہو، کیونکہ ایک جانب قبضہ نہیں پایا گیا، اور یہ مقاصد اختیار یہ ہوگا، یعنی اگر دونوں مقاصد کرنا چاہیں، تو کر سکتے ہیں، ورنہ نہیں۔

۲- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف کے بعد کسی قبض مضمون (قبضہ جو موجب ضمان ہو مثلاً غصب وغیرہ) کے ساتھ واجب ہو گئے، مثلاً عمرو نے زید سے دس درہم غصب کئے، اس صورت میں جبری مقاصد ہوگا۔

۳- عمرو کے ذمہ زید کے دس درہم عقدِ صرف کے بعد کسی عقد کی وجہ سے واجب ہوں، مثلاً عمرو نے زید سے دس درہم میں کپڑا خریدا اب یہ دس درہم عمرو کے ذمہ اس عقدِ بیع کی وجہ سے زید کے لئے واجب الاداء ہیں، اس صورت میں جبری مقاصد تو بالاتفاق جائز نہیں، البتہ باہمی رضامندی سے اگر یہ دونوں مقاصد کرنا چاہیں، تو صحیح روایت کے مطابق دونوں مقاصد کر سکتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ پہلی اور تیسری صورت میں مقاصد اختیار یہ ہوگا، اور دوسری صورت

میں مقاصد جبریہ ہوگا۔^(۱)

تمائل / مماثلت (Similarity)

تمائل یا مماثلت کے معنی ”برابری“ کے ہیں، بیچ صرف میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب عوضین ہم جنس ہوں، مثلاً دینار کے مقابلے میں دینار یا درہم کے مقابلے میں درہم کی بیچ ہو رہی ہو، تو اس صورت میں کسی ایک جانب کسی قسم کی کوئی زیادتی جائز نہیں، خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو، اور اس سلسلے میں جید (عمدہ) اور ردی (گھٹیا) برابر ہیں، برتن کی شکل میں ہوں، زیور کی صورت میں ہوں، ڈلی کی شکل میں ہوں، یا سکہ کی شکل میں ہوں، کیونکہ اس سلسلے میں وارد احادیث مطلق ہیں، وہ اطلاق کی وجہ سے تمام صورتوں کو شامل ہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

”الذهب بالذهب والفضة بالفضة (الی ان قال:) مثلا بمثل

سواء بسواء یدا یدا فاذا اختلفت هذه الاصناف فبیعوا

کیف شئتم اذا كان یدا یدا بیدا۔“

”سونا سونا کے مقابلے میں اور چاندی چاندی کے مقابلے میں

..... برابر برابر اور ہاتھ در ہاتھ بیچو، جب یہ قسمیں مختلف

ہو جائیں، تو پھر جس طرح مرضی ہو، بیچو، لیکن اس صورت میں بھی

ہاتھ در ہاتھ بیچنا ضروری ہے۔“^(۲)

البتہ عوضین اگر ہم جنس نہ ہوں، تو اس صورت میں تماثل ضروری نہیں، مثلاً ایک جانب درہم ہے، اور دوسری جانب دینار ہے، تو اس صورت میں تفاضل (زیادتی) جائز

(۱) البحر الرائق (۳۲۲/۶) فتح القدیر (۲۵۸/۶) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲۳۹/۳)

(۲) رواہ البخاری فی کتاب البیوع باب ۸، ۸۱، ۸۲، و مسلم فی کتاب المساقاة حدیث ۷۶،

۸۱، ابوداؤد فی کتاب البیوع باب ۱۲، ۱۷، الترمذی فی کتاب البیوع باب ۳۲-۳۳،

ہے، جیسا کہ حدیث مذکور میں اس کی صراحت ہے کہ جب اقسام مختلف ہوں، تو جیسی مرضی ہو فروخت کیا کرو، البتہ تقابض اس صورت میں بھی ضروری ہوگا۔

اس شرط پر متفرع چند اہم مسائل

$$۱- ۲ \text{ درہم} + \text{دینار} = ۲ \text{ دینار} + \text{درہم}$$

یہ معاملہ جمہور احناف کے نزدیک جائز ہے، کیونکہ اس میں :-

$$\text{دو درہم} = \text{دو دینار اور ایک دینار} = \text{ایک درہم}$$

جنس مختلف ہونے کی وجہ سے اس میں کمی بیشی جائز ہے۔

$$۲- ۱۱ \text{ درہم} = ۱۰ \text{ درہم} + \text{دینار}$$

یہ عقد درست ہے، کیونکہ اس میں :-

$$۱۰ \text{ درہم} = ۱۰ \text{ درہم اور درہم} = \text{دینار}$$

دس درہم دس درہم کے مقابلے میں آ کر مساوات ثابت ہوگئی اور ایک

درہم ایک دینار کے مقابلے میں آیا، جس میں جنس مختلف ہونے کی وجہ سے مساوات

ضروری نہیں۔

$$۳- ۱۰ \text{ درہم} = ۹ \text{ درہم} + \text{دوسری کوئی چیز (یا)}$$

$$۱۰ \text{ دینار} = ۹ \text{ دینار} + \text{دوسری کوئی چیز}$$

اس کی تین صورتیں ہیں :-

۱- ”دوسری چیز“ کی قیمت ایک درہم (پہلی مثال میں) یا ایک دینار (دوسری

مثال میں) کے برابر ہے۔

۲- ”دوسری چیز“ کی قیمت ایک درہم یا ایک دینار سے کم ہے۔

۳- ”دوسری چیز“ کی کوئی قیمت نہیں۔

پہلی صورت میں یہ عقد بلا کراہت جائز ہے، دوسری صورت میں کراہت کے

ساتھ جائز ہے، اور تیسری صورت میں یہ عقد درست ہی نہیں۔

اس دوسری صورت میں یہ حیلہ ممکن ہے کہ ایک جانب جو سونا یا چاندی زائد ہے، اس کو اس ”دوسری چیز“ کے مقابلے میں رکھا جائے، تو خلاف جنس ہونے کی وجہ سے کوئی کراہت نہ ہو، لیکن اس کے باوجود یہ صورت مکروہ قرار پائی، کیونکہ اگر اس کی اجازت دی جائے، تو لوگ اس کو ربا الفضل کے جواز کے لئے ایک حیلہ بنا لیں گے، اور اس طرح ربا الفضل کا دروازہ کھل جائے گا، چنانچہ حضرت امام محمدؒ سے جب اس صورت کے بارے میں پوچھا گیا کہ:-

کیف تجده فی قلبک ؟
”آپ دل میں یہ صورت کیسی ہے؟“

تو انہوں نے فرمایا:-

مثل الجمل----

”پہاڑ کی طرح“ (۱)

خیار شرط (Optional Condition)

اس کو سمجھنے سے قبل خیار کی مشہور قسموں کا مختصر تعارف ضروری ہے، تو یاد رکھنا

چاہئے کہ خیار کی تین مشہور قسمیں ہیں:-

۱۔ خیار شرط

۲۔ خیار رؤیت

۳۔ خیار عیب

خیار کی تعریف

خیار (Option) کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

(۱) الهدایة مع فتح القدیر (۶/۲۶۷ تا ۲۷۱)

”حق العاقد فی فسخ العقد او امضاءه لظهور مسوغ شرعی

او بمقتضى اتفاق عقدی۔“

”فسخ عقد یا تمفیذ عقد کا وہ حق جو عاقد کو اس وقت حاصل ہوتا ہے،

جب معاملے میں کوئی شرعی مجوز ظاہر ہو جائے، یا کسی ایسے معاہدے

کی وجہ سے جو عقد میں ہوا ہوتا ہے۔“^(۱)

خيار شرط

اس میں اضافت مسبب کی سبب کی طرف ہے، یعنی وہ خيار جو شرط کی وجہ سے

حاصل ہوتا ہے، یعنی اگر یہ شرط نہ ہوتی، تو یہ خيار بھی حاصل نہ ہوتا۔^(۲)

خيار شرط کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”ان يشترط في العقد او بعده الخيار لاحد المتعاقدين

او كليهما في فسخ العقد و امضاءه“

”عقد میں یا بعد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کے لئے فسخ عقد یا تمفیذ

عقد کی شرط لگائی جائے۔“

یعنی خيار شرط کا مطلب یہ ہے کہ عقد میں کسی ایک عاقد یا دونوں کا اس بات کا

اختیار دیا جائے کہ اگر وہ چاہے یا چاہیں، تو اس عقد کو اتنے دنوں میں فسخ کرے یا کریں، اور

یا اس کو نافذ کرے یا کریں، اب اس شرط کی بنیاد پر جس کو اختیار حاصل ہو، وہ مقررہ مدت

کے اندر اس شرط کے مطابق اپنا اختیار استعمال کر سکتا ہے، چاہے تو اس عقد کو ختم کرے، اور

چاہے، تو اس کو نافذ کرے، مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں تم سے یہ گھڑی خریدتا ہوں لیکن

مجھے تین دن کا اختیار ہے گا۔

(۱) الخيار واثره في العقود، ابو غده (الدكتور عبد الستار ابو غده)، الكويت، مطبعة

مقهوى، طبع دوم ۱۳۰۵ (۱۳۳/۱)

(۲) حوالہ بالا (۱۹۴/۱)

خیار شرط کے لئے مدت مقرر کرنا ضروری ہے، اور یہ مدت امام صاحبؒ کے نزدیک زیادہ سے زیادہ تین دن ہیں، اور حضرات صاحبینؒ کے نزدیک تین دن سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔^(۱)

خیار رؤیت

اس میں بھی اضافتِ سیبہ ہے، یعنی وہ خیار جو رؤیت کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو، بلکہ عدم رؤیت کی وجہ سے حاصل ہو۔
خیار رؤیت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

”حق یثبت به للمتملك الفسخ او الامضاء عند رؤية محل

المعین الذی عقد علیہ ولم یرہ۔“

”وہ حق ہے جس کی وجہ سے مالک بننے والے کو فسخ یا تنفیذ کا اختیار حاصل ہوتا ہے، جب وہ اس معین محل کو دیکھا جائے جس پر عقد پر واقع ہو، اور اس کو دیکھا نہ ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نے جو چیز کو نہ دیکھا ہو، اور بن دیکھے اس کو خریدے، تو دیکھنے کے بعد مشتری کو اختیار ہوتا ہے کہ چاہے تو اس عقد کو باقی رکھے، اور چاہے تو اس عقد کو نافذ کرے۔

خیار عیب

یعنی وہ خیار جو عیب کی وجہ سے مشتری کو حاصل ہو۔^(۲)

اور خیار عیب کی تعریف یہ ہے:-

”ماثبت بسبب نقص یخالف ما التزمه البائع عرفا فی زمان

ضمانہ۔“

(۱) حوالہ بالا (ص ۱۰۳)

(۲) فتح القدیر ۲/۲

”جو ایسے نقصان کی وجہ سے حاصل ہو، کہ جس کا بائع نے زمانہ ضمان

میں عرفاً التزام کیا ہو، اس کے خلاف ہو۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ بائع نے اس بات کو التزام کیا ہے کہ وہ مشتری کو صحیح سالم شئی دے گا، لیکن بیع میں کوئی ایسا نقص نکل آتا ہے، جو اس بائع کے التزام کے خلاف ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ بائع کا التزام باقی نہ رہا لہذا وہ ضامن ہوگا۔^(۱)

ان تینوں خیارات میں عقد خطرہ میں رہتا ہے، یعنی فسخ بھی ہو سکتا ہے، اور نافذ بھی ہو سکتا ہے۔

اب اصل مسئلہ یہ ہے کہ ”بیع صرف“ میں یہ تینوں خیارات جاری ہو سکتے ہیں یا نہیں؟ تو خوب سمجھنا چاہئے کہ بیع صرف میں چونکہ مجلس عقد میں عوضین پر قبضہ کرنا ضروری ہوتا ہے، اس لئے اس میں خیاری شرط کا تصور بھی نہیں ہو سکتا، یعنی زید عمرو سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تم سے دینار کے بدلے میں دینار یا درہم خریدتا ہوں، لیکن مجھے یا ہم دونوں کو تین دن تک فسخ یا تنفیذ کا اختیار رہے گا۔

البتہ خیاری عیب عقد صرف میں جاری ہو سکتا ہے، کہ دونوں عوضین پر قبضہ کریں، تو ظاہر ہے کہ بیع ہوگئی، اور عقد مکمل اور حتمی ہو گیا، اور ملکیت منتقل ہوگئی، لیکن بعد میں کسی ایک جانب میں عیب نکل آیا کہ مثلاً درہم میں کھوٹ غالب تھا، تو اب اس کو خیاری عیب حاصل ہوگا، اور اسی طرح خیاری رویت بھی بیع صرف کے لئے مضر نہیں ہے، لیکن بیع صرف میں جہاں مقابلہ ذکر کا ذکر کے ساتھ ہو، یعنی تعیین سے متعین نہ ہوتے ہوں، تو اس میں خیاری رویت کا تصور نہیں ہو سکتا، کیونکہ یہاں عقد کا تعلق عین سے ہے نہیں، تو رویت کا کوئی فائدہ بھی نہیں، البتہ اگر زیور ہو، یا برتن ہو، یا ڈلی ہو، جو تعیین سے متعین ہوتی ہے، تو وہاں خیاری رویت کا رگر ہوگا۔^(۲)

(۱) الخیار واثرة عن الخطاب علی الخلیل (۳۲۷/۳) (۳۴۷/۲)

(۲) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲۴۸/۳)

فائدہ:- اگر بیع صرف میں عاقدین میں سے دونوں یا کسی ایک کے لئے خیار شرط رکھا گیا، تو عقد فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر اسی مجلس میں اس خیار کو ختم کر دیا، اور جانین سے مجلس میں قبضہ پایا گیا، تو عقد دوبارہ درست ہو جائے گا، لیکن اگر خیار کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہوگئی، تو اب فساد پکا ہو جائے گا، بعد میں اگر خیار ساقط بھی کیا جائے، تو اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔^(۱)

اجل (Deferred Payment)

یہ بھی بیع صرف کی عدلی شرائط میں سے ہے، یعنی اس کا نہ ہونا بیع صرف کی صحت کے لئے ضروری ہے، اور اس کے ہونے سے بیع صرف باطل ہوگی، اور اس کی وجہ بالکل ظاہر ہے، کیونکہ بیع صرف میں جب عوضین پر قبضہ ضروری ہوا، تو اگر کسی ایک جانب ثمن مؤجل ہو، تو مجلس عقد میں قبضے کا تحقق نہیں ہوگا، اس وجہ سے بیع صرف کسی بھی جانب اجل کو قبول نہیں کرتی۔

واضح رہے کہ ”اجل“ کا تعلق عام بیوعات میں ثمن سے ہوتا ہے، عام بیوعات اس لئے کہا کہ بیع سلم میں اجل کا تعلق بیع (Subjet Matter) سے ہوتا، اور صرف میں عوضین میں ہر ایک بیع بھی ہے، اور ثمن بھی ہے، لہذا جانین کے کسی بھی ثمن اجل کو قبول نہیں کرے گا۔

www.KitaboSunnat.com

خیار شرط کی طرح اگر معاملہ مؤجل ہوا، لیکن اسی مجلس میں اجل کو ساقط کر دیا گیا، اور تقابض پایا گیا، تو اس صورت میں بیع صرف درست ہو جائے گی، اور اگر تقابض کے بغیر مجلس برخاست ہوئی، تو یہ فساد مستحکم ہو جائے گا، اور بعد میں اجل ساقط کرنا کارگر نہیں ہوگا۔ خلاصہ یہ کہ بیع صرف کے معتبر ہونے کے لئے ان چار شرطوں کا وجود اور عدماً ہونا نہایت ضروری ہے، یعنی تقابض اور تماشل کا وجود ہونا ضروری ہے، اور خیار شرط اور اجل کا عدماً ہونا ضروری ہے۔

(۱) الفقہ الاسلامی وادلتہ (۲: ۱۳۸)

چند اہم متفرق مسائل

۱- یہ قاعدہ ہے کہ جن اشیاء کی بیع میں تفاضل جائز ہوتا ہے، ان میں مجازفہ (تولے ناپے بغیر اندازہ سے) بھی جائز ہوگا، اور جن اشیاء میں تفاضل اور زیادتی جائز نہیں، ان میں مجازفہ بھی جائز نہیں، اور یہ قاعدہ چاروں مذاہب میں متفق علیہا ہے، لہذا سونے کی سونے کے ساتھ بیع یا چاندی کی چاندی کے ساتھ بیع یا گندم کی گندم کے ساتھ بیع مثلاً مجازفہ حرام ہے۔ لیکن چاندی کی سونے کے ساتھ یا گندم کی جو کے ساتھ بیع مجازفہ درست ہے۔

۲- اگر کسی نے مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ مجازفہ بیچا، تو یہ ناجائز ہے، لیکن اگر پھر اسی مجلس میں دونوں کو تولو لگیا، اور دونوں برابر تھے، تو استحساناً یہ عقد درست ہو جائے گا، اور اگر مجلس برخاست ہوگئی، اور اس کے بعد دونوں کو تولو اور دونوں برابر نکلیں، تو اس صورت میں یہ عقد بدستور فاسد ہی رہے گا۔

۳- تلوار تلوار کے مقابلے میں یا تانبے کے کسی برتن کو تانبے کے دوسرے برتن کے ساتھ مجازفہ فروخت ہوا، تو اگر عرف و دستور عدداً فروخت کرنے کا ہو، تو یہ عقد جائز ہے، کیونکہ ”عددی ہونا“ کسی کے نزدیک علتِ ربانیہ نہیں، اور اگر عرف و زنا بیچنے کا ہو، تو اس صورت میں یہ عقد باطل ہے، کیونکہ وزن + جنس علتِ ربا ہے، تو اس میں مجازفت درست نہ ہوگی۔

۴- چاندی میں اگر کھوٹ شامل ہو، یا سونے میں کھوٹ شامل ہو، اور اس کو کسی اور دھات کے ساتھ فروخت کیا، تو دیکھا جائے گا، اگر چاندی غالب ہے، تو یہ خالص چاندی کے حکم میں ہے، اور اسی طرح سونا غالب ہو، تو یہ خالص سونے کے حکم میں ہے، لہذا اس طرح کھوٹ والی چاندی یا سونے کو اپنے ہم جنس کے ساتھ تفاضلاً فروخت کرنا درست نہ ہوگا، اور اگر کھوٹ غالب ہے، تو اس کا حکم عام دھات کا ہے، لہذا جس

دھات کے ساتھ اس کا مقابلہ ہو رہا ہے، وہ اگر اس کا ہم جنس ہو، تو اس عقد میں تقاضی جائز نہ ہوگا، ورنہ جائز ہوگا۔

یاد رہے کہ ان مسائل میں ”برابر“ غالب کے حکم میں ہے، یعنی اگر سونے یا چاندی میں سونا یا چاندی کھوٹ کے برابر ہو، تب بھی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ خالص چاندی یا خالص سونا ہے، اور اس پر وہی چاندی اور سونے کے احکام جاری ہوں گے۔

۵۔ جس تلوار پر چاندی چڑھائی گئی ہو، اس کو ”سیف مَقْضُضٌ“ کہا جاتا ہے، اور جس تلوار پر سونے کا کام ہوا ہو، اس کو ”سیف مُذْهَبٌ“ کہا جاتا ہے، اس قسم کی تلوار کی بیع اگر سونے یا چاندی کے ساتھ ہو، تو اگر تلوار میں لگا زیور ثمن والے زر کے جنس سے مختلف ہو، مثلاً سیف مَقْضُضٌ ہے، اور اس کی بیع سونے کے ساتھ ہوئی، یا سیف مُذْهَبٌ ہے اور اس کی بیع چاندی کے ساتھ ہوئی، تو یہ بیع تو درست ہے، کیونکہ یہاں کمی بیشی جائز ہے، لیکن اگر ہم جنس کے ساتھ ہوا، یعنی تلوار کے زیور اور ثمن والا زر ہم جنس ہیں، تو اس صورت میں دیکھا جائے گا، اگر:-

۱۔ تلوار میں سونا اس سونے سے یا تلوار میں چاندی اس چاندی سے زیادہ ہے، جو ثمن ہے، تو یہ بیع جائز ہے، یعنی ثمن کی مقدار تلوار والے سونے یا چاندی سے زیادہ ہے، تو یہ معاملہ جائز ہے، یہ شکل بنے گی:-

$$\begin{aligned} \text{تلوار کا سونا یا چاندی} &= \text{ثمن کا سونا یا چاندی} \\ \text{بقیہ ثمن} &= \text{تلوار کا نیام وغیرہ} \end{aligned}$$

تلوار میں جتنا سونا یا چاندی ہے، ثمن میں سے اس کی بقدر سونا یا چاندی اس سونے یا چاندی کے مقابلے میں ہو جائے گی، اور ثمن میں سے جو باقی زائد حصہ ہے، وہ تلوار کے نیام وغیرہ کے مقابلے میں آجائے گا، جو مختلف جنس ہیں، تو اس طرح عقد درست ہوگا، اس سلسلے میں حضرات حنفیہ کا ایک مشہور قاعدہ ہے کہ:-

”بیع جب مختلف اشیاء پر مشتمل ہو، جن میں کوئی شی ثمن کی ہم جنس

ہو، اور کوئی شیئِ ثمن کی ہم جنس نہ ہو، تو اس صورت میں ثمن اپنے ہم جنس کے ساتھ لگے گا، اور اس طرح بیع دُرست ہو جائے گی۔“
مثلاً سیف مفضض میں پچاس درہم کی چاندی تھی، اور اس کو سو درہم میں خریدا، یعنی:-

$$\text{سیف} + ۵۰ = ۱۰۰ \text{ درہم}$$

اور مشتری نے ۱۰۰ درہم میں سے صرف ۵۰ درہم ادا کئے، اور پچاس درہم ابھی ادا نہیں کئے، تو یہ معاملہ جائز ہے، کیونکہ اس میں:-

$$۱۰۰ = ۵۰ + ۵۰ \text{ صرف}$$

$$\text{بقیہ } ۵۰ = \text{تلوار} + \text{عام بیع}$$

صرف پچاس درہم تک یہ معاملہ صرف کا ہے، جس میں تقابض پایا گیا، لہذا یہ معاملہ دُرست ہوا، اور تلوار کی حد تک یہ معاملہ عام بیع ہے، جس میں قبضہ ضروری نہیں۔
۶- اسی سیف مفضض کے مسئلے میں اگر پچاس درہم پر قبضہ نہیں پایا گیا، تو ۵۰ = ۵۰ درہم کی حد تک چونکہ یہ معاملہ صرف کا ہے، لہذا عدم تقابض کی وجہ سے پہلا معاملہ باطل ہو گیا، لیکن دوسرا معاملہ جو تلوار کا ہے، اس معاملے میں دُرست ہے، یا نہیں؟ تو اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر:-

الف:- چاندی کو الگ کرنے سے تلوار کو غیر معمولی نقصان پہنچتا ہے، تو تلوار میں معاملہ بھی فاسد ہے، گویا اس صورت میں دونوں معاملے فاسد ہو گئے۔

ب:- لیکن اگر چاندی تلوار سے باسانی الگ ہو سکتی ہے، تو اس صورت میں تلوار کا معاملہ دُرست ہوگا، اور بائع تلوار سے اپنی چاندی الگ کر کے تلوار کو ۵۰ درہم کے بدلے میں مشتری کے حوالہ کر دے گا۔

۷- لیکن اگر مذکورہ مسئلے میں ثمن تلوار والے سونے یا چاندی کے برابر یا اس سے کم ہو، تو اس صورت میں یہ عقد جائز نہ ہوگا، اور اس کا جائز نہ ہونا بالکل ظاہر ہے، کیونکہ اس

میں ربا الفضل ہے۔

۸- ایک بانڈی ہے، جس کی قیمت ایک ہزار درہم ہے، اور اس کے گلے میں ایک ہزار کاہر بھی ہے، اس بانڈی کا سودا دو ہزار درہم میں ہو گیا، پھر مشتری نے صرف ایک ہزار درہم مجلس میں بائع کو ادا کئے، تو یہ عقد درست ہے، کیونکہ:-
 $۱۰۰۰ \text{ درہم} = ۱۰۰۰ \text{ درہم (ہار)}$

بقیہ $۱۰۰۰ \text{ درہم} =$ بانڈی

پہلا معاملہ صرف صرف کا ہے، اور اس میں تقابض پایا گیا، لہذا وہ درست ہوا، اور دوسرا معاملہ عام بیع کا ہے، جس میں تقابض شرط نہیں، اور یہاں دوسرا معاملہ بہر حال درست ہے کیونکہ ہار بانڈی سے الگ کرنا ہر حال میں آسان ہے، بخلاف سیف مفضض کے۔

۹- اسی مسئلے میں اگر ایک ہزار مشتری نے ادا کئے اور ایک ہزار ادھار رکھ لئے، تو اجل کا تعلق صرف سے نہیں ہوگا، لہذا صرف درست ہو جائے گا، اور بانڈی کے مقابلے میں جو ایک ہزار درہم ہیں وہ مؤجل ہیں، جو کہ عام بیع ہے، لہذا وہ مؤجل ہونے کے باوجود درست ہوگی۔

۱۰- ایک اہم مسئلہ یہ ہے کہ چاندی کا ایک برتن ہے، اس کو کسی نے مثلاً ایک سو میں فروخت کیا، پھر مجلس میں ۵۰ پر قبضہ پایا گیا، اور ۵۰ پر نہیں، تو ۵۰ کی حد تک یہ معاملہ درست سمجھا جائے گا، اور ۵۰ کی حد تک نہیں، لہذا یہ برتن بائع اور مشتری کے درمیان مشترک ہوگا۔^(۱)



(۱) الهدایة مع فتح القدیر (۲/۲۱۵)، کنز الدقائق مع البحر الرائق (۲/۳۲۳)، الفقہ الاسلامی وادلتہ (۳/۲۵۶)۔

ضمیمہ (Appendix)

سونے چاندی، اور زیورات کے چند اہم مسائل چونکہ ان مسائل کا ”صرف“ سے گہرا تعلق ہے، اور ان کو ذکر کرنا اس مقام پر مفید ہے، اس لئے ان مسائل کو بعنوان ضمیمہ بیان کئے جاتے ہیں، لیکن اصل مسائل ذکر کرنے سے قبل چند مقدمات بیان کرنا ضروری ہے، تاکہ ان سے اصل مسائل سمجھنے میں آسانی ہو:-

چند ضروری مقدمات

مقدمہ ۱

جب دونوں طرف سونا یا دونوں طرف چاندی ہو، تو لین دین میں ضروری ہے کہ ہاتھ ڈر ہاتھ اور مقدار میں برابر ہو۔ البتہ اگر ایک طرف سونا اور دوسری طرف چاندی ہو، تو مقدار میں کمی بیشی ہو سکتی ہے، لیکن ہاتھ ڈر ہاتھ ہونا اس میں بھی ضروری ہے۔

”الذهب بالذهب مثلاً بمثلًا والفضة بالفضة مثلاً بمثلًا،

والتمر بالتمر مثلاً بمثل والبر بالبر مثلاً بمثل، والملح

بالمح مثلاً بمثل، والشعير بالشعير مثلاً بمثل فمن زاد

او زاد فقد اربى، بیعوا الذهب بالفضة كيف شئتم یدا

بیّد، الحدیث (۱)

(۱) كنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۳۶۶۹۔

”سونے کو سونے کے بدلے میں برابر سراسر پیپو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں برابر سراسر پیپو، کھجور کو کھجور کے بدلے میں برابر سراسر پیپو، گندم کو گندم کے مقابلے میں برابر سراسر پیپو، نمک کو نمک کے بدلے میں برابر سراسر پیپو، جو کو جو کے بدلے میں برابر سراسر فروخت کرو، لیکن جو شخص اضافے کا لین دین کرے، وہ ربا کا معاملہ کرے گا، البتہ سونے کو چاندی کے بدلے میں جس طرح چاہے، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو، اور جو کو کھجور کے بدلے میں جس طرح چاہو، فروخت کرو، بشرطیکہ دست در دست ہو۔“

مقدمہ ۲

جب سونے کا سونے سے یا چاندی کا چاندی سے تبادلہ کیا جائے، تو مقدار کا برابر ہونا واجب ہے اگرچہ ایک طرف سونا چاندی خالص ہو، اور دوسری طرف سونے چاندی میں کچھ کھوٹ ملا ہو۔

عن الشعبي ان عبد الله بن مسعود باگ نفاية بيت المال زيوفاً وقسيانا دراهم دون وزنها فنهاه عمر عن ذلك وقال: اوقد عليها حتى يذهب ما فيها من حديد او نحاس وتخلص ثم بع الفضة بوزنها۔

شعبي کہتے ہیں کہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیت المال کی رڈی یعنی کم وزیادہ کھوٹ ملے دراہم کو کھرے دراہم کے عوض کمتر وزن میں فروخت کیا، تو حضرت عمرؓ نے انہیں اس سے منع کیا، اور فرمایا کہ اس کو آگ پر تپاؤ یہاں تک کہ اس میں ملا ہو الوہا اور تانبہ علیحدہ ہو جائے اور خالص چاندی رہ جائے، پھر اس کو برابر وزن

کی چاندی کے عوض فروخت کرو۔“ (۱)

محمد بن سیرین قال: خطب عمر بن الخطاب فقال: الا ان الدرهم بالدرهم والدينار بالديناعينا بعين سواء بسواء مثلاً بمثل فقال له عبدالرحمن بن عوف: تزييف علينا اور اقنا فنعطى الخبيث وناخذ الطيب فقال عمر: لا، ولكن ابتع بها عرضاً فاذا قبضته وكان لك فبعه واهضم ماشئت وخذ اى نقد شئت۔

محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ نے خطبہ دیا اور کہا کہ خبردار درہم کی بیع درہم کے عوض اور دینار کی بیع دینار کے عوض میں نقد و نقد اور برابر برابر ہونی چاہئے، عبدالرحمن بن عوفؓ نے پوچھا کہ ہماری چاندی کھوٹی ہو جاتی ہے، ہم گھٹیا چاندی دے کر (کم مقدار میں) عمدہ چاندی عوض میں خرید لیتے ہیں، حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ یہ جائز نہیں، البتہ اپنی گھٹیا چاندی کے عوض کچھ سامان خرید لو، جب تم اس پر قبضہ کر لو، اور وہ تمہارا ہو جائے، تو اس کو فروخت کر دو۔“ (۲)

مقدمہ ۳

ہمارے موجودہ رواج میں روپیہ دھات کے سکے کا نام ہے، یہ سکہ ایسے ہی جیسے پچیس پیسے یا پچاس پیسے کے سکے ہوتے ہیں، دس روپے کے کاغذ کا نوٹ دھات کے روپے کے سکے کا متبادل ہے، قیام پاکستان سے قبل روپے کا سکہ چاندی کا ہوتا تھا، لیکن

(۱) اعلاء السنن، العثمانی، (علامہ ظفر احمد العثمانی) کراتشی، ادارۃ القرآن والعلوم

الاسلامیة (۲۹۸/۳۱)

(۲) ایضاً

موجودہ دور میں روپے کا چاندی یا سونے کا تعلق نہیں ہے، اس لئے یہ فلوس یعنی تانبے کے سکوں کے حکم میں ہے، جب روپیہ چاندی کا ہوتا تھا اس وقت اس سے متعلق احکام اور تھے، اور اب جب وہ تانبے پیتل کا ہے، اس کے احکام مختلف ہیں۔

مقدمہ ۴

سونے چاندی کے روپوں کے عوض اُدھار خرید و فروخت جائز ہے، لیکن سودے کے وقت ایک جانب سے قبضہ ضروری ہے۔

”وفی شرح الطحاوی : لو اشترى مائة فلس بدرهم وقبض
الفلوس او الدرهم ثم افترقا جاز البيع لانهما افترقا عن
عين بدین۔“

”اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو
فلس خریدیں، اور فلوس یا درہم پر قبضہ کر لیا، اور پھر دونوں الگ
الگ ہو گئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلے میں
عین کا سودا کر کے جدا ہو گئے۔“^(۱)

”سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسئبة فاجاب بانہ
يجوز اذا قبض احد البدلين لما في البزازية:

”علامہ حانوتیؒ سے فلوس کے بدلے سونے کو اُدھار فروخت کرنے
کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز ہے،
بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر کوئی شخص
سو فلس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب سے قبضہ کافی
ہے، فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کو بیچا۔“

(۱) فتح القدیر (۲/۴۸۶)

علامہ سرحسی کا زحجان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:-

وإذا اشتری الرجل فلوساً بدراهم ونقد الثمن ولم تكن
الفلوس عند البائع فالبيع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن
كالنقود، وقد بينا ان حكم العقد في الثمن
وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها في ملك بائعها
لصحة العقد كما لا يشترط ذلك في الدراهم والدنانير۔

”جب ایک آدمی دراهم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن
(دراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز
ہے، کیونکہ فلوس رائج نقد کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے
ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا
بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں،
جیسا کہ یہ دراهم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“^(۱)

چونکہ روپے بھی فلوس کے حکم میں ہے، لہذا مندرجہ بالا عبارات کی روشنی میں
سونے چاندی کی خرید و فروخت روپے کے عوض میں جائز ہے، البتہ یہ شرط ہے کہ ایک
جانب سے مال پر قبضہ جدا ہونے سے پہلے کر لیا جائے، دونوں طرف ادھار ہو، تو یہ جائز
نہیں، خواہ کتنی ہی تھوڑی مدت کے لئے ہو، کیونکہ اس صورت میں یہ بیع الکالی بالکالی کے حکم
میں ہوگا، اور اس سے احادیث میں ممانعت آئی ہے۔

عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ: ان النبی ﷺ نہی عن

بیع الکالی بالکالی

”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ

(۱) المیسوط للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دارالمعرفة، طبع

۱۴۱۴ھ (۲۳/۳)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادھار کی ادھار کے عوض بیع سے منع فرمایا ہے۔^(۱)

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید و فروخت

سونے کے زیور کی سونے کے عوض اور چاندی کے زیور چاندی کے عوض خرید و فروخت کی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا جائز نہیں۔

”عن ابی رافع قالم مربی عمر بن الخطاب ومعہ ورق فقال : اصنع لینا اوضاحا لصبی لنا، قلت: یا امیر المؤمنین عندی اوضاح معمولۃ فان شئت اخذت الورق واخذت الاوضاح فقال عمر مثلابمثل، فقلت: نعم فوضع الورق فی کفة المیزان والاضاح فی الكفة الاخری فلما استوی المیزان اخذ باحدی یدیہ واعطی بالآخری۔“

”ابو رافع کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطابؓ میرے پاس آئے، آپ کے پاس چاندی تھی، اور کہا کہ ہماری ایک بچی کے لئے پازیب بنا دو، میں نے کہا کہ اے امیر المؤمنین! میرے پاس بنے ہوئے پازیب رکھے ہیں، آپ چاہیں تو چاندی میں لے لیتا ہوں، اور آپ پازیب لے لیں، حضرت عمرؓ نے پوچھا، برابر وزن دینے میں تیار ہو، میں نے کہا جی ہاں، تو حضرت عمرؓ نے چاندی ترازو کے ایک پلڑے میں رکھی، اور پازیب دوسرے میں، جب ترازو سیدھی

(۱) الدرادیۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ للعسقلانی (شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن حجر العسقلانی المتوفی ۵۸۵۲ھ) المکتبۃ الاثریۃ شیمخویورہ پنجاب (۱۵۷/۱)

ہوگئی، تو اپنے ایک ہاتھ سے پازیب کو لیا، اور دوسرے ہاتھ سے چاندی پکڑائی۔“
(معانی الآثار)

”عن ابی رافع انه قال لعمر انی اصوغ الذهب فابيعه بوزنه واخذ عمالة یدی اجرا قال لا تبع الذهب بالذهب الا وزنا بوزن والفضة بالفضة الا وزنا بوزن ولا تاخذ فضلا۔“

”ابورافع سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں سونے کو ڈھالتا ہوں، یعنی اس کا زیور بناتا ہوں، اور اس کو اتنے ہی وزن کے سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور ساتھ ہی میں اپنی مزدوری لیتا ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: سونے کو سونے کے عوض میں اور چاندی کو چاندی کے عوض میں مت فروخت کرو مگر برابر سراز اور زائد مت لو۔“

”عن ابی رافع مولی رسول اللہ ﷺ قال: احتجنا فاحذت خلخال امرأتی فی السنة التی استخلف فیها ابوبکر فلقینی ابوبکر فقال ما هذا فقلت: احتاج الحی الی نفقة فقال ان معی ورقا ارید بها فضة فدعا بالمیزان فوضع الخلخالین فی کفة ووضع الورق فی کفة فشف الخلخالین نحو امن دانق فقرضه، فقلت: یا خلیفة رسول اللہ ﷺ هو لك حلال، فقال: یا ابارافع انک ان احللتہ فان اللہ لا یحلہ سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: الذهب بالذهب وزنا بوزن والفضة بالفضة وزنا بوزن الزائد والمستزید فی النار۔“

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام ابورافع کہتے ہیں کہ جس سال حضرت ابوبکر صدیقؓ خلیفہ بنے، اس سال ہمیں ضرورت

لاحق ہوئی، تو میں نے اپنی بیوی کا پازیب لیا، راستے میں حضرت ابو بکر صدیقؓ ملے، تو انہوں نے پوچھا کہ یہ کیا ہے میں نے جواب دیا کہ گھر والے خرچے کے محتاج ہو گئے ہیں، اس پر حضرت ابو بکرؓ نے کہا: میرے پاس چاندی کے سکے ہیں، میں ان کے بدلے چاندی کا زیور لینا چاہتا ہوں، پھر انہوں نے ترازو منگوائی اور دونوں پازیب ایک پلڑے میں رکھے، اور چاندی دوسرے پلڑے میں، پازیب ایک دانق کے بقدر وزن زائد ہو گئے، تو حضرت ابو بکرؓ نے پازیب میں سے اتنی چاندی توڑ دی، میں کہا کہ اے رسول اللہ کے خلیفہ! یہ آپ کے لئے حلال ہے، تو حضرت ابو بکر صدیقؓ نے فرمایا: ابورافع! اگر تم اس کو حلال کرو، تو اللہ اس کو حلال نہیں کرتے ہیں، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ سونے کو ہم وزن سونے کے عوض فروخت کرو، اور چاندی کو ہم وزن چاندی کے عوض فروخت کرو، زائد وزن دینے والا اور زائد وزن لینے والا جہنم میں ہوں گے۔“

”عن مجاہد انه قال : كنت مع عبد الله بن عمر ف جاءه صائغ فقال يا ابا عبد الرحمن اني اصوغ الذهب ثم ابيع الشئى من ذلك باكثر من وزنه فاستفضل من ذلك قدر عمل يدى فنهاه عبد الله بن عمر فجعل الصائغ يردد عليه المسئلة وعبد الله ينهاه حتى انتهى الى باب المسجد او الى دابته يريد ان يركبها ثم قال عبد الله : الدينار بالدينار والدرهم بالدرهم لافضل بينهما هذا عهد نبينا المينا وعهدنا اليكم۔“

”حضرت مجاہدؒ کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس تھا کہ ایک ساربان کے پاس آیا اور کہا کہ اے ابو عبدالرحمن! میں زیور بناتا ہوں، پھر اس کو زائد سونے کے عوض فروخت کرتا ہوں، اور زائد وزن اپنی مزدوری کے بقدر طے کرتا ہوں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اس کو اس طرح کرنے سے منع فرمایا، ساربار بار اپنا سوال دہراتا رہا اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ بار بار اس کو منع کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ مسجد کے دروازے تک آئے یا اپنی سواری تک آئے جس پر ان کو سوار ہونا تھا، پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ دینار کو دینار کے عوض اور درہم کو درہم کے عوض فروخت کرو، مگر کسی طرف زائد نہ ہو، اسی کی تعلیم ہمیں ہمارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دی اور اسی کی تعلیم ہم تمہیں دیتے ہیں۔“

”عن عطاء بن یسار ان معاویة بن ابی سفیان باع سقایة من ذهب او ورق بأكثر من وزنها فقال له ابو الدرداء سمعت رسول الله ﷺ ينهى عن مثل هذا الامثلا بمثل فقال له معاویة : ما اری بمثل بذا باسا فقال ابو الدرداء : من یعدنی من معاویة انا اخیرة من رسول الله ﷺ ویخبرنی عن رایہ لا اساکنک بارض انت بها ثم قدم ابو الدرداء علی عمر بن الخطاب فذکر له ذلك فکتب عمر الی معاویة الا یبیع مثل ذلك الامثلا بمثل وزنا بوزن۔“

”عطاء بن یسارؒ کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن ابی سفیانؓ نے سونے یا چاندی کا کٹورا اس سے زائد وزن کے عوض میں فروخت کیا، تو ان سے حضرت ابو درداءؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کو اس جیسے سودے سے منع کرتے ہوئے سنا ہے، اَللّٰہِ کہ برابر برابر وزن کے ہوں، جو اب میں حضرت معاویہؓ نے ان سے کہا کہ میں تو اس میں کچھ حرج نہیں پاتا، اس پر حضرت ابودرداءؓ نے کہا کہ کون مجھے معاویہؓ سے معذور رکھتا ہے میں ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات بتاتا ہوں، اور یہ مجھے اپنی رائے بتلاتے ہیں، پھر حضرت معاویہؓ سے کہا کہ جس جگہ آپ ہوں گے تو وہاں آپ کے ساتھ نہیں رہوں گا، پھر حضرت ابودرداءؓ حضرت عمر فاروقؓ کے پاس (مدینہ منورہ) چلے آئے، اور ان سے ساری بات ذکر کی، تو حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت معاویہؓ کو لکھا ایسے سودے نہ کرو، مگر ہم وزن اور برابر برابر۔“ (الکلی ماخوذ من اعلاء السنن ۱۳/۲۸۹، ۲۸۸)

نتیجہ

ان تمام آثار و روایات سے یہ بات اچھی طرح واضح ہوگئی کہ سونے کے تیار زیور کو زائد سونے کے عوض میں اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے عوض میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اس اضافے کو مزدوری کا نام دیا جائے، اس اضافے کو مزدوری کے طور پر لیا جائے۔

آج کل بھی مسئلہ یہی ہے کہ سونے کے تیار زیور کو زیادہ سونے اور چاندی کے تیار زیور کو زائد چاندی کے بدلے میں فروخت کرنا جائز نہیں، اگرچہ اضافہ مزدوری کے طور پر ہو، بلکہ مزدوری کی صورت یہ ہے کہ بجائے سونے یا چاندی میں اضافہ کرنے کے نقد رقم لی جائے، جسے بنوائی کہتے ہیں۔

تفریحات

۱- ایک سنا اپنے یہاں کچھ زیور تیار کرتا ہے جس میں ۲۲ کیرٹ کا سونا لگاتا

ہے، گنہگار وغیرہ لگاتا ہے، پھر اس زیور کو دکاندار کے پاس فروخت کرنے کے لئے لے جاتا ہے، دکاندار اس زیور کو پسند آنے پر اپنے یہاں رکھ لیتا ہے، پھر مزدوری تو اسی وقت یا کچھ دن کے بعد دے دیتا ہے، اور زیور کے وزن کے مساوی خالص سونا کچھ دن بعد یکمشت یا قسطوں میں ادا کرتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ جس میں کچھ کچھ کھوٹ ملا ہو، لیکن کھوٹ مغلوب ہو، یعنی سونے کی مقدار سے کم ہو، اس کی خرید و فروخت میں اس کا حکم وہی ہوتا ہے جو خالص سونے کا ہوتا ہے جیسا کہ اوپر مقدمہ ۱ میں گزرا۔ اور اس میں چونکہ دونوں طرف سونا ہے، اس لئے اس کی ادھار بیع ناجائز ہے، جیسا کہ مقدمہ ۱ میں گزرا۔

اس کی متبادل جائز صورت یہ ہے کہ دکاندار سنا سے زیور ادھار روپوں میں خرید لے، اور پھر قیمت یکمشت یا قسطوں میں ادا کرے، یہاں ادھار جائز ہے، کیونکہ ایک طرف سونا ہے، جو ثمنِ خلقی ہے، اور دوسری طرف کرنسی ہے جو ثمنِ عرفی ہے، جس کا لین دین بیعِ صرف نہیں، لہذا اس میں ادھار جائز ہے، بشرطیکہ زیور پر قبضہ ہو جائے، تاکہ بیع الکالی باکالی لازم نہ آئے۔

۲- سنا حضرات دکاندار سے آرڈر لے کر یا خود اس کے آرڈر دینے پر اپنے سونے سے مختلف چیزیں بنا کر اسے دے دیتے ہیں، وہ اسے مزدوری اسی وقت یا بعد میں جب سنا کو ضرورت ہو دے دیتا ہے، اور سونا جب سنا کو ضرورت ہو، اور وہ مطالبہ کرے، اس وقت یکمشت یا تھوڑا تھوڑا کر کے دیتا ہے، کیا یہ صورت جائز ہے؟

جواب یہ ہے کہ یہ صورت بھی ناجائز ہے، کیونکہ یہ سونے کی سونے کے عوض بیع ہے، اور اس میں ادھار ہو رہا ہے، جو بیعِ صرف ہونے کی وجہ سے ناجائز ہے، اس کا بھی متبادل طریقہ وہی ہے، جو نمبر ۲ میں گزر چکا۔

۳- بہت سے لوگ اپنی رقم لگا کر مکمل زیورات تیار کرنے کا کام کرتے ہیں، ان زیورات میں اصلی جواہرات یا نقلی گنہگارے ہوئے ہوتے ہیں، کچھ زیورات بغیر گنہگاروں

کے ہوتے ہیں یعنی سادہ ہوتے ہیں، تیار زیورات عام طور پر بنانے والے دکانداروں کے ہاتھ فروخت کرتے ہیں، ان کے لین دین کا مروجہ طریقہ یہ ہے کہ تمام زیورات کل وزن کی بنیاد پر فروخت کئے جاتے ہیں۔

کل وزن کے بدلے خالص سونا لیا جاتا ہے، اور مزدوری بھی وزن کے حساب سے مقرر ہوتی ہے، عام طور پر فروخت کرنے والے کو خالص سونا اور رقم حاصل ہوتی ہے، اس کا تصور یہ ہے کہ کل وزن کے بدلے جو خالص سونا مل رہا ہے، وہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونا اس کی چھجٹ اور گینوں کی قیمت کے عوض ملتا ہے، اور نقد رقم مزدوری کے بدلے مل رہی ہے، واضح رہے کہ مزدوری کی رقم کا تعین گینوں کی عمدہ یا ناقص اقسام اور کام کی عمدہ بناوٹ اور خوبصورتی کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ تو کیا ملاوٹ شدہ سونے کے بدلے خالص سونا لینا اور گینوں کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ پہلے تو یہ بات معلوم کر لینا ضروری ہے کہ سنار اپنا زیور دکاندار کے ہاتھ فروخت کر رہا ہے، دکاندار کے سونے کے دکاندار کا مطلوبہ عمل نہیں کر رہا، لہذا مزدوری کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ حقیقت میں مزدوری نہیں ہے بلکہ زیور کی قیمت ہی کا ایک حصہ ہے۔

مثلاً پانچ تولے جڑاؤ زیور کے بدلے پانچ تولے سونا اور دو ہزار روپے مزدوری کے نام جو طے ہوئے ہوں، تو درحقیقت پانچ تولے جڑاؤ زیور کی قیمت پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوئی۔

اب اگر زیور جڑاؤ ہے اور گینے جڑے ہوئے ہیں، اور اس میں ملاوٹ شدہ سونا مثلاً تین تولہ ہو، اور گینوں کا وزن دو تولہ ہو، تو بشرطیکہ دونوں طرف لین دین نقد و نقد ہو، یا کم از کم زیور کے ساتھ ساتھ اس میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے وزن کے مقابل خالص سونے پر بھی قبضہ جدا ہونے سے پہلے ہو جائے، تو یہ سودا درست ہے کیونکہ زیور میں موجود ملاوٹ شدہ سونے کے مقابلے میں اتنی مقدار میں خالص سونا ہو جائے گا، اور گینوں کے

مقابلے میں دو تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے بن جائیں گے۔

لیکن اگر زیور سادہ ہو، تو پھر یہ معاملہ ناجائز اور سودی ہو جائے گا، کیونکہ اس وقت پانچ تولے سادہ زیور کے مقابلے میں پانچ تولے خالص سونا اور دو ہزار روپے ہوں گے، یہ دو ہزار روپے بلا بدل ہو کر سود بن جائیں گے۔

مینا کاری والے زیورات کی سونے چاندی کے عوض خرید و فروخت

کچھ زیورات پر مینا کاری کی جاتی ہے، مینا ایک خالص قسم کا رنگ دار شیشہ ہوتا ہے، جس کو باریک پیس کر سونے پر چپکایا جاتا ہے، اور نیل بوٹے بنائے جاتے ہیں، ان زیورات کے لین دین میں بھی پورے وزن کے بدلے سونا دیا جاتا ہے، یعنی مینا کاری کا وزن کاٹ کر نہیں دیا جاتا، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ دونوں طرف سے لین دین نقد ہو، ادھار نہ ہو، قیمت میں سے کم سے کم اتنی مقدار کے سونے پر قبضہ ضروری ہے جتنا کہ زیور میں کھوٹ ملا سونا موجود ہے۔

چند مزید مسائل

۱- دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی کو ایک تولہ سونا اور پچاس تولے چاندی کے عوض فروخت کرنا صحیح ہے، اور یوں سمجھیں گے کہ دو تولے سونا پچاس تولے چاندی کے عوض میں ایک تولہ چاندی ایک تولہ سونا کے عوض میں ہے، ایسا ہم اس وقت سمجھیں گے جب خرید و فروخت کرنے والوں نے اپنی زبان سے کچھ اور نہ کہا ہو، اور اگر انہوں نے کہا کہ دو تولے سونا ایک تولے سونے کے عوض میں اور ایک تولہ چاندی پچاس تولے چاندی کے عوض میں ہے، تو اب ان کی تصریح کا اعتبار ہوگا، اور یہ معاملہ سودی ہو جائے گا۔ (سونا، چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، مفتی عبدالواحد، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، لاہور، تاریخ اشاعت ۱۹۹۷ء)۔

۲- اپنی انگوٹھی کسی کی انگوٹھی سے بدل لی، تو دیکھو:

الف:- اگر دونوں پر نگ لگا ہے، تب تو بہر حال یہ بدل لینا جائز ہے، چاہے دونوں کی چاندی یا دونوں سونا برابر ہو یا کم زیادہ، سب دُرست ہے، البتہ ہاتھ در ہاتھ ہونا ضروری ہے۔

ب:- اور دونوں بے نگ ہوں، تو برابر ہونا ضروری ہے، اگر ذرا کمی بیشی ہوگی ہو، تو سود ہو جائے گا۔

ج:- اگر ایک پر نگ ہو، اور دوسری سادی ہو، تو اگر سادی میں زیادہ چاندی ہو یہ بدلنا جائز ہے ورنہ حرام اور سود ہے، اسی طرح اگر اسی وقت دونوں طرف لین دین نہ ہو، ایک نے تو ابھی دے دی، دوسرے نے کہا کہ میں ابھی تھوڑی دیر میں فلاں جگہ سے آ کر دے دوں گا، تو یہ بھی ناجائز ہے۔ (بہشتی زیور)

۳- ایک (چاندی کا) کا مدار دوپٹہ یا ٹوپی وغیرہ دو تولے چاندی کے عوض خریدی گئی، تو دیکھیں گے کہ اس دوپٹے یا ٹوپی میں کتنی چاندی لگی ہے، اگر اس میں مثلاً پانچ تولے چاندی کا کام ہوا ہے، تو پانچ تولے چاندی تو اسی وقت دینا ضروری ہے، اور باقی پانچ تولے چاندی بعد میں بھی دے سکتے ہیں۔

یہی حکم جڑاؤ زیور وغیرہ کی خرید کا بھی ہے، مثلاً جڑاؤ زیور جس میں دو تولے چاندی ہے، پانچ تولے چاندی کے عوض خریدا، تو خریدار پر لازم ہے کہ وہ دو تولے چاندی تو اسی وقت دے دے، قیمت کے باقی تین تولے بعد میں بھی دے سکتا ہے۔^(۱)

چند ناجائز صورتوں کی متبادل جائز صورتیں

۱- کھوٹی اور خراب چاندی دے کر اچھی چاندی خریدنا ہے، اور اچھی چاندی وزن میں کھوٹی کے برابر نہیں مل سکتی، تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ پہلے خراب چاندی روپوں میں فروخت کی جائے، اور جو رقم ملے، اس پر قبضہ کرنے کے بعد اس سے اچھی چاندی خریدی جائے۔^(۲)

(۲، ۱) بہشتی زیور اتھانوی (مولانا اشرف علی) کراچی، دارالاشاعت آرام باغ، (ص ۳۹۵)۔

۲- اگر کوئی ایسی چیز ہے کہ چاندی کے علاوہ اس میں کچھ اور بھی لگا ہے، مثلاً جوشن (بازوبند) کے اندر لاکھ بھری ہوئی ہے، اور نوٹوں پر ننگ جڑے ہیں، انگوٹھیوں پر نگینے رکھے ہیں یا جوشنوں میں لاکھ تو نہیں ہے، لیکن تاگوں میں گندھے ہوئے ہیں، ان چیزوں کو چاندی کے عوض خریدا، تو دیکھو اس چیز میں کتنے وزن چاندی ہے، قیمت کی چاندی کے برابر ہے یا اس سے کم ہے یا زیادہ ہے، اگر قیمت کی چاندی سے اس چیز کی چاندی یقیناً کم ہو، تو یہ معاملہ جائز ہے، اور اگر برابر یا زیادہ ہو، تو سود ہوا، سود سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ قیمت کی چاندی زیور کی چاندی سے کم رکھو اور قیمت میں باقی روپے شامل کر دو، مثلاً دونوں طرف پانچ پانچ تو لے چاندی ہو، تو قیمت کی چاندی کو پانچ تو لے سے کچھ کم کر دو مثلاً ساڑھے چار تو لہ کر دو اور قیمت میں آدھا تو لہ چاندی کے بجائے کچھ روپے مثلاً پچاس روپے ملا لو، تو یہ معاملہ جائز ہو جائے گا۔^(۱)

۳- اگر سونے یا چاندی کا زیور یا برتن سونے چاندی کے عوض خریدا، اور اس وقت قیمت دینے کے لئے نہیں ہے، یا اُدھار کرنا مقصود ہے، تو اس کے جائز ہونے کا طریقہ یہ ہے کہ فروخت کنندہ سے اتنا سونا یا چاندی قرضہ لے لو، اور اس قرض سے قیمت کی ادائیگی کر دو، پھر قرض بعد میں اُتار دو۔^(۲)

نیارا (زر گروں کی مٹی) کی خرید و فروخت کا مسئلہ

زر گروں کی مٹی جس میں سونے یا چاندی کے ذرات شامل ہوتے ہیں، اور بعض لوگ اس کو خرید کر اس میں سے سونا چاندی علیحدہ کر لیتے ہیں، اس سے متعلق چندا ہم مسائل درج ذیل ہیں:-

۱- روپوں کے عوض میں اس مٹی کی خرید و فروخت جائز ہے۔

۲- مخالف جنس کے عوض بھی خرید و فروخت ہر طرح سے جائز ہے، مثلاً سونے کی

(۲، ۱) بہشتی زیور اتھانوی (مولانا اشرف علی) کراچی، دارالاشاعت آرام باغ، (ص ۳۹۵)۔

مٹی چاندی نے عوض اور چاندی کی مٹی سونے کے عوض اگرچہ دونوں طرف کے وزن میں فرق ہو، جائز ہے، البتہ ہاتھ ڈر ہاتھ لین دین ضروری ہے۔

۳- سونے کی مٹی سونے کے عوض میں اور چاندی کی مٹی چاندی کے عوض صرف اسی وقت جائز ہے جب دونوں طرف سونے چاندی کا وزن یکساں ہو، اور لین دین بھی ہاتھ ڈر ہاتھ ہو، اگر کسی طرف بھی سونا یا چاندی زیادہ ہو، تو بیع دُرست نہیں، خالص سونے چاندی کا وزن بھی مٹی میں ملے سونے چاندی سے زیادہ نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس مٹی کی اپنی کچھ قیمت نہیں ہوتی، لہذا اس کے مقابلے میں سونے چاندی میں کچھ کو قیمت کے طور پر نہیں سمجھا جائے گا۔

پُرانے زیور سے نئے زیور کا تبادلہ

۱- گاہک پُرانا مال لاتا ہے، تو اس کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اور نئے مال کی قیمت علیحدہ مقرر کی جاتی ہے، اس میں جو فرق ہوتا ہے، صرف اس کا لین دین کر لیا جاتا ہے، تبادلے میں بسا اوقات ایسی صورت بھی پیش آتی ہے کہ مثلاً پُرانے مال کا کل وزن ۶ تولہ ہوتا ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر ہوتی ہے، اور نئے مال کا وزن ۴ تولہ ہوتا ہے، اور قیمت پندرہ ہزار روپے مقرر طے ہوتی ہے، یعنی صرف مال کا تبادلہ ہوتا ہے، نقد روپوں کا کوئی دخل نہیں ہوتا، واضح رہے کہ پُرانے مال کا وزن ہمیشہ زیادہ ہوتا ہے، یہ طریقہ ناجائز ہے۔

۲- اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ صورت ناجائز ہوگئی، تو پُرانے زیور

کے نئے زیور سے تبادلے کی جائز صورت کیا ہوگی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ جو عام فہم اور آسان طریقہ ہے وہ یہ ہے کہ دکاندار گاہک سے روپوں میں اس کا پُرانا زیور خرید لے، اور گاہک کو روپے ادا کر دے، اس کے بعد گاہک جو نیا زیور خریدے اس کی قیمت اس سے وصول کر لے، اس کے لئے دکاندار کو

صرف اتنا اہتمام کرنا پڑے گا کہ اپنے پاس نقدی کی ایک مقدار حاضر رکھنی پڑے گی، لیکن یہ کوئی مشکل بات نہیں۔

اگر زیور کا زیور سے تبادلہ کرنا ہو، تو مندرجہ ذیل چند اصول کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے:-

الف:- اگر دونوں طرف زیور سادہ ہو، اور ڈکاندار کا زیور گاہک کے زیور کے وزن کے مساوی ہو، یا اس سے وزن میں کم ہو، اور ڈکاندار مزید گاہک سے کچھ لینا چاہتا ہو، تو اپنے زیور کے ساتھ (Immitation) کی مثلاً بالیاں ساتھ کر دے۔

اور اگر ڈکاندار کا زیور گاہک کے زیور سے زیادہ وزن کا ہے، تو ڈکاندار گاہک سے زائد روپے بھی لے سکتا ہے۔

ب:- اگر زیور جڑاؤ ہو، تو ہر طرح سے زیور کا زیور کے بدلے تبادلہ جائز ہوگا، اس وقت ایک طرف کا زائد سونا بمعہ روپے کے (اگر ہو) دوسرے کے گینوں کی قیمت ہو جائے گی، ایسا دونوں طرف سے سمجھا جائے گا۔

ج:- اگر ایک طرف سادہ زیور ہو اور دوسری طرف جڑاؤ ہو، اور ڈکاندار گاہک سے مزید لینا چاہتا ہو تو:-

۱- اگر جڑاؤ زیور ڈکاندار کا ہو، اور سادہ زیور گاہک کا ہو، تو خواہ گاہک کے زیور کا سونا ڈکاندار کے زیور میں موجود سونے سے کم ہو یا زیادہ ہو، یا اس کے برابر ہو، ہر صورت میں زائد روپے لینا جائز ہے۔

۲- اگر سادہ زیور ڈکاندار کا ہو، اور جڑاؤ گاہک کا ہو، تو اگر گاہک کے زیور میں سونا ڈکاندار کے سونے سے کم ہو، تو ڈکاندار گاہک سے روپے لے سکتا ہے، اور اس کے زیور میں موجود مساوی سونا ہو، یا زائد ہو، تو ڈکاندار گاہک سے مزید روپے نہیں لے سکتا۔

پیشگی سودا لیکن دین بیک وقت

۱- آج سونے کا بھاء مثلاً دس ہزار روپے فی تولہ ہے، سودا بھی کریں، مال تھوڑی

دیر بعد ملے گا، ادائیگی جس وقت مال ملے گا فوری ہوگی، ادائیگی کے وقت تک اکثر بھاؤ میں کمی بیشی ہو جاتی ہے، ایسی صورت میں ادائیگی کے وقت جو بھاؤ ہے اس کے مطابق ادائیگی ہوگی یا طے شدہ بھاؤ سے ہوگی، اس سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یہ طریقہ اگر بیع کے طریقے پر ہو، تو ناجائز ہے، کیونکہ یہ دین کے عوض دین کی بیع ہے، جو ممنوع ہے، البتہ اگر اس کو وعدے کے طریقے پر کیا جائے، تو صحیح ہو سکتا ہے، یعنی فریقین آپس میں یہ وعدہ کر لیں کہ فلاں دن ہم یہ بیع کریں گے، اور پھر اس وقت یعنی لین دین کر لیا جائے، جس قیمت کا آج وعدہ کیا ہے، لین دین کے وقت اسی کا اعتبار ہوگا، اور باہمی رضامندی سے چاہیں، تو قیمت میں کمی بیشی بھی کر سکتے ہیں۔

۲- اس کے علاوہ مختلف طریقوں سے سودے کئے جاتے ہیں، مثلاً:-

الف:- یہ کہ سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے دس پندرہ روپے فی تولہ سے کم یا زیادہ لیا جائے گا، لیکن مال اگلے روز ملے گا، اور ادائیگی مال ملنے پر کل ہی کی جائے گی۔
 ب:- سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے ۲۵ روپے تولہ کم یا زیادہ ہوگا، لیکن مال سات دن کے اندر اندر فروخت کرنے جب چاہے خریدار کے حوالے کرے گا، اور ادائیگی اسی وقت کرنا ہوگی۔

ج:- سونے کا بھاؤ موجودہ بھاؤ سے مزید کچھ کم یا زیادہ لیا جائے گا، مگر شرط یہ ہے کہ سودا ابھی طے کریں، لیکن مال سات دن کے اندر اندر خریدنے والا جب چاہے منگوا سکتا ہے، ادائیگی مال ملنے پر فوراً ہوگی۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ تمام سودے زبانی ہوتے ہیں، اور کوئی گواہ بھی نہیں ہوتا، مندرجہ بالا معاہدوں میں کسی ایک فریق کی طرف سے انکار کی صورت میں بھاؤ کا فرق مانگ لیا جاتا ہے، معاملے کے یہ تمام طریقے ناجائز ہیں، اور کسی ایک فریق کے انکار پر دوسرے کا اس سے بھاؤ کا فرق لینا کھلا سود ہے۔

ٹانکے کا مسئلہ

زیور بنانے کے لئے سونے کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو جوڑ کر مختلف چیزیں تیار کی جاتی ہیں، جوڑنے کے لئے ٹانکا استعمال ہوتا ہے جو کہ ضروری ہے، ٹانکے کی تفصیل یہ ہے کہ وہ ایسا سونا یا ایسی دھات ہو جو زیور کے سونے سے پہلے پگھل جائے، اور دو ٹکڑوں کو آپس میں جوڑ دے۔

ٹانکے بنانے کے لئے سونے میں مزید ملاوٹ کرنی پڑتی ہے جو زیورات کو جوڑنے کے بعد ان میں موجود رہتی ہے، کاریگر حضرات سے جب زیورات لئے جاتے ہیں، تو مکمل وزن کر کے لئے جاتے ہیں، اور ان کے بدلے پورا سونا دیا جاتا ہے، نظریہ یہ ہوتا ہے کہ ٹانکے کے بدلے کا سونا زیور بنانے کی چھجیت کے طور پر دیا جاتا ہے۔

ٹانکے کی دوسری قسم بھی ہے، کاڈیم (Cadmium) ایک قسم کی دھات ہے جس کی تھوڑی سی مقدار سونے میں ملانے سے حسب ضرورت ٹانکے حاصل ہو جاتا ہے، زیور بنانے کے لئے بہت سے لوگ مذکورہ ٹانکے استعمال کرواتے ہیں، اور چھجیت کی مد میں مقررہ شرح سے کاریگر کو اضافی سونا دیتے ہیں۔

ٹانکے کے بدلے خالص سونا لینا جائز ہے، لیکن مذکورہ تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ کہ زیور اور ٹانکے کے بدلے خالص سونا اتنے ہی وزن کا لیا جاتا ہے، اور مزدوری اس کے علاوہ ہوتی ہے، چونکہ ڈکاندار کاریگر کو اپنا سونا دے کر زیور نہیں بنوا رہا ہے بلکہ کاریگر کو زیور کے بدلے سونا دے رہا ہے، لہذا یہ زیور کی سونے کے عوض میں بیچ ہے، جس میں برابری اور نقد در نقد ہونا ضروری ہے، اور وزن جب دونوں طرف کا برابر ہو گیا، تو مزدوری بلا عوض ٹھہرے گی، اور سود بن جائے گی، لہذا یہ سود روپوں میں ہونا چاہئے، ورنہ معاملہ سود کا ہو جائے گا اور سود کا گناہ ہوگا۔

اگر بغیر ٹانکے لگائے زیور تیار ہو سکتا ہے پھر بھی کوئی اپنے فائدے کے لئے

مناسب حد تک ٹانگہ لگائے، کیا یہ جائز ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ سناٹا ٹانگے کے مقابلے میں خالص سونا لیتا ہے، لہذا جہاں ٹانگے کی ضرورت ہو، وہاں تک تو جائز ہے، اور اگر ضرورت نہ ہو، تو ٹانگہ لگا کر گاہک یا ڈکاندار کو جہاں ٹانگے کی ضرورت نہیں ہے وہاں ٹانگے کی ضرورت ظاہر کر کے دھوکا دیتا ہے جو مسلمان کی شان کے خلاف ہے، اس لئے مذکورہ صورت ناجائز ہے۔

چھچھت (Wastage)

یہ ایک مُسلمہ حقیقت ہے کہ زیور بنانے کے ہر مرحلے میں سونا گھٹتا ہے، یعنی ضائع ہوتا ہے یہ ضیاع سونے کے باریک باریک ذرات کی شکل میں ہوتا ہے، جن کو مکمل طور پر جمع نہیں کیا جاسکتا، اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے بازار میں لوگوں نے اس گھٹت کی شرحیں مقرر کر دی ہیں مثلاً کاریگر اگر ایک تولے کا زیور بنا کر دیتا ہے، تو اس کو اس پر ایک ماشہ چھچھت دی جاتی ہے، یعنی ایک ماشہ اضافی سونا دیا جاتا ہے۔

الف:- کاریگر کو زیور بنانے کے دوران جو سونا گھٹنے کی صورت میں نقصان ہوتا ہے، اس کی مقدار کبھی مندرجہ بالا شرح سے کچھ زیادہ ہوتی ہے، اور کبھی کچھ کم ہوتی ہے۔ اگر زیور بنانے میں اس کے پاس سونا کم گھٹتا ہے، تو اس کو کچھ سونا بیچ جاتا ہے اور اگر گھٹت مقررہ شرح سے زیادہ ہوتی ہے، تو نقصان ہوتا ہے، مگر چھچھت اس کو مقررہ شرح کے مطابق ہی دی جاتی ہے، واضح رہے کہ ایک زیور بنانے میں کل کتنا سونا گھٹتا ہے، اس کا پورا پورا حساب رکھنا مشکل ہے۔

ب:- چھچھت کی مقررہ شرحوں میں ایک بات یہ بھی ہے کہ بہت سے زیورات ایسے بھی ہوتے ہیں جن میں گھٹت بالکل نہیں ہوتی، مگر دی جاتی ہے۔

ج:- اور کچھ زیور ایسے بھی بنتے ہیں جن میں گھٹت ہوتی ہے مگر چھچھت نہیں دی جاتی، اب ان صورتوں کا شرعاً کیا حکم ہے؟

ہم نے اس مسئلے پر خاصاً غور کیا، تو معلوم ہوا کہ چھبجٹ کا مسئلہ بذاتِ خود کوئی پیچیدہ مسئلہ نہیں ہے، اس مسئلے کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں:-

پہلی صورت

کارگیر نے اپنے سونے سے زیور بنایا اور دکاندار کے ہاتھ فروخت کیا، پھر یا تو کل روپوں کے عوض میں فروخت کیا، یا اس کے عوض سونا لیا۔
سونے کے عوض فروخت کرنا

کارگیر نے مثلاً تین تولے زیور بنایا، تقریباً تین ماشے چھبجٹ ہوئی، تو کارگیر کو یہ تین تولے تین ماشے کا پڑا، مزدوری کے دو سو روپے فی تولہ ہوئے، سونا پانچ ہزار روپے تولہ ہو تو کل لاگت ۱۶۸۵۰ روپے ہوئی، کارگیر ریٹ بتاتے ہوئے دکاندار کو چھبجٹ کی شرح بتا بھی دے، تو دیانت داری کو ملحوظ رکھتے ہوئے بتانے میں کچھ حرج نہیں ہے، البتہ زیور کا سودا کل ۱۶۸۵۰ روپے کے عوض ہو، یوں تفصیل کے ساتھ بل نہ بنائے کہ تین تولے سونے کے ۱۵۰۰۰ روپے اور چھبجٹ کے تین ماشے کے ۱۲۵۰ روپے اور مزدوری کے ۶۰۰ روپے، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ چھبجٹ فی الواقع تین ماشے سے کم ہو اور یوں کارگیر غلط بیانی کا مرتکب ہو جائے۔

اگر ایسا زیور ہو جس میں گھٹت نہیں ہوتی مگر دی جاتی ہے تو اس صورت میں بھی تین تولے کے زیور کی قیمت ۱۶۸۵۰ روپے بتائی جائے، ریٹ بتاتے ہوئے تفصیل کو ذکر کرنے میں کوئی حرج نہیں، لیکن جب دکاندار کارگیر کو کہتا ہے کہ یہ زیور مجھے دے دو، تو اس وقت سودا ۱۶۸۵۰ روپے میں ہونا طے پائے، بہتر ہے کہ دکاندار یوں کہہ دے کہ میں نے ۱۶۸۵۰ روپے میں خریدایا کارگیر یوں کہے کہ یہ میں نے تمہارے ہاتھ ۱۶۸۵۰ روپے میں فروخت کیا، یا یہ میں نے تمہیں ۱۶۸۵۰ روپے میں دیا۔

اگر زیور میں گھٹت ہوتی ہے مگر چھبجٹ نہیں دی جاتی، تو اس صورت میں کل

روپوں میں جو قیمت طے پائے اس کے عوض فروخت کیا جائے۔

غرض کاریگر جب اپنے سونے سے زیور بنائے، تو وہ اس زیور کو جتنا ہے اور جیسا ہے کی بنیاد پر دکاندار کو فروخت کر سکتا ہے۔

سونے کے عوض فروخت کرنا

اگر زیور سادہ ہو اور مثلاً ۲۰ کیرٹ کا ہو، تو اس کو خالص سونے کے عوض فروخت کر سکتا ہے، البتہ یہ ضروری ہے کہ دونوں طرف کا سونا برابر وزن کا ہو، اور لین دین دونوں طرف ہاتھ ڈر ہاتھ ہو، نہ تو ادھار ہو اور نہ ہی چھجیت وغیرہ کے نام پر زائد سونا یا رقم ہو۔ اور اگر زیور جڑاؤ ہو، تو زائد وزن پر بھی فروخت کیا جاسکتا ہے، لیکن زیور میں جتنا سونا ہے اس کے بقدر عوض کے سونے پر قبضہ کرنا آپس میں جدا ہونے سے پہلے ضروری ہے۔

دوسری صورت

کاریگر نے دکاندار کے سونے سے زیور بنا کر دکاندار کو دیا ہو، اس صورت میں چونکہ کاریگر آجیر ہے، اور اس کو اپنے کام کی اجرت ملتی ہے، لہذا چھجیت کا اعتبار کرتے ہوئے اجرت طے کی جاسکتی ہے، البتہ چھجیت کو اجرت کا جزو نہیں بنایا جاسکتا، کیونکہ جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ چھجیت میں کمی بیشی ہوتی ہے، لہذا مجہول مقدار میں ہے، پھر دکاندار کاریگر کو چھجیت کا سونا بہہ کرے۔

www.KitaboSunnat.com

تیسری صورت

یہ ہے کہ دکاندار نے کاریگر کو زیور بنانے کے لئے سونا دیا اور کاریگر نے اپنے سونے سے زیور بنایا، چونکہ اس طرح کا بھی رواج ہے، اس لئے رواج و عرف کو دلیل بنا کر سمجھا جائے گا کہ دکاندار نے اپنا سونا کاریگر کو قرض دیا ہے، اور بنے ہوئے زیور کو قرض میں سے وصول کیا ہے، یہ صورت بھی دوسری صورت کی طرح ہوگی اور دکاندار

چھجٹ کار ایگر کو ہبہ کر دے۔

دُکاندار جب آگے گا ہک کو زیور فروخت کرتا ہے، تو وہ بھی تفصیلی بل بناتے ہوئے پالش یا چھجٹ اور مزدوری ذکر کرتا ہے، اور دُکاندار نے کار ایگر کو ایک تولے پر ایک ماشہ چھجٹ دی ہوتی ہے، جبکہ وہ خود گا ہک سے ڈیڑھ ماشہ چھجٹ وصول کرتا ہے، چونکہ چھجٹ کا ایک خاص مطلب ہے یعنی زیور بناتے ہوئے سونے میں جو گھٹت ہوئی لہذا یہ صحیح نہیں کہ دُکاندار اپنے گا ہک کو چھجٹ میں واقع سے زیادہ مقدار بتائے، وہ اپنی مزدوری یا نفع کے نام سے عوض لے سکتا ہے، مثلاً تین تولے سونا ہے اور تین ماشہ چھجٹ ہے، تو ایک صورت تو یہ ہے کہ دُکاندار تین تولے سونا اور ساڑھے چار ماشہ چھجٹ لگائے اور مزدوری کے ڈیڑھ ہزار روپے لگائے، اور دُوسری صورت یہ ہے کہ وہ تین تولے سونا اور تین ماشہ چھجٹ اور ۲۱۲۵ روپے مزدوری کے لگائے، نتیجہ ایک ہی ہے، لیکن پہلی صورت میں غلط بیانی ہوگی کہ بجائے ایک ماشہ تولے کے ڈیڑھ ماشہ تولے چھجٹ لگائی، متبادل جائز طریقے کو اختیار کرنا کچھ مشکل نہیں۔

سونے چاندی کے کاروبار میں بعض مروج جدید طریقے

پہلا طریقہ

آج کل فاریکس (Forex) اور کامیکس (Comex) کے نام سے کاروبار کرنے والی نئی کمپنیاں وجود میں آئی ہیں، اس کاروبار کی جو تفصیلات سامنے آئی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کاروبار کی وہ تمام تر صورتیں جو عام طور سے اختیار کی جاتی ہیں ناجائز ہیں۔

کاروبار کا طریقہ کار

ایک شخص دس ہزار ڈالر کمپنی میں جمع کرا کے اس سکیم کا زکن بن سکتا ہے، کمپنی والے پھر اس کی رہنمائی کرتے ہیں کہ وہ کب اور کونسی کرنسی یا جنس خریدے لے کہ جس کو بعد میں فروخت کر کے نفع کی امید کی جاسکتی ہے، ہر کرنسی یا شی کی خرید کی کم سے کم مقدار مقرر

کی ہوئی ہے جس کو "لاٹ" (Lot) کہتے ہیں، مثلاً باسٹھ ہزار پانچ سو برطانوی پاؤنڈ کی یا ایک لاکھ پچیس ہزار جرمن مارک کی ایک لاٹ ہوتی ہے، اشیاء میں کپاس، چینی، اور گندم اور زر میں سونا اور چاندی شامل ہے۔ سونے کی لاٹ ایک سواؤنس اور چاندی کی لاٹ پانچ ہزار اونس پر مشتمل ہوتی ہے۔

جب آپ کسی کرنسی یا مذکورہ اشیاء میں سے کسی ایک کی کوئی ایک لاٹ خریدنا چاہیں، اور کمپنی کو اپنا آڈر دیں، تو کمپنی ان جمع دہ دس ہزار ڈالر میں سے دو ہزار ڈالر بطور بیعانہ یا تحفظ کے مختص کر لیتی ہے، اور آڈر مرکزی دفتر کو پہنچا دیتی ہے جو آڈر کی تکمیل کر کے لاٹ کی خرید کی اطلاع دیتا ہے۔

یہ خرید بھی دو طرح کی ہوتی ہے، ایک نقد جس کو "Cash Trading" یا "Spot Trading" کہتے ہیں، اور دوسری مستقبلیات کی بیع ہوتی ہے، جس کو "Future Trading" کہا جاتا ہے، نقد میں تو بیع خریدی ہوئی شی پر فوری قبضہ مل سکتا ہے، جبکہ مستقبلیات میں یہ طے پاتا ہے کہ بائع ایک مقررہ مدت بعد طے شدہ مہینے میں فلاں تاریخ کو وہ لاٹ مہیا کرے گا، قیمت بھی طے کر لی جاتی ہے۔

اس کاروبار میں کمپنی کا کردار

اس کردار کی وضاحت ایک کمپنی (Empire Resources) نے اس طرح کی

ہے:-

The objects for which the Company is established are as follows:

To install equipment operate and provide facilities of communication through monitors and apprtatic link up to as a commission house between the clienets and brokerage house in the various finance trading centres of the world.

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ کمپنی اپنے موکلین اور دنیا کے مختلف تجارتی مراکز

میں موجود دلالوں کے درمیان کمیشن ایجنٹ کے طور پر کام کرتی ہے۔ ہر سودا جو کمپنی کراتی ہے اس پر وہ پیپاس یا ساٹھ ڈالر کمیشن لیتی ہے، خواہ سودے میں موکل کو نفع ہو یا نقصان ہو یا نہ نفع ہو یا نہ نقصان۔

پھر جو لاٹ خریدی، اگر خریداری کے دن ہی فروخت کر دی گئی، تو کمپنی صرف کمیشن وصول کرے گی، اور اگر فروخت میں کچھ دن لگ گئے، تو کمپنی کمیشن کے علاوہ پانچ یا چھ ڈالر یومیہ کے حساب سے سود بھی وصول کرے گی، بعض صورتوں میں موکل کو سود ملتا ہے، Empire Resources کی وضاحت یوں ہے:-

Interest /Premium are paid of charged basing on the number of days for a position trade.

کاروبار کی اقسام

قسم اول Spot/Cash Trading

کمپنی کی اپنی وضاحت کے مطابق وہ اپنے موکلین اور دلالوں کے درمیان رابطہ کراتی ہے، اور کمیشن پر سودے کرواتی ہے، اس صورت میں سودا موکل اور تجارتی مرکز میں موجود دلال کے مابین ہوتا ہے، لیکن چونکہ موکل پوری رقم کی ادائیگی تو کرتا ہے نہیں، لہذا کرنسی اور سونے چاندی کی خرید کی صورت میں سودا دو وجہ سے ناجائز ہے:-

الف: یہ بیع الدین بالدین ہے، بائع اور خریدار دونوں کی طرف سے قرض ہے، کیونکہ نہ تو بائع نے خریدار کو خرید کردہ پر قبضہ دیا، اور نہ ہی خریدار نے قیمت کی ادائیگی کی، اور بیع الدین بالدین ناجائز ہے۔ چنانچہ الدر المختار میں ہے:-

فی الدر المختار: باع فلوسا بمثلها او بدرامہ او بدنائیر فان

نقد احدہما جاز وان تفرقا بلا قبض احدہما لم یجز۔

فلوس فلوس کے بدلے میں فروخت کئے، یا فلوس کو ذرا ہم کے بدلے فروخت کئے، یا ذنانیر کے عوض فروخت کئے، اگر فریقین میں سے

کسی ایک فریق نے ادائیگی کی، تو سودا درست ہے، اور اگر ادائیگی کے بغیر دونوں الگ الگ ہو گئے، تو یہ سودا جائز نہیں۔^(۱)
اس کی وجہ علامہ شامی نے یہ بیان فرمائی:۔

لانه یکون افتراقا عن دین بدین وهو غیر صحیح

کیونکہ یہ دین کے بدلے میں دین ہے، جو درست نہیں۔^(۲)

ب:- خرید پر جتنے دن گزریں گے، خریدار یعنی موکل یومیہ کے حساب سے سود

ادا کرے گا، یہ بھی حرام ہے۔

اور اگر اس کے برعکس ہم یہ فرض کر لیں کہ کمپنی خود لاٹ خرید لیتی ہو، یا اس کے

پاس موجود ہو، تو پھر اس کی دو صورتیں ہیں:۔

الف:- کمپنی اپنے لئے خریدتی ہو اور پھر خود موکل کے ہاتھ فروخت کرتی ہو تو اس

میں مذکورہ دونوں خرابیاں تو ہیں ہی، ان کے علاوہ یہاں کمپنی کمیشن بلا وجہ لے رہی ہے۔

ب:- کمپنی موکل کے لئے خریدتی ہو اور اپنے پاس سے مکمل ادائیگی کر کے بیع پر

قبضہ کر لیتی ہو، اس صورت میں اگرچہ یہ بیع الدین بالمدین تو نہیں بنتی، لیکن سود سے بچاؤ تو

اس میں بھی نہیں۔

قسم ثانی Future Trading

یہ اگرچہ بیع مسلم کی شکل ہے، لیکن اس میں بیع مسلم کی بعض شرائط نہیں پائی جاتیں،

یعنی یہ کہ سودا طے پانے کی مجلس میں رأس المال کی ادائیگی نہیں ہوتی۔

علاوہ ازیں بیع مسلم میں یہ ضروری ہے کہ جب تک مسلم فیہ (خرید کردہ سامان) پر

قبضہ نہ ہو جائے، اس میں کسی قسم کا تصرف نہ کیا جائے، لیکن زیر بحث کاروبار میں اصل یہی

ہے کہ مسلم فیہ پر قبضہ کئے بغیر مہیا کئے جانے کی تاریخ سے قبل ہی اس کو آگے فروخت کر دیا

(۱) الدر المختار (۱۴۹/۵)

(۲) رد المحتار (۱۴۹/۵)

جاتا ہے، الدر المختار میں ہے:-

ولا يجوز التصرف للمسلم اليه في راس المال ولا الرب

السلم في المسلم فيه قبل قبضه بنحو بيع الخ

مسلم اليه کے لئے راس المال میں اور رب السلم کے لئے مسلم فيه

میں قبضے سے قبل خرید و فروخت جیسے تصرفات جائز نہیں۔^(۱)

یہ خرابیاں اس صورت میں ہیں جب خرید کردہ کرنسی یا اجناس و اشیاء ہوں، اور

اگر خرید کردہ چیز سونا یا چاندی ہو، تو اس میں بیع سلم جائز ہی نہیں، کیونکہ بیع سلم مشمن میں ہوتی

ہے، مشمن میں نہیں ہوتی۔ بدائع میں ہے:-

واما السلم في الفلوس عددا فجاز عند ابي حنيفة و ابي

يوسف وعند محمد لا يجوز بناء على ان الفلوس اثمان

عنده فلا يجوز السلم فيها كما لا يجوز السلم في الدراهم

والدنانير۔

جہاں تک فلوس میں عدد کے اعتبار سے سلم کا تعلق ہے، تو یہ حضرات

امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف رحمہما اللہ کے نزدیک جائز ہے، اور امام محمدؒ

کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ فلوس اثمان ہیں، تو ان میں بیع سلم جائز

نہیں ہوگی، جیسا کہ درہم اور دنانیر میں بیع سلم جائز نہیں۔^(۲)

Future contracts are firm commitments to make or accept delivery of a specified quantity and quality of a commodity during as specific month in the future at a price agreed upon at the time the commitments was made . The unique attraction of future contracts is that they offer an efficient and affordable way of participating in the commodities

(۱) الدر المختار (۲۱۸/۵)

(۲) بدائع الصنائع (۲۰۸/۵)

markets without all the complications associated with owning the physical matererial -such as arranging for delivery . Storage and insurance.

Less than three percent of all future contracts traded each year result in delivery of the undrlying commodity. Instead traders genrally offset their futrure positions before their contract muture realizing the profit of loss which is the diference between the initial purchase or sale price and the price of the offsetting transaction.

دوسرا طریقہ: ایک اور مردوجہ صورت

کاروبار کی ایک شکل جو آج کل رائج ہے کہ مثلاً ایک مہینے کے ادھار پر سونے کی ایک مخصوص مقدار مثلاً دس تولے کا سودا کر لیا جاتا ہے، خریدار سونے پر قبضہ نہیں کرتا جب ادائیگی کی تاریخ آتی ہے، تو سونے کے اس دن کے نرخ کو دیکھ لیا جاتا ہے، خرید کے دن اور ادائیگی کے دن کے سونے کے نرخوں میں جو فرق ہوتا ہے، اس کی ادائیگی کر دی جاتی ہے، مثلاً خرید کے دن سونے کا نرخ پانچ ہزار روپے تولہ تھا، ادائیگی کے دن پانچ ہزار ایک سو روپے تولہ ہو گیا تو خریدار بائع سے ایک سو روپے فی تولہ کے حساب سے ایک ہزار روپے وصول کر لے گا، اور اگر نرخ گر کر چار ہزار نو سو رہ گیا تو خریدار بائع کو ایک ہزار روپے دے گا نہ تو مشتری سونے پر قبضہ کرتا ہے نہ بائع قیمت پر قبضہ کرتا ہے بس نرخ میں کمی بیشی سے جو فرق آتا ہے اس کا لین دین کر لیتے ہیں، کاروبار کی یہ شکل بالکل ناجائز اور حرام ہے جیسا کہ مقدمہ ۲۷ میں اس کی وجہ گزر گئی۔^(۱)



(۱) سونے چاندی کے یہ مسائل زیادہ تر رسالہ ”سوننا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام مؤلفہ ڈاکٹر مفتی عبدالواحد“ سے لئے گئے ہیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ لاہور پاکستان۔

باب پنجم

کرنسی اور فلوس کا تبادلہ

بیع صرف اور فلوس

باب چہارم کے شروع میں یہ بات تفصیل سے گزر چکی ہے کہ ”بیع صرف“ کے لئے حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں عوضین کا ثمن خلقی ہونا ضروری ہے، چند عبارات بیع ترجمہ یہاں بھی ملاحظہ ہوں:-
 علامہ حسکفیؒ فرماتے ہیں:-

”وشرعاً بیع الثمن بالثمن ای ماخلق للثمنیة، ومنه

المصوغ جنسا بجنس او بغير جنس۔“

”اور شریعت میں بیع صرف عبارت ہے ثمن کی ثمن کے ساتھ خرید و فروخت سے، یعنی جو خلقی طور پر ثمن ہو، اور اسی سے بنا ہوا برتن بھی ہے، خواہ جنس کا مقابلہ جنس کے ساتھ ہو، یا خلاف جنس کے ساتھ ہو۔“ (۱)

علامہ مرغینانی فرماتے ہیں:-

”سواء كانا يتعينان كالمصوغ اولاً يتعينان كالمضروب،

او يتعين احدهما ولا يتعين الاخر، لا طلاق ماروينا، ولانه

(۱) الدرالمختار للحصكفی شرح تنویر الابصار للتمر تاشی و متن رد المحتار لابن عابدین

المعروف بالشامی (۴۰۲/۷)

ان کان يتعين ففيه شبهة التعيين لكونه ثمنا مخلقةً
 فيشترط قبضه اعتباراً للشبهة في الربا۔“
 ”چاہے عوضین متعین کرنے سے متعین ہوتے ہوں، مثلاً دونوں
 طرف برتن ہوں، یا متعین نہ ہوتے ہوں، مثلاً دونوں طرف سکے
 ہوں، یا ایک عوض متعین ہوتا ہو، اور دوسرا نہ ہوتا ہو، (یہ سب
 صورتیں بیع صرف میں داخل ہیں)، ایک تو حدیث مطلق ہے، اور
 دوسری بات یہ کہ یہ چونکہ خلقی ثمن ہے، تو اس میں تعین کے باوجود
 شبہ پایا جاتا ہے، اس لئے شبہ ربا کی وجہ سے اس میں تقابض کو
 ضروری قرار دیا۔“^(۱)

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، اور
 دوسری طرف بھی سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، یا دونوں طرف ڈراہم یا ڈانائیر ہوں، یا
 ایک طرف ڈراہم یا ڈینار ہو، اور دوسری طرف سونے یا چاندی کا برتن یا زیور ہو، تو یہ تمام
 صورتیں بیع صرف کی ہیں، کیونکہ یہ تمام ثمن خلقی ہیں، لہذا ان تمام صورتوں میں تقابض
 ضروری ہوگا۔

علامہ نسفی فرماتے ہیں:-

”وغالب الغش ليس في حكم الدرهم والدنانير فيصح
 بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج
 عددا او وزنا او بهما ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا۔“
 ”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ ڈراہم یا ڈانائیر کے حکم
 نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز

(۱) الهداية مع الفتح، المرغيناني (شيخ الاسلام برهان الدين ابو الحسن ابوبكر
 المرغيناني المتوفى ۵۹۳ھ) کوئٹہ، پاکستان، مکتبہ رشیدیہ (۶/۲۶۱)۔

ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“ (۱)

اس پر علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:-

”قوله: ”ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا“ یعنی مادامت تروج لانها بالا اصطلاح صارت اثمانا، فمادام ذلك الاصطلاح موجودا، لا تبطل الثمنية لقيام المقتضى۔“

”صاحب ہدایہ کی یہ بات کہ ”یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوتے، کیونکہ یہ اثمان ہیں“ یعنی جب تک مروّج ہوں، کیونکہ یہ لوگوں کی اصطلاح سے اثمان بنے ہیں، سو جب تک یہ اصطلاح باقی رہے گی، اس کی شہینت بھی باقی رہے گی، اس لئے کہ مقتضی موجود ہے۔“ (۲)

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر سونے یا چاندی میں کھوٹ غالب ہو، اور سونا یا چاندی کم ہو، اور وہ مروّج بھی ہو، تو ان کی بیع کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، اگرچہ عوضین ہم جنس کیوں نہ ہوں، لیکن اس کے باوجود یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں لیکن اثمان عرفیہ ہیں۔

اس سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوئی کہ اس میں ثمن کا مقابلہ ثمن کے ساتھ ہے، لیکن چونکہ یہ ثمن خلقتی نہیں، اس لئے اس کو بیع صرف سے نکالا اور اس میں وحدت جنس

(۱) کنز الدقائق مع البحر، النسفی (الامام ابو البرکات عبد اللہ بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدین النسفی المتوفی ۷۱۰ھ) بیروت، دارالکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۸ھ (۳۳۵/۶)۔

(۲) ایضاً۔

کے باوجود تقاض (زیادتی) کو جائز قرار دیا۔

فقہائے حنفیہ کی ان عبارات سے یہ بات صاف طور پر سامنے آتی ہے کہ بیعِ صرف کے لئے صرف ثمن کا ہونا کافی نہیں، بلکہ ضروری ہے کہ وہ ثمنِ خلقی ہو، البتہ ثمنِ خلقی کسی بھی شکل میں ہو سکتا ہے۔

البتہ عدم تعین کے لئے کسی شے کا صرف ثمن ہونا کافی ہے۔

حنا بلہ کی مشہور کتاب ”کشاف القناع“ میں ہے:-

”فصل فی المصارفة، وہی بیع نقد بنقد، اتحد الجنس او
اختلف۔“

”مصارفہ زَر کے مقابلے میں زَر کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ
جنس ایک ہو، یا مختلف ہو۔“^(۱)

یہ حضرات چونکہ تفصیل میں نقدینِ ثمنیہ ذکر کرتے ہیں، اسی طرح ویرہم و دینار یا
سونا چاندی ذکر کرتے ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ہاں بھی بیعِ صرف میں ”نقد“
سے مراد ثمنِ خلقی ہے۔

فقہ شافعی کی مشہور کتاب ”مغنی المحتاج“ میں ہے:-

”النقد بالنقد) والمراد به الذهب والفضة مضروباً مکان او
غیر مضروب۔“

”بیعِ صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں)

اور اس سے مراد سونا چاندی ہے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا نہ
ہو۔“^(۲)

(۱) (۲۵۳/۳)

(۲) مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار احیاء التراث

العربی (۲۲/۲)

اور اسی کتاب میں ہے:-

”تنبیہ: بیع النقد بالنقد من جنسه وغیرہ یسمی صرفاً۔“
 ”نقد کے مقابلے میں نقد کی بیع کو صرف کہتے ہیں، خواہ جنس ایک ہو،
 یا جنس مختلف ہو۔“^(۱)

علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

”والثانیة لا یشرط الحلول والتقابض، فان ذلك معتبر فی
 جنس الذهب والفضة سواء كان ثمنا او كان صرفا او كان
 مكسورا بخلاف الفلوس ولان الفلوس هی فی الاصل من
 باب لا عراض والتمنیة عارضة لها“

”اور دوسری روایت یہ ہے کہ حلول (Cash Payment) اور
 تقابض ضروری نہیں، کیونکہ یہ چیزیں جنس سونا اور چاندی میں معتبر
 ہیں، خواہ وہ کسی قسم اور کسی شکل میں ہو، بخلاف فلوس کے (کہ وہ جنس
 سونا اور چاندی میں سے ہیں نہیں) اور اس لئے بھی کہ فلوس حقیقت
 میں سامان کے قبیل میں ہیں اور ثمنیت تو ان کو عارضی طور پر لاحق
 ہوگئی ہے۔“^(۲)

یہ امام احمد کی دوسری روایت ہے، اس کا حاصل بھی وہی ہے کہ ”صرف“ کے
 لئے ثمن خلقی کا ہونا ضروری ہے۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں:-

”وشرعاً هو بیع النقد بالنقد جنساً بجنس او بغير جنس:
 ای بیع الذهب بالذهب او الفضة بالفضة او الذهب

(۱) حوالہ بالا

(۲) (مجموعۃ الفتاویٰ ۲۹/۳۵۹)

بالفضة مصوغا او نقداً۔“

”اور شریعت صرف نقد کے مقابلے میں نقد کی خرید و فروخت کو کہتے ہیں، خواہ جنس کا جنس کے ساتھ مقابلہ ہو، یا غیر جنس کے ساتھ ہو، یعنی سونا بمقابلہ سونا کے، یا چاندی بمقابلہ چاندی کے یا سونا بمقابلہ چاندی کے، خواہ سکہ کی شکل میں ہو، یا کسی برتن وغیرہ کی شکل میں ہو۔“^(۱)

کتاب ”تطور النقود“ میں ہے:-

”عرف الحنفية الصنف بانه بيع الاثمان بعضها ببعض وارادوا من الاثمان ما كان ثمننا حلقة اى من القدم وهو الذهب والفضة سواء كانا مسكوكين دنانير ودرهم وهى المعروفة بالنقدين او كانا مصوغين كالاقراط والاساور او كانا تبرا وعبر الشافعية والحنابلة عن الثمن بالنقد فقالوا: الصنف بيع النقد بالنقد من جنسه او غيره، ارادوا بالنقد كذلك الذهب والفضة مسكوكين او مصوغين او تبرا والحكم فى المذاهب الثلاثة هو ان الذهب والفضة اذا بيعا بجنسها كذهب بذهب او فضة بفضة وجب الحلول والتمائل والتقاىض (الى قوله:) والتعريف السابق للصنف عند الائمة الثلاثة يفيد انه محصور فى الذهب والفضة اللذين لا يغلب عليهما الغش، فاذا كانت الدرهم مغشوشة ورائجة او كان النقد من الجنين فلوساً رائجة لا يجرى فيها حكم الصنف الخ۔“

(۱) الفقه الاسلامى وادلتها للعلامة الزحيلي (۳/۲۳۶)

”حضراتِ حنفیہ نے بیعِ صرف کی تعریف یہ کی ہے کہ ثمن کو ثمن کے مقابلے میں فروخت کیا جائے۔ اور ان کے نزدیک اثمان سے مراد وہ ہیں جو خلقتِ ثمن ہوں، یعنی زمانہِ قدیم سے، اور وہ سونا اور چاندی ہیں، خواہ سکہ کی شکل میں ہوں ذنائیر اور ذراہم، جو ”نقدین“ کے ساتھ مشہور ہیں، اور یا زیور کی شکل میں ہوں، جیسا کہ بالیاں اور چوڑیاں ہیں، اور یا ڈلی کی شکل میں ہوں، اور شافعیہ اور حنابلہ نے ثمن سے ”نقد“ کے ساتھ تعبیر کی ہے، سوانہوں نے کہا کہ ”صرف“ ”نقد“ کے مقابلے میں نقد کی بیع کو کہتے ہیں، عوضین خواہ ہم جنس ہوں یا نہ ہوں، اور ان کے نزدیک بھی ”نقد“ سے مراد سونا چاندی ہی ہے، خواہ کسی بھی شکل میں ہوں، اور تینوں مذاہب کا حکم ایک ہے، اور یہ کہ سونا اور چاندی کی خرید و فروخت جب جنس کے ساتھ ہو، مثلاً سونے کو سونے کے ساتھ یا چاندی کو چاندی کے ساتھ تو اس صورت میں حلول (ادھار نہ ہونا) تماثل (برابر ہونا) اور تقابض ضروری ہیں..... ائمہ ثلاثہ کی صرف کی مذکورہ تعریف سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف اس سونے اور چاندی میں منحصر ہے، جس میں کھوٹ غالب نہ ہو، لہذا اگر سونا یا چاندی جس میں کھوٹ غالب ہو، یا جانبین سے نقدِ فلوس رانجہ ہوں، تو اس عقد کو عقدِ صرف نہیں کہا جائے گا۔“^(۱)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ ہے کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں عقدِ صرف کے لئے ثمن کا خلفی ہونا ضروری ہے، نیز یہ بھی ضروری ہے کہ کھوٹ کی صورت میں سونا چاندی غالب ہوں۔ اس لئے ”فلوس“ کی بیعِ صرف میں داخل نہیں، بلکہ سونے یا چاندی میں اگر ”غش“

(۱) تطور النقود (ص ۱۴۱، ۱۵۳)

(کھوٹ) غالب ہو، اور بحیثیت سکہ کے یہ سونا یا چاندی رائج ہو، تب بھی اس کی بیع صرف نہیں، جیسا کہ کنز الدقائق کی عبارت سے واضح ہے:-

”وغالب الغش ليس في حكم الدراهم والدنانير فيصح بيعها بجنسها متفاضلا والتبايع والاستقراض بما يروج عددا او وزنا او بهما ولا يتعين بالتعيين لكونها اثمانا۔“

”کھوٹ اگر غالب ہو، تو اس صورت میں یہ ذراہم یا دنانیر کے حکم نہیں ہوں گے، لہذا ان کی ہم جنس کی بیع زیادتی کے ساتھ جائز ہوگی، اور رواج کے مطابق ان کی خرید و فروخت اور قرض کا معاملہ وزن یا عدد کے اعتبار سے درست ہوگا، البتہ یہ متعین کرنے سے متعین نہیں ہوں گے، کیونکہ یہ اثمان ہیں۔“^(۱)

یاد رکھنا چاہئے کہ ”ربا“ ”صرف“ سے مختلف ہے، یہ ہو سکتا ہے کہ ربا کسی صورت میں ہو، اور وہ صرف نہ ہو، مثلاً اگر حطہ (گندم) حطہ کے مقابلے میں تقاضاً بیجا جائے، تو یہ ربا ہے، اور ناجائز ہے، لیکن صرف نہیں، اسی طرح اگر ایک فلس دو فلسوں کے مقابلے میں فروخت کیا جائے، اور غیر معین ہو، تو حنفیہ اور مالکیہ کے ہاں بالاتفاق یہ ربا ہے، اور حرام ہے، لیکن حنفیہ کے ہاں یہ ”صرف“ نہیں، اور صرف نہ ہونے کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر جنس کا غیر جنس کے ساتھ مبادلہ ہو، تو تقاضل جائز ہوگا، خیاب شرط قبول کرے گا، اجل قبول کرے گا، اور تقابض ضروری نہیں ہوگا، بلکہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہوگا، تاکہ بیع الکالی بالکالی نہ ہو، فتح القدر میں مذکور ہے:-

”ان يبيع فلسا بغير عينه بفلسين بغير اعيانهم الا يجوز لان

(۱) کنز الدقائق مع البحر، النسفی (الامام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفی المتوفى ۷۱۰ هـ) بيروت، دارالكتب العلمية، طبع اول

الفلوس الرائجة امثال متساوية قطعاً اصطلاح الناس علی
سقوط قيمة الجودة منها فيكون احدهما فضلاً خالياً
مشروطاً في العقد وهو الربا۔“
”غیر معین فلس کو اگر دو غیر معین فلسوں کے ساتھ بیچا، تو یہ جائز نہیں،
کیونکہ فلس رائجہ امثال متساویہ ہیں کیونکہ لوگوں نے ان میں جودت
کی قیمت کو ساقط کر دیا ہے، تو ایک فلس مشروط طور پر خالی عن العوض
ہو جائے گا، اور یہی ربا ہے۔“^(۱)

اس عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ اگر غیر معین فلس کا غیر معین فلسین کے
ساتھ تبادلہ ہو، تو اس صورت میں یہ معاملہ بالاتفاق حرام ہے، کیونکہ فلس امثال متساویہ ہیں
(یعنی ایک فلس دوسرے فلس کا ہم مثل ہے۔) تو جب ایک فلس دو کے مقابلے میں ہو، تو
ایک جانب میں ایک فلس خالی عن العوض ہوا، اور یہی ربا ہے، تو ربا کی تعریف اس پر صادق
ہے، لہذا یہ صورت حرام ہے، البتہ اگر فلس کو معاملے کے وقت معین کیا جائے، مثلاً یہ کہا
جائے کہ یہ ایک فلس میں تم کو تمہارے ان دو فلسوں کے مقابلے میں فروخت کرتا ہوں، تو
اس صورت میں حضرات شیخین کے نزدیک یہ صورت جائز ہے، کیونکہ تعین سے فلس سامان
کے حکم میں آگئے، اور عروض میں تفاضل جائز ہے، تو فلس میں بھی جائز ہوگا، گویا کہ فلس
لوگوں کی اصطلاح سے ثمن بنا تھا، اور عاقدین کی اصطلاح سے اس کی ثمنیت باطل ہوگئی،
لیکن حضرت امام محمد کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں، کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ جب
فلس اصطلاح سے ثمن بن گیا، تو اب صرف عاقدین کو یہ اختیار حاصل نہیں کہ وہ اس کی
ثمنیت کو باطل کریں، البتہ سارے لوگ اس کی ثمنیت کے بطلان پر متفق ہو جائیں، تو وہ
الگ بات ہے۔

”ربا“ (Interest) کے مسئلے میں علامہ کاسانی فرماتے ہیں:-

(۱) فتح القدير (۱۶۲/۶)

”ویجوز بیع المعدودات المتقاربة من غیر المطعومات
 بجنسها متفاضلاً عند ابی حنیفة و ابی یوسف بعد ان
 یكون یدأبید کبیع الفلوس بالفلسین باعیانہما، وعند
 محمد لا یجوز۔ وجہ قولہ، ان الفلوس اثمان فلا یجوز بیعها
 بجنسها متفاضلاً کالدراہم والدنانیر، ودلالة الوصف عبارة
 عما تقدر به مالیه الاعیان ومالیة الاعیان كما تقدر
 بالدراہم والدنانیر تقدر بالفلوس فكانت اثمانا، ولهذا
 كانت اثمانا عند مقابلتها بخلاف جنسها، وعند مقابلتها
 بجنسها حالة المساواة، وان كانت ثمناً فالثمن لا یتعین
 وان عین کا الدراہم والدنانیر فالتحق التعین فیہما
 بالعدم فكان بیع الفلوس بالفلسین بغير اعیانہما، وذا
 لا یجوز، ولانها اذا كانت اثماناً فالواحد یقابل الواحد فبقی
 الآخر فضل مال لا یقابله عوض فی عقد المعاوضة وهذا
 تفسیر الربا الخ“

”کھانے جانے والی اشیاء کے علاوہ جو اشیاء ”معدودات متقاربة“
 میں سے ہوں، ان کی بیع بجنسہا زیادت کے ساتھ امام ابوحنیفہ اور
 امام ابو یوسف کے نزدیک جائز ہے، لیکن اس میں یہ ضروری ہے کہ
 ہاتھ ڈر ہاتھ ہو، جیسا کہ ایک فلس کے مقابلے میں دو فلسوں کی بیع
 جائز ہے، جبکہ یہ دونوں معین ہوں، اور امام محمد کے نزدیک یہ جائز
 ہیں۔ امام محمد کے قول کی وجہ یہ ہے کہ فلوس اثمان ہیں، لہذا دراہم
 اور دنانیر کی طرح ان کی بیع بجنسہا زیادتی کے ساتھ جائز نہیں، اور
 وصف (ثمنیت) کی دلیل یہ ہے کہ جس چیز سے اشیاء کی مالیت کا

اندازہ کیا جاتا ہے، اور اشیاء کی مالیت کا اندازہ جس طرح ذرا ہم اور
 دنانیر کے ساتھ کیا جاتا ہے، اس طرح فلوس کے ساتھ بھی کیا جاتا
 ہے، لہذا فلوس اثمان ہوں گے، اور یہی وجہ ہے کہ فلوس کا مقابلہ
 جب غیر جنس کے ساتھ ہو، یا جنس کے ساتھ ہو، لیکن دونوں طرف
 مساوی ہوں، تو فلوس کو اثمان قرار دیا جاتا ہے، اور جب جب فلوس
 اثمان ہیں، تو ثمن تعیین سے متعین نہیں ہوتے، جیسا کہ ذرا ہم اور
 دنانیر کا معاملہ ہے، لہذا ان میں ”تعیین“ کا عدم ہوگی، تو اب یہ سمجھا
 جائے گا، کہ یہاں غیر معین فلس کی غیر معین فلسین کے ساتھ بیچ ہوئی،
 اور یہ جائز نہیں، اور اسی لئے بھی کہ جب یہ اثمان ہیں، تو ایک فلس
 ایک فلس کے مقابلے میں آجائے گا، اور ایک فلس عوض سے خالی رہ
 جائے گا، اور یہی ربا کی تفسیر ہے۔“ (۱)

اور ہدایہ میں ہے:-

ویجوز بیع الفلوس بالفلسین اعیانہما عند ابی حنیفة و ابی
 یوسف، قال محمد: لایجوز، لان الثمنیة تثبت باصطلاح
 الكل فلا تبطل باصطلاحهما و اذا بقیت اثمانا لا تتعین
 فصار کما اذا کانا بغير اعیانہما، و کبیع الدرہم بالدرہمین
 ولہما ان الثمنیة فی حقہما تثبت باصطلاحہما اذ لا ولایة
 للغير علیہما فتبطل باصطلاحہما و اذا بطلت الثمنیة
 تتعین بالتعین۔۔۔ فصار کالجوزة بالجوزتین بخلاف
 النقود لانہا للثمنیة حلقۃ۔ (۲)

(۱) بدائع الصنائع، الکاسانی (الامام العلامة علاء الدین ابی بکر بن مسعود الکاسانی)
 کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی، طبع اول ۱۳۲۸ھ
 (۲) الہدایة مع الفتح (۱۶۲/۶)

اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔
 فلس بفلسین کی فتح القدر وغیرہ میں چار صورتیں تحریر ہیں، ان میں سے تین
 صورتیں بالاتفاق حرام اور ناجائز ہیں، اور ایک صورت اختلافی ہے، جس کی تفصیل گزر
 گئی:-

۱-	فلس غیر معین	=	فلسین غیر معینین	حرام اتفاقاً
۲-	فلس معین	=	فلسین غیر معینین	
۳-	فلس غیر معین	=	فلسین معینین	اختلافی ^(۱)
۴-	فلس معین	=	فلسین معینین	

فلوس میں تا جیل جائز ہونے کی صورت علامہ سرخسی نے یہ بیان فرمائی ہے:-

وإذا اشترى الرجل فلوساً بدرهم ونقد الثمن ولم تكن
 الفلوس عند البائع فالبیع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن
 كالنقود، وقد بینا ان حکم العقد فی الثمن
 وجوبها ووجودها معا ولا يشترط قيامها فی ملك بائعها
 لصحة العقد كما لا يشترط ذلك فی الدرهم والدنانير۔

”جب ایک آدمی ڈراہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن
 (ڈراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز
 ہے، کیونکہ فلوس رائجہ نقد کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے
 ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا
 بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحت عقد کے لئے ضروری نہیں،
 جیسا کہ یہ ڈراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“^(۲)

(۱) فتح القدر (۶/۱۶۲)

(۲) المبسوط للسرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، طبع

۱۴۱۳ھ (۲۳/۳)

نیز علامہ مرحومؒ ایک مسئلے کے آخر میں فرماتے ہیں :-

“وبیع الفلوس بالدرہم لیس بصرف الدرہم
” اور فلوس کی بیع ذرا ہم کے ساتھ صرف ہے نہیں۔“^(۱)

اور جب ایک جانب درہم ہو اور ایک جانب فلس ہو، تو یہ صرف نہیں، تو جب دونوں طرف فلس ہو، تو وہ بطریق اَدُلّیٰ صرف نہیں ہوگا۔

یہاں تک یہ بات واضح طور پر سامنے آئی کہ ائمہ ثلاثہ کے ہاں فلوس کی بیع صرف نہیں ہے، اب آئیے مالکیہ کی نصوص دیکھتے ہیں :-

فلوس کی بیع کے صرف ہونے یا نہ ہونے سے متعلق مالکیہ کا نقطہ نظر

”قلت : ارأیت ان اشتریت فلوسا بدرہم فافترقنا قبل ان
ان نتقابض، قال: لا یصلح هذا فی قول مالک، وهذا فاسد،
قال: لی مالک : لاخیر فیہا نظرة بالذهب ولا بالورق، ولو
ان الناس اجازوا بینہم الجلود حتی تکون لها سکہ وعین
لکرہتہا ان تباع بالذهب والورق نظرة۔ قلت: ارأیت ان
اشتریت خاتم فضة او خاتم ذهب او تبر ذهب بفلوس
فافترقنا قبل ان نتقابض ایجوز هذا فی قول مالک ؟ قال:
لا یجوز فلس بفلسین۔۔۔ قال اللیث بن سعد عن یحی بن
سعید وربیعۃ انہما کرہا الفلوس بالفلوس و بینہما فضل
اور نظرة وقالوا: انہا صارت سکہ مثل سکہ الدنانیر
والدرہم۔“

”میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کی میں اگر ذرا ہم کے بدلے فلوس

(۱) حوالہ بالا (۱۴/۲۴)۔

خریدوں اور پھر ہم قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، فرمایا: یہ امام مالک کے قول میں درست نہیں، اور یہ فاسد ہے، مجھے امام مالک نے فرمایا: فلوس اگر سونے یا چاندی کے مقابلے میں اُدھار ہوں، تو اس معاملے میں کوئی خیر نہیں، اور اگر لوگ کھالوں میں تعامل شروع کریں، یہاں تک کہ یہ سکہ اور ذات بن جائیں، تو میں ان کھالوں کا تبادلہ سونے چاندی کے ساتھ اُدھار مکروہ قرار دوں گا۔ میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ میں اگر فلوس کے بدلے چاندی یا سونے کی انگٹھی خریدوں، اور پھر قبضہ کئے بغیر الگ ہو جائیں، تو یہ امام مالک کے نزدیک جائز ہے؟ فرمایا: یہ امام مالک کے نزدیک جائز نہیں، کیونکہ امام مالک نے فرمایا: فلس کا فلسین کے مقابلے میں معاملہ جائز نہیں..... لیث بن سعد یحییٰ بن سعید اور ربیعہ سے روایت کرتے ہیں کہ یہ دونوں فلوس کا فلوس کے مقابلے میں ایسا معاملہ کو مکروہ فرماتے ہیں جس میں زیادتی یا اُدھار ہو، اور یہ فرمایا: کیونکہ یہ دنانیر اور دراہم کی طرح سکہ ہو گیا۔“^(۱)

”وقال مالك : اكره ذلك في الفلوس ولا اراه حراما كتحریم الدنانير والدرهم، قلت: ارايت ان اشتریت فلسا بفلسین ایجوز هذا عند مالك؟ قال: لا یجوز فلس بفلسین۔“

”اور امام مالک نے فرمایا: میں اس کو فلوس میں مکروہ سمجھتا ہوں، اور میں اس معاملے کو دنانیر اور دراہم کی حرمت کی طرح حرام نہیں سمجھتا

(۱) المدونة الكبرى، الاصبیحی (الامام مالک بن انس الاصبیحی المتوفی ۱۷۹ھ، بیروت، دارالکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۵ھ (۲، ۵/۳))

ہوں، میں نے کہا: آپ یہ بتائیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز ہے؟ فرمایا: ایک فلس کی بیع دو فلسوں کے ساتھ جائز نہیں۔“^(۱)

اللیث عن یزید بن ابی حبیب وعبید اللہ بن ابی جعفر
قالا : وشيوخنا کلهم انهم کانوا یکرهون صرف الفلوس
بالدننیر والدرہم الایدا بید۔ وقال یحیی بن ایوب :
قال یحیی بن سعید : اذا صرفت درهما فلوسا فلا تفارقه حتی
تأخذ کلہ۔

”ہمارے سارے مشائخ فلس کا دنانیر اور درہم کے ساتھ صرف کو
ناپسند فرماتے تھے، مگر یہ کہ ہاتھ درہم ہوا۔“^(۲)

حضرات مالکیہ کی ان عبارات سے صاف طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ان
کے ہاں راجح یہی ہے کہ صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری نہیں، بلکہ فلس کی بیع بھی
صرف میں داخل ہے، اور اس میں تقابض ضروری ہے، اور ادھار ان کا معاملہ جائز نہیں۔

کیا کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے؟

باب سوم میں یہ بات گزر چکی ہے کہ ”نوٹ“ کی شرعی حیثیت میں چار مشہور

نظریئے ہیں:-

۱- نوٹ دین (Debt) کی ”سند“ (Certificate) ہے۔

۲- نوٹ ”سامان“ (Goods) ہے۔

۳- نوٹ سونے اور چاندی کا ”بدل“ یا قائم مقام (Substitute) ہے۔

۴- نوٹ بذات خود ”ثمن عرفی“ ہے، اور فلس کے حکم میں ہے۔

(۱) حوالہ بالا۔

(۲) حوالہ بالا (۶۰۵/۳)۔

یہ مسئلہ ان ہی نظریات پر متفرع ہوتا ہے، اور نظریات میں اختلاف کی وجہ سے یہ مسئلہ بھی اختلافی بن جاتا ہے۔

چنانچہ جو حضرات پہلے نظریے کے قائل ہیں، ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع صرف کا تصور نہیں، کیونکہ بیع صرف میں تقابض ضروری ہے، اور نوٹ پر قبضہ اصل پر قبضہ ہے نہیں، بلکہ اس کی سند پر قبضہ ہے، تو تبادلے میں تقابض نہ ہوگا، تو بیع صرف متصور بھی نہیں۔

امداد الفتاویٰ میں مذکور ہے:-

سوال:- اگر سو روپے کے کوئی شخص یداً بید کسی کے ہاتھ سے کم یا زیادہ کو بدلے یا فروخت کرے تو کیسا ہے؟ مینو اتوجروا۔

الجواب:- معاملہ نوٹ حوالہ ہے، بیع نہیں، اس لئے یہ دونوں صورتیں^(۱) حرام اور سود ہیں، کمی بیشی جائز نہیں، اور یہ بہت ہی ظاہر ہے۔

ایک دوسرے مفصل سوال کے جواب میں فرمایا:-

الجواب:- نوٹ کی حقیقت حوالہ ہے، اور حوالے میں کمی بیشی جب معروف یا مشروط ہو رہا ہے الخ۔^(۲)

فتاویٰ دارالعلوم دیوبند معروف بعزیز الفتاویٰ میں ایک سوال کے جواب میں

مذکور ہے:-

الجواب:- بیع اس کی زائد و کم کو اس مقدار سے جو اس کے اندر تحریر ہے درست نہیں، اور درحقیقت اس کی (نوٹ) بیع نہیں ہو سکتی بلکہ

(۱) امداد الفتاویٰ، تھانوی (مولانا محمد اشرف علی تھانوی) کراچی، مکتبہ دارالعلوم کراچی (۷۶/۳)۔

(۲) حوالہ بالا (۷۸/۳)۔

بطریقِ حوالہ اس کا انتقال ہوتا رہتا ہے الخ۔^(۱)

فتاویٰ رشیدیہ میں تحریر ہے:-

سوال:- نوٹ کی خرید و فروخت کمی یا زیادتی پر جائز ہے یا نہیں؟
بالتفصیل ارقام فرمائیں۔

جواب:- نوٹ کی خرید و فروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں، مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے، اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے، مگر کم زیادہ پر بیع کرنا رہا اور ناجائز ہے فقط۔^(۲)

ہندوستانی علماء میں سے ان حضرات کے نزدیک چونکہ نوٹ سندِ دین ہے، جیسا کہ بابِ سوم میں اس کا تذکرہ گزر چکا ہے، اس لئے ان کے نزدیک نوٹوں میں بیع جائز ہی نہیں، مماثلت بھی جائز نہیں، اور تقاضاً بھی جائز نہیں۔

البتہ اگر کسی نے بیع کی، تو اس کو عقدِ حوالہ کہا جائے گا، اور اسی تاویل سے اس معاملے کو درست قرار دیا جائے گا، بشرطیکہ تساوی کے ساتھ تبادلہ ہو، اور حوالے کا مطلب یہ ہے کہ زید عمر کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا زید اپنا دین اس کے حوالے کر رہا ہے، اور عمر اس کو دس روپے کا نوٹ دے رہا ہے، گویا وہ اپنا دین اس کے حوالے کر رہا ہے، البتہ کمی بیشی جس طرح بیع میں ناجائز ہے، اسی طرح عقدِ حوالہ میں بھی ناجائز ہے۔

جو حضرات کہتے ہیں کہ ”نوٹ“ عروض اور سامان کے حکم میں ہے، ان کے نزدیک بھی نوٹوں کا تبادلہ بیعِ صرف نہیں، کیونکہ صرف کے لئے عوضین کا ذر (نقد) ہونا ضروری ہے، ان کے ہاں صرف سونے اور چاندی میں منحصر ہے۔

علمائے ہند میں سے علمائے رام پور اور احمد رضا خان بریلوی صاحب اسی کے قائل ہیں، چنانچہ وہ اپنے رسالے میں فرماتے ہیں:-

(۱) عزیز الفتاویٰ، مفتی عزیز الرحمن صاحب، کراچی، دارالاشاعت کراچی، طبع اول (ص ۶۳۶)۔

(۲) فتاویٰ رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی (۴۰۰)۔

سوال: هل يجوز بيع النوط بازيد من رقمه او انقص؟
 فاقول: نعم، يجوز بيعه بازيد من رقمه وبانقص منه كيفما
 تراضيا (الى قوله) نص علماء ناقاطبة ان علة حرمة الربا
 القدر المعهود بكييل او وزن مع الجنس فان وجد احرم
 الفضل والنساء، وان عدما، حلا، وان وجد احدهما حل
 الفضل وحرم النساء، وهذه قاعدة غير منخرمة وعليها
 تدور جميع فروع الباب، ومعلوم ان لا اشترك في النوط
 والدرهم في جنس ولا قدر، اما الجنس فلان هذا
 قرطاس، وتلك فضة، واما القدر فلان الدرهم موزونة
 ولا قدر للنوط اصلا لا مكييل ولا موزون، فيجب ان يحل
 الفضل، والنساء جميعا، فاذن ليس النوط من الاموال
 الربوية الخ

”سوال:- کیا نوٹ کی بیچ اس میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے
 ساتھ فروخت کرنا درست ہے؟ میں کہتا ہوں کہ ہاں اس کی بیچ اس
 میں لکھی ہوئی قیمت سے کمی بیشی کے ساتھ جائز ہے، جس طرح
 عائدین راضی ہو جائیں..... ہمارے سارے علماء نے اس بات کی
 تصریح کی ہے کہ حرمتِ ربا کی علت قدر (کیل، وزن) اور جنس
 ہے، دونوں باتیں اگر موجود ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں ناجائز
 ہیں، اور اگر دونوں باتیں معدوم ہوں، تو زیادتی اور نساء دونوں جائز
 ہیں، اور اگر ایک بات موجود ہو، تو زیادتی جائز اور نساء ناجائز ہے، یہ
 ٹوٹنے والا قاعدہ نہیں، اس پر بابِ ربا کے تمام جزوی مسائل کا مدار
 ہے، اور یہ بات بالکل معلوم ہے کہ نوٹ اور درہم میں کوئی جنسی

اشتراک نہیں، کیونکہ نوٹ ایک کاغذ ہے، اور درہم چاندی ہے، اسی طرح قدر کی بھی بات ہے، کہ درہم موزونات میں سے ہے، اور نوٹ کا کوئی وزن نہیں، کیونکہ یہ نہ موزونات میں سے ہے، اور نہ مکیلات میں سے ہے، لہذا واجب ہے کہ اس میں زیادتی اور نساء دونوں جائز ہوں، لہذا نوٹ اموال ربویہ میں سے نہیں۔^(۱)

فتاویٰ رضویہ میں ایک سوال کے جواب کے آخر میں لکھتے ہیں:-
”پس حسب ضابطہ مقررہ یہاں فضل و نسیئہ دونوں حلال ہونا چاہئے۔“^(۲)

اور فتاویٰ سعدیہ میں مذکور ہے:-

”فتعین انها سلع یثبت لها مایثبت لسائر السلع من زیادة ونقصان وجواز بیع بعضها ببعض متماثلا او متفاضلا من جنس او اجناس الغم“

”تو یہ بات ثابت ہوگئی کہ یہ نوٹ سامان ہے، دوسرے سامان کی طرح اس میں بھی کمی بیشی جائز ہوگی خواہ دونوں نوٹ ہم جنس ہوں یا مختلف الجنس ہوں۔“

اور شیخ سلیمان الحمدانی اپنے ایک فتویٰ میں فرماتے ہیں:-

”اذا علم هذا فلا مانع من بیع الورق علی اختلاف انواعه ومسمیاته من الریالات او الدنانیر او الجنیہات باحد النقدين باحد النقدين الذهب والقضه متفاضلا او نساء

(۱) کفیل الفقہ الفہم فی احکام القرطاس والدرہم (ص ۶۳)۔

(۲) فتاویٰ رضویہ، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی (۷/۲۳۵ باب الصرف)۔

ولادخل للربا فی شئی من ذلك لان الورق ليس من
الاموال الربوية ولان الربا مختص بالمكيلات
والموزونات والورق ليس بمكيل ولا موزون۔“
”.....نوٹوں کے تبادلے میں ربا کا کوئی دخل نہیں، کیونکہ نوٹ
اموال ربویہ میں سے نہیں، اور اس لئے بھی کہ ربا خاص ہے مکیلات
اور موزونات کے ساتھ اور نوٹ نہ مکیل ہے، اور نہ موزون۔“^(۱)

اور جن حضرات کے نزدیک ”نوٹ“ سونے چاندی کا قائم مقام اور سونے
چاندی کا بدیل ہے، ان کے نزدیک نوٹوں کے احکام وہی ہوں گے، جو سونے چاندی کے
ہیں، لہذا ان کے نزدیک نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف میں داخل ہے۔

مولانا محمد عبدالحی صاحب لکھنوی کی عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی اس
نظریے کے قائل ہیں، اور ان کے نزدیک نوٹ ٹمن تو ہے، لیکن اس پر احکام سونے چاندی
کے لاگو ہوں گے، نہ کہ فلوس کے، نوٹ کے بارے میں ایک جگہ وہ فرماتے ہیں:-
”پس پیسے (فلوس) اگرچہ عرفاً ٹمن ہیں، مگر عین ٹمن خلقی نہیں سمجھے
گئے ہیں، بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ٹمن خلقی ہے، گو شمیت خلقیہ
نہیں، بلکہ شمیت عرفیہ ہو، پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے
یہ لازم نہیں آتا کہ نوٹ میں بھی جائز ہو، کیونکہ پیسے غیر جنس ٹمن ہیں،
حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں بھی
شمیت کی صفت آگئی ہو، پس جبکہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ٹمن
خلقی سمجھا گیا، باب تفاضل میں اسی بناء پر حکم دیا گیا جائے گا، اور
تفاضل اس میں حرام ہوگا۔“^(۲)

(۱) جریدة البلاد السعودية العدد ۲۹۱۷ (۲۲/۶/۱۳۷۸ھ)۔

(۲) مجموعۃ الفتاویٰ، لکھنوی (مولانا عبدالحی) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک (۲/۱۳۷۸)۔

شیخ عبدالرزاق عقیلی فرماتے ہیں:-

”لما كان الامر كذلك كانت الاوراق النقدية بدلا عما حلت محلها من عملات الذهب او الفضة التي سبقتها في التعامل--وعلى هذا تجب فيها الزكوة كاصلها ويقدر فيها النصاب بما قدر بها في اصلها وتجري فيها ربا الفضل والنسيئة (۱)“

اس عبارت کا حاصل یہی ہے کہ کرنسی نوٹ جب سونے چاندی کی کرنسی کے قائم مقام ہو گئے، تو اب اس پر اس کے سارے احکام جاری ہوں گے، اور کرنسی نوٹوں میں دیگر احکام کی طرح ربا الفضل اور ربا النسيئة دونوں قسمیں جاری ہوں گی۔ ان عبارات سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہو سکتا ہے۔

اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ مستقل زر ہے، اور احکام میں فلوس کی طرح ہے، ان کے نزدیک کرنسی نوٹوں کا تبادلہ ”بیع صرف“ نہیں۔

حاصل یہ کہ مذکورہ چار موقفوں میں سے صرف تیسرے موقف کے مطابق کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف ہے، باقی تین موقفوں کے مطابق نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں، اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ الگ الگ ہے، یعنی:-

موقف اول کے مطابق نوٹ پر قبضہ سند پر قبضہ ہے، تو قبضہ نہ ہونے کی وجہ سے بیع صرف کیا سرے سے یہ بیع ہی نہیں، بلکہ حوالہ ہے۔

دوسرے موقف کے مطابق نوٹ سامان کے حکم میں ہے، اس لئے صرف کی تعریف اس پر صادق نہیں آتی، چوتھے موقف کے مطابق نوٹ اگرچہ زر ہے، لیکن چونکہ بیع صرف کے لئے ثمن کا خلقی ہونا ضروری ہے، اور یہ ثمن خلقی نہیں، اس لئے ان کا تبادلہ بیع صرف نہیں، تیسرے موقف کے مطابق چونکہ کرنسی نوٹ سونے یا چاندی کے قائم مقام ہے،

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجمعيد (ص ۲۱۳)۔

اور بدل کا حکم وہی ہوتا ہے، جو تبدیل کا ہوتا ہے، اس لئے اس کا تبادلہ بیع صرف ہے۔
بہر حال چوتھے موقف کے مطابق بھی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ صرف نہیں۔ جسٹس
مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

ثم ان هذه الاوراق النقدية وان كان لا يجوز فيها
التفاضل، ولكن بيعها ليس بصرف، لان الاوراق النقدية
ليست اثمانا خلقية وانما هي اثمان عرفية او اصطلاحية
ولا يجرى الصرف الا في الاثمان الخلقية من الذهب
والفضة۔

”پھر یہ نوٹ اگرچہ ان میں تفاضل جائز نہیں، لیکن ان کی خرید و
فروخت صرف نہیں، کیونکہ نوٹ خلقی اثمان نہیں، بلکہ یہ تو عرفی یا
اصطلاحی اثمان ہیں، اور بیع صرف اثمان خلقیہ یعنی سونے چاندی
میں جاری ہوتی ہے۔“^(۱)

سید محمد باقر اپنی کتاب میں کرنسیوں کے تبادلے کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں:-
”وعملیات البيع والشراء هذه جائزة شرعا سواء كانت
حاضرة او لاجل۔“

”اور ان کی خرید و فروخت کا عمل شرعاً جائز ہے، خواہ نقد ہو، یا ادھار
ہو۔“^(۲)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے کرنسی نوٹوں کی ادھار بیع کو جائز قرار
دیا، لہذا یہ صرف نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے۔

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۲۷)۔

(۲) البنك اللاربوي في الاسلام، السيد محمد باقر الصدر، بيروت، دارالتعارف، طبع
ششم ۱۴۰۰ھ (ص ۱۳۸)

شیخ عبداللہ بن سلمان جو دارالافتاء ریاض کے رکن ہیں، فرماتے ہیں:-
 ”هذه النظرية ترى ان الاوراق النقدية كالفلوس في
 طروا الثمنية عليها فما ثبت للفلوس من احكام الربا
 والزكاة والسلم تثبت للاوراق النقدية مثلها وقد قال بهذه
 النظرية مجموعة كبيرة من افاضل العلماء ويعتبر القائل
 بها في الجملة وسطاً بين القائلين بالنظرية السندية
 والقائلين بالنظرية العرضية، ولاشك انه اقرب الاقوال
 الى الاصابة في نظرنا (النقد الورقي ص ۸۳)

”اس نظریے کا حاصل یہ ہے کہ نوٹ ٹمن طاری ہونے میں فلوس کی
 طرح ہیں، سو ربا، زکوٰۃ اور سلم کے جو احکام فلوس میں جاری ہوتے
 ہیں، وہ احکام نوٹوں میں بھی جاری ہوں گے، اس نظریے کا قائل
 فاضل علماء کی ایک بڑی جماعت ہے، اور اس نظریے کا قائل دو
 نظریوں یعنی یہ نظریہ کہ نوٹ سند ہے، اور یہ نظریہ کہ نوٹ عرض ہے،
 کے درمیان فیصل اور ثالث ہے، (یا اس نظریے کا قائل مذکورہ دو
 نظریوں کے قائلین کے درمیان میں ہے، یعنی یہ نظریہ اعتماد پر مبنی
 ہے۔) اور بلاشبہ یہ نظریہ ہماری نظر میں حق اور درستگی کے زیادہ
 قریب ہے۔“^(۱)

شیخ احمد خطیب اس سلسلے میں فرماتے ہیں:-

”فتبین بجمیع ذلك ان النوت كالفلوس النحاسية في
 جمیع احكامها ظاهراً وباطناً (اقناع النفوس بالحاق النوت
 بالفلوس ص ۴۸)

(۱) بحوالہ جدید فقہی مباحث للقاسمی۔

”ان تمام (دلائل) سے یہ بات واضح ہوگئی کہ نوٹ ظاہر اوبالغاً تمام احکام میں تانبے سے بنے ہوئے فلوس کی طرح ہے۔“^(۱)

ترجیح

باب سوم میں ہم نے کرنسی نوٹوں کی شرعی حیثیت کے بارے میں چوتھے موقف کو ترجیح دی تھی، لہذا اسی بناء پر یہاں بھی رائج یہی ہے کہ کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بیع صرف نہیں۔ فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ

فلوس کے تبادلے کا تحقیقی جائزہ اسی باب کے شروع میں ”بیع صرف اور فلوس“ کے عنوان کے تحت بڑی تفصیل سے لیا گیا ہے، اس لئے یہاں دوبارہ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

ایک ملک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت بیع

جاننا چاہئے کہ ایک ملک کی کرنسی جنس واحد ہے، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں اجناس مختلفہ ہیں، اور کرنسی کے بارے میں رائج قول یہی ہے کہ فلوس کے حکم میں ہے، اور فلوس میں اختلاف مشہور ہے، جو تفصیل کے ساتھ گزشتہ صفحات میں گزر چکا، امام محمد اور امام مالک فلوس میں تفاضل کو حرام قرار دیتے ہیں، بلکہ غیر معین ہونے کی صورت میں حضرات شیخین کا بھی یہی موقف ہے، لہذا کرنسی نوٹوں سے متعلق اس قول کے مطابق ملکی کرنسی کا تبادلہ کسی بیشی کے ساتھ جائز نہ ہوگا، اور تفاضل جائز نہ ہونے کی علت وہی ہے، جو ”فلوس“ میں گزر چکی، یعنی یہ کہ یہ امثال متساویہ ہیں، تو بیع کی صورت میں اگر ایک طرف زیادتی ہوگی، تو وہ زیادتی مشروط خالی عن العوض ہوگی، اور یہی ربا ہے، جو حرام ہے، اس کی مفصل عربی عبارات گزشتہ صفحات میں ذکر ہو چکی ہیں۔

واضح رہے کہ جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سند دین ہے، ان کے نزدیک

(۱) حوالہ بالا۔

ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع دُرست نہیں، بلکہ بطور عقدِ حوالہ دُرست ہوگا، تفصیلات گزر چکی ہیں، اور جو حضرات کرنسی نوٹ کو سامان کا درجہ دیتے ہیں، ان کے نزدیک نہ صرف ملکی کرنسی کی بیع دُرست ہے، بلکہ تفاضل بھی جائز ہے، اور جن حضرات کے نزدیک کرنسی نوٹ سونے چاندی کا قائم مقام اور اس کا بدیل ہے، ان کے نزدیک ملکی کرنسی کی بیع بشرط تماثل جائز ہے، اور یہ بیع صرف ہے۔

حاصل یہ کہ ملکی کرنسی کے تبادلے میں چار قول ہو گئے :-

۱- ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع دُرست نہیں، البتہ بطور حوالہ بشرط تماثل گنجائش ہے = علمائے ہند میں سے مولانا رشید احمد گنگوہی صاحبؒ، مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحبؒ، مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ، مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحبؒ وغیرہ اسی کے قائل ہیں۔

۲- ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع تفاضلاً بھی دُرست ہے = علمائے راجپور اور مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی اس کے قائل ہیں۔

۳- ملکی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع صرف بشرط تماثل دُرست ہے = علامہ عبدالحی لکھنوی صاحبؒ اور علامہ سعدی صاحب فتاویٰ سعدیہ اسی کی طرف مائل ہیں۔

۴- ملکی کرنسی کی بطور عام بیع بشرط تساوی بیع جائز ہے = بعد کے اکثر علمائے ہند اور علمائے عرب اسی کے قائل ہیں، اور زیادہ تر دارالافتاؤں میں اسی پر فتویٰ اور عمل جاری ہے۔

کرنسی نوٹ کے بارے میں ایک قول جدید

مفتی رشید احمد لدھیانوی صاحب مرحوم کی تحقیق کے مطابق ایک روپیہ کا نوٹ بجکم فلوس ہے، اور بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں اور دھاتی سکوں کی رسید ہے، اور اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ اسٹیٹ بینک آف پاکستان سے تحقیق پر معلوم ہوا کہ ملکی درآمد

برآمد کے حساب سے کل پیداوار کے برابر دھاتی سکے اور ایک روپے کے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، پھر ان دھاتی سکوں اور ایک روپے کے نوٹوں کے مجموعے کی تعداد کے مطابق بطور دستاویز بڑے نوٹ جاری کئے جاتے ہیں، لہذا اسٹیٹ بینک کے اس بیان کے مطابق

$$\begin{aligned} \text{دھاتی سکے} &= \text{فلوس} \\ \text{ایک روپے کا نوٹ} &= \text{فلوس کے حکم میں ہے} \\ \text{بڑے نوٹ} &= \text{فلوس کی دستاویز} \end{aligned}$$

اس لئے دس روپے کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے دس نوٹوں یا اس کے برابر دھاتی سکوں کی دستاویز ہے، خود ذرا اور مال نہیں۔

اسی نظریے کی بناء پر مفتی صاحبؒ ملکی کرنسی کے تبادلے کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-

”ایک روپے کے نوٹ بحکم فلوس ہیں، اس لئے ان کا باہم مبادلہ جائز ہے، البتہ تقاض اور ناسا حرام ہے، اگر کہیں نساء کی ضرورت پیش آئے، تو مبادلے کی بجائے استقراض کا معاملہ کیا جاسکتا ہے۔ بڑے نوٹوں کے عوض ایک روپے کے نوٹ لینا اس معاملے کو استقراض میں داخل کیا جاسکتا ہے، بڑے نوٹوں کا باہم مبادلہ یہ درحقیقت مال کا مال کا مبادلہ نہیں، بلکہ رسید کا رسید سے ہے، اس لئے جائز ہے۔“^(۱)

اس میں ملکی کرنسی سے متعلق درج ذیل چار صورتیں آگئیں:-

۱- ایک روپے کے نوٹوں کے بطور بیع باہمی مبادلہ، یہ تماشل اور تقابض کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) احسن الفتاویٰ، لدھیانوی (مفتی رشید احمد صاحب) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک، طبع اول ۱۴۱۵ھ (۹۲۰۸۲/۷)۔

۲- ان کی بیچ نساءً اجازت نہیں، البتہ قرضاً درست ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ زید عمرو کو آج ایک ایک روپے کے سو نوٹ بطور قرض دیدے، اور ماہ بعد عمرو پھر واپس کرے۔

۳- ۱۰۰ کا نوٹ مثلاً ایک ایک روپے کے ۱۰۰ نوٹ، اس کی بیچ درست نہیں، لہذا اس میں قرض کا حیلہ کیا جائے گا، جیسا کہ اوپر ذکر ہوا۔

۴- ۱۰۰ روپے کا نوٹ = ۱۰۰ روپے کے نوٹ کے ساتھ تبادلہ بطور بیچ درست ہے۔

مناقشہ

حضرت مفتی صاحب مرحوم کا کرنسی نوٹوں سے متعلق مذکورہ موقف اس بات پر مبنی ہے کہ ملک میں ایک روپے کے جتنے نوٹ ہوتے ہیں اس کی بقدر بڑے نوٹ بطور دستاویز جاری ہوتے ہیں، حالانکہ یہ بالکل غلط ہے، کیونکہ تحقیق کرنے سے نیز مشاہدے سے یہ بات ثابت ہوگئی ہے کہ ملک میں بڑے نوٹ ایک روپے کے نوٹوں کے مقابلہ کئی گنا زیادہ گردش میں ہوتے ہیں، لہذا اس موقف کی اصل بنیاد ہی درست نہ رہی۔

نیز شروع باب سوم میں ہم نے چوتھے موقف کو راجح قرار دینے کے جو دلائل اور قرائن ذکر کئے ہیں، ان سے بھی اس موقف کا کمزور ہونا ثابت ہو رہا ہے، اور جب کرنسی نوٹ سے متعلق اصل نظر یہ ہی باطل ہو گیا، تو اس پر جو تفریعات مبنی ہیں، وہ درست نہ ہوں گی۔

نیز بڑے نوٹ کو بڑے نوٹ کے بدلے میں فروخت کرنے جائز قرار دینا جیسا کہ اوپر ذکر کردہ چوتھی صورت میں ہے، یہ بالکل درست نہیں، کیونکہ یہ بیچ الکالی یا کالی ہے، وجہ بالکل ظاہر ہے، اس لئے کہ بڑا نوٹ جب مال نہیں، بلکہ مال کی رسید ہے، اور رسید پر قبضہ مال پر قبضہ نہیں، تو یہاں اس معاملے میں ایک جانب سے بھی قبضہ نہیں پایا گیا،

تو اس صورت کو بیع کی بنیاد پر کس طرح جائز کہیں گے؟ حالانکہ علمائے ہند نے جب کرنسی نوٹوں کو سند دین کہا، تو بیع کے طور پر ان کے مبادلے کو ناجائز کہا، البتہ حوالے کی تاویل کی، جیسا کہ اس کی تفصیل گزر چکی، اسی طرح یہاں بھی ہونا چاہئے تھا، بہر حال یہ موقف اور اس پر مبنی تفریعات قوی نہیں۔

ملکی کرنسی کے بطور بیع تبادلے میں ”تقابض“ کا مسئلہ

یہ مسئلہ نہایت اہم ہے، جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گزشتہ صفحات میں ہم نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ بات ذکر کی ہے کہ فلوس یا کرنسی نوٹ کا تبادلہ بطور بیع، بیع صرف نہیں، بیع صرف نہ ہونے کا تقاضا یہ تھا کہ اس میں تقابض شرط نہ ہو، کیونکہ تقابض صرف کی خصوصیات میں سے ہے، لیکن اس کے باوجود صحیح اور قوی کے مطابق اس میں تقابض شرط ہے، جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بھی ملکی کرنسیوں میں تبادلے میں پہلے تقابض کے عدم اشتراط کے قائل تھے، کہ ایک جانب سے قبضہ کافی ہے، دونوں طرف سے تقابض ضروری نہیں، لیکن انہوں نے مفتی رشید احمد صاحب مرحوم کا مضمون پڑھ کر اپنے سابقہ موقف سے رجوع فرمایا، اور صرف ملکی کرنسی کے تبادلے میں ان کے ہاں بھی تقابض ضروری ہے، چنانچہ دونوں حضرات کی عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

مفتی رشید احمد صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

”بیع الفلوس بالفلوس بالتساوی: اس میں بالاتفاق تقابض فی المجلس شرط ہے، مذہب شیخین رحمہما اللہ تعالیٰ میں ایک قول یہ بھی ہے کہ صرف تعیین البدلین بالاتفاق بیع بھی کافی ہے، یعنی تعیین و تقابض میں کسی کا وجود شرط ہے۔“

قال الامام الكاساني رحمه الله تعالى: تباعا فلوسا بيعه بفلس بعينه فالفلسان لا يتعينان وان عينا الا ان القبض

فی المجلس شرط حتى يبطل بترك التقابض في المجلس لكونه افتراقا عن دين بدين ولوقبض احد البدلين في المجلس فافتراقا قبل قبض الاخر وذكر الكرخي انه لا يبطل العقد لان اشتراط القبض من الجانبين من خصائص الصرف وهذا ليس بصرف فيكتفى في القبض من احد الجانبين لان به يخرج به عن كونه افتراقا عن دين بدين، وذكر في بعض شروح مختصر الطحاوي رحمه الله تعالى: انه يبطل لا لكونه صرف بل لتمكن ربا النساء في فيه لوجود احد وصفي علة ربا الفضل وهو الجنس وهو الصحيح (بدائع ص ۲۳۷/۵)

وقال الامام الطحاوي رحمه الله تعالى: ولا بد من التعيين في بيع الفلوس بمثلها لاتحاد الجنس كما مر في بيع الفلوس بالفلسين (حاشية الطحاوي على الدرر ۱۱۰/۳)

مذکورہ نصوص مذہب دیگر بے شمار تصریحات ائمہ فقہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے مطابق بیع بالجنس میں ایک جانب کا عدم تعین ہی نساء ہے جو حرام ہے، حرمت تفاضل و جواز نساء کی کوئی نظیر نہیں ملتی، بلکہ یہ نصوص فقہ کے سراسر خلاف ہے۔^(۱)

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب مدظلہم نے ”احسن الفتاویٰ“ جلد: ۷ ص: ۸۷ پر اس مسئلے پر جو بحث فرمائی ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس صورت میں صحت عقد کے لئے احد البدلین پر قبضہ کافی

(۱) احسن الفتاویٰ (۷/۸۷)۔

نہیں، بلکہ جانبین سے تقابض ضروری ہے۔

حضرت مدظلہم کے دلائل پر غور کرنے کے بعد اب احقر بھی حضرت کی بات کو راجح سمجھتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ ”بیع الفلوس بالفلوس التساوی“ کی صورت میں فقہائے حنفیہ کی تصریحات میں اختلاف ہے، میں پہلے جو حکم لکھا تھا، وہ تنویر الابصار، الدر المختار اور علامہ شامی کی تحقیق کے مطابق لکھا تھا، اور حضرت مفتی صاحب مدظلہم کے ارشاد کا مبنی ”بدائع الصنائع“ میں علامہ کاسانی کی عبارت ہے۔ (یہ عبارت اوپر ذکر ہوئی) اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ جانبین سے قبضہ ضروری ہونے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ یہ بیع صرف ہے، بلکہ وجہ یہ ہے کہ جنس ایک ہونے کی بنا پر اس میں نسبیہ جائز نہیں، اگرچہ جن حضرات نے احد البدلین پر قبضے کو کافی سمجھا ہے، انہوں نے غالباً ”اجل“ کی تعیین کے بغیر قبضے کے صرف مؤخر ہونے کو نسبیہ میں داخل نہیں کیا، علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ نے ”فتح القدیر“ ج: ۵: ص: ۲۸۸ میں اسی بناء پر اس کو نسبیہ ماننے سے انکار کیا ہے، اور چونکہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ مذہب امام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے بھی نقل کیا ہے، اور اگر یہ نقل درست ہے، تو اس قول کو بھی باطل تو نہیں کہا جاسکتا، لیکن علامہ کاسانی رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل بڑی وزنی ہے، اور وہ یہ کہ نسبیہ سے بچنے کے لئے دو ہی صورتیں ہیں یا تو عوضین پر مجلس ہی میں قبضہ ہو جائے، یا کم از کم عوض مؤخر کی تعیین کی جائے، چونکہ راجح قول کی بناء پر فلوس میں تعیین ممکن نہیں، اس لئے قبضہ ہی متعین ہے۔ یہ دلیل چونکہ نہایت قوی ہے، اس لئے احقر ”بیع الفلوس بالفلوس بالتساوی“ کے سلسلے میں اپنے سابقہ فتوے

سے رُجوع کرتا ہے۔ الخ،^(۱)

واضح رہے کہ مفتی رشید احمد صاحب مرحوم اور جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی ان عبارات کا تعلق فلوس میں تقابض سے ہے، لیکن چونکہ کرنسی نوٹ ان کے نزدیک فلوس ہی کے حکم میں ہے، اس لئے جو تفصیل فلوس میں ہوگی، وہی تفصیل کرنسی نوٹ کے تبادلے میں بھی ہوگی، لہذا ملکی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ جب بطور بیع ہو، تو یہ اگرچہ بیع صرف نہیں، لیکن جنس متحد ہونے کی وجہ اس میں تقابض شرط ہوگا۔

ایک ملک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ قرض

پچھلی بحث میں یہ بات ذکر ہوئی کہ اگر ایک ملک کی کرنسی کا تبادلہ بطور بیع ہو، تو اس میں راجح قول کے مطابق نہ تقاضا جائز ہے، اور نہ نساء، لیکن کبھی کبھی نساء کی ضرورت پڑتی ہے، لہذا اس کے لئے استقراض کا طریقہ اختیار کیا گیا، استقراض کی صورت میں نساء حرام نہیں، کیونکہ استقراض بغیر نساء کے ممکن ہی نہیں، البتہ تقاضا یہاں بھی حرام ہوگا، کیونکہ تقاضا یہاں ربا بالنسیئہ میں داخل ہے، جو حدیث مشہور ”کل قرض جر منفعۃ فهو ربا“ کی رُو سے ناجائز اور بالکل حرام ہے، اس حدیث کی تخریج اور تشریح باب دوم میں گزر چکی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک ملکی کرنسی نوٹوں کی بیع درست نہیں، ان کے نزدیک بھی ان نوٹوں میں استقراض کا طریقہ درست ہے، جیسا کہ گزر چکا۔

اور قرض یا استقراض کی شکل یہ ہوگی، کہ مثلاً زید کو آج اپنی کسی شخصی یا تجارتی ضرورت کے لئے ایک لاکھ روپے پاکستانی کی ضرورت ہے، تو وہ عمر و کے پاس جاتا ہے، اور اس سے بطور قرض یہ روپیہ حاصل کرتا ہے، اور ایک ماہ کی مدت مقرر ہوتی ہے، تو یہ معاملہ درست ہے، البتہ ایک ماہ بعد زید ایک لاکھ روپے ہی واپس کرے گا، اس میں ایک

(۱) البلاغ شماره جمادی الاولیٰ ۱۳۲۲ھ دارالعلوم کراچی ۱۳۔

روپیہ کا اضافہ بھی حرام ہے، اور سخت گناہ ہے، یہ تبادلہ ہے ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کا ایک لاکھ پاکستانی روپیہ کے ساتھ جو نساء کے ساتھ ہے، اس میں نساء جائز ہے، کیونکہ یہ تبادلہ بطور بیع نہیں، بلکہ بطور قرض اور استنقرض ہے۔

ایک ملک کی کرنسی میں ہینڈی کا حکم

اس تفصیل سے یہ مسئلہ معلوم ہو گیا کہ ایک ہی ملک کی کرنسی میں ہینڈی بطور بیع درست نہیں، کیونکہ بیع میں تقابض کا ہونا ضروری ہے، اور ہینڈی میں تقابض کا تصور نہیں، بلکہ اس میں ایک جانب سے قبضہ پایا جاتا ہے، البتہ بصورت قرض جائز ہے۔

مثلاً زید اور عمرو دونوں سعودی عرب میں ہیں، زید عمرو کو پانچ سو ریال دیتا ہے، اور اس سے کہتا ہے کہ یہ پانچ سو روپے میں آپ کو بطور قرض دیتا ہوں، لیکن اس کی ادائیگی پاکستان میں میرے والد صاحب کو کرنا، چنانچہ یہ پانچ سو ریال عمرو کے ذمہ زید کا قرضہ ہو گیا، اب عمرو ان کو اپنی ضرورت میں استعمال کر سکتا ہے، اور ان کی جگہ دوسرے پانچ سو ریال پاکستان میں زید کے والد کو ادا کر سکتا ہے، اور اگر عمرو کا اس پر کچھ خرچہ آتا ہے، تو معروف طریقے سے وہ زید سے لے سکتا ہے، یہ صورت جائز ہے، بشرطیکہ قانوناً اس کی ممانعت نہ ہو۔

منی آرڈر کا حکم

جب کوئی شخص دوسری جگہ پیسہ بھیجتا ہے، تو ایک طریقہ یہ ہے کہ وہ ڈاک خانے جاتا ہے، ڈاک خانے سے ایک روپیہ میں منی آرڈر فارم حاصل کرتا ہے، اس کی خانہ پُری کرتا ہے، اور پھر مطلوبہ رقم کے ساتھ ڈاک خانے والوں کے حوالے کرتا ہے، ڈاک خانے والے یہ فارم اور رقم وصول کر کے مقدار رقم کے تناسب سے رقم بھیجنے والے سے کچھ فیس وصول کرتا ہے، اور اس کو توثیق کے لئے ایک رسید کاٹ کر دیتے ہیں، پھر ڈاک خانے والے اپنے مخصوص طریقے سے یہ رقم مطلوبہ شخص تک پہنچاتے ہیں، اور پہنچانے کے بعد اس

کا ایک چٹ مرسل کے پاس آجاتا ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ رقم بخریت منزل تک پہنچ گئی، اور اگر یہ رقم راستے میں تلف ہوگئی، تو اہل ڈاک خانہ اس کے ضامن ہوتے ہیں، جو رسید ڈاک خانے نے آپ کو رقم جمع کراتے وقت دی تھی، وہ رسید درحقیقت ضمانت نامہ ہے، یہ مٹی آرڈر کے طریقہ کار کا خلاصہ ہے۔

اب فقہی لحاظ سے جو رقم آپ نے ڈاک خانے والے کے ہاتھ میں دی ہے یہ قرض ہے یا امانت ہے؟ قرض کی صورت میں بیعہ یہی رقم پہنچانا ضروری نہیں، بلکہ اس کے برابر دوسری رقم پہنچانا بھی جائز ہے، اس صورت میں مرسل مقرض ہوگا، اور ڈاک خانہ مستقرض ہوگا، اور اگر یہ امانت ہے، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مرسل مستاجر ہے اور ڈاک خانہ اجیر، اور اجیر کے ہاتھ میں رقم بحکم امانت ہوتی ہے، اور امانات میں نقد متعین کرنے سے متعین ہو جاتی ہے، لہذا اس کا تقاضا یہ ہے کہ یہ رقم بیعہ مرسل الیہ تک پہنچ جائے، حالانکہ یہ بات معلوم ہے کہ یہ رقم بیعہ مرسل الیہ کو نہیں دی جاتی، اجارہ کی صورت میں دوسرا اشکال یہ ہے کہ اجیر امین ہوتا ہے، اور جو رقم اس کے ہاتھ میں ہوتی ہے وہ امانت ہے، لہذا اگر امین کی طرف سے کسی غفلت (Negligence) کے بغیر وہ رقم تلف ہو جائے یا ضائع ہو جائے، تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس کا ضمان اجیر پر نہیں ہوگا، حالانکہ یہاں ڈاک خانہ ضامن ہے، ان وجوہات کی بناء پر مٹی آرڈر کے معاملے کو "اجارہ" کہنا مشکل ہے، گو دوسرا اشکال زیادہ وزنی نہیں، کیونکہ حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اجیر ضامن ہوتا ہے، لیکن چونکہ پہلا اشکال زیادہ قوی ہے، اس لئے اس معاملے کو اجارہ نہیں کہا جائے گا، بلکہ یہ معاملہ قرض ہی ہے، لیکن قرض کی صورت میں بھی اس پر دو اشکال وارد ہوتے ہیں:

۱- ڈاک خانے والے جو فیس لیتے ہیں، وہ بھی بظاہر جزو قرض ہے، اور مرسل الیہ کو دیتے وقت اس فیس کے بغیر رقم دی جاتی ہے، تو گویا کہ قرض دیا زیادہ تھا، اور وصول کم ہوا، تو قرض میں کمی بیشی لازم آئی، جو ناجائز اور حرام ہے۔

۲- یہ معاملہ "سُفْتَجِه" میں داخل ہے، کیونکہ اس میں "سَقُوْطِ خَطْرِ طَرِيقٍ" ہے،

اور سفتجہ "کل قرض جر منفعة فهو ربا" کے بموجب جائز نہیں۔

چنانچہ امداد الفتاویٰ میں اس اشکال کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-

الجواب:- قاعدہ کلیہ ہے الا قراض تقضی بامثالها، اور منصوص ہے کہ قرض میں کمی بیشی کی شرط ربا ہے، اب سمجھنا چاہئے کہ منی آرڈر کا روپیہ جو ڈاک خانے میں جمع کیا جاتا ہے، آیا وہ امانت ہے، اور اہل ڈاک اجیر، یا قرض ہے، اور اہل ڈاک مستقرض، سو چونکہ یقیناً معلوم ہے کہ وہ روپیہ یعنی نہیں بھیجا جاتا، اور نیز قانون ہے کہ اگر ڈاک خانے سے وہ روپیہ اتفاقاً ضائع ہو جائے، تو اہل ڈاک اس کا ضمان دیتے ہیں، ان دونوں امر سے معلوم ہوا کہ وہ امانت نہیں، بلکہ قرض ہے، جو دوسری جگہ ادا کیا جاتا ہے، پس فیس بھی جزو قرض ہوا، اور مقام وصول پر چونکہ بوضع فیس ادا کیا جاتا ہے، اس لئے قرض میں کمی بیشی لازم آئی، یہ وجہ اس کے ممنوع ہونے کی ہے، بلکہ اگر یہ فیس نہ بھی ہو، تب بھی حسب قاعدہ کلیہ کد قرض جر نفعاً فهو ربا، بوجہ منفعت سقوط خطر طریق کے داخل سفتجہ ہو کر، مکروہ ہے الخ،^(۱)

ان اشکالات کا حل یہ ہے کہ:-

۱- ڈاک خانے والے جو فیس لیتے ہیں، وہ جزو قرض نہیں، بلکہ حق الخدمت (Service Charges) کے طور پر ہے، یعنی رجسٹر میں لکھنے، رسید کاٹنے، اور فارم بھیجنے وغیرہ کی اجرت ہے۔

۲- اس اشکال کے دو جواب دیئے جاسکتے ہیں:-

الف:- یہ معاملہ سفتجہ نہیں، سفتجہ کی حقیقت "سقوط خطر طریق" ہے، جس کی

(۱) امداد الفتاویٰ (۱۳۳/۳)۔

تفصیل آگے آرہی ہے، اور منی آرڈر سے مقصود سقوط خطر طریق نہیں، بلکہ اصل مقصود پیسہ پہنچانا ہوتا ہے، جسے ”ایصال“ کہتے ہیں، اور ایصال پر رقم لینا جائز ہے۔

احسن الفتاویٰ میں اس کو اس طرح سمجھایا ہے:-

بندہ کے خیال میں جب قرض سے اسقاط خطر طریق مقصود نہ ہو، بلکہ صرف دوسرے مقام تک ایصال مقصود ہو، تو یہ سفتجہ مکروہہ میں داخل نہیں، اگرچہ یہ سقوط خطر طریق کو مستلزم ہے، مگر مقصود اور لازم میں فرق ہے، چنانچہ مقامی قرض میں بھی حفظ مال کا نفع لازم ہے، مع ہذا اس کو کحل قرض جو نفعاً فہو ربا میں داخل کر کے حرام نہیں قرار دیا جاتا، (الی قولہ) بندہ کے خیال مذکور کی تائید شرح و قایہ کے حاشیہ تکملة عمدة الرعایہ، کتاب الحوالہ میں مولانا فتح محمد صاحب تائب رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق سے بھی ہوتی ہے، محشی موصوف نے اس مقام پر منی آرڈر اور ہنڈی کی دیگر اقسام کی تفصیل اور ان کے احکام بیان فرمائے ہیں، ونصہ:-

ويجب ان يعلم ان التى فى زماننا المسماة فى لساننا
(بھندی منی آرڈر) ليس من هذا ولا له حكم حكم
السفاتج، لان السفاتج كانت لسقوط خطر الطريق وذا
للوصول، فان قلت: علة الكراهة هي النفع سواء كان
لسقوط الخطر او للوصول، قلت: بلى ولكن الخطر مما
لا يجوز الكفالة به ولا اجر عليه، لانه ليس فى وسع الانسان
الا دفع اللصوص والحفظ انما بفضل الله تعالى واما
الايصال تحل الاجرة عليه ويمكن العهدة عليه فلا يلزم

من النهی عن نفع سقوط الخطر كراهة اجرة الايصال
(۱)
الخر-

اس عربی عبارت کا حاصل وہی ہے، جو مفتی صاحب مرحوم نے بیان فرمایا، البتہ اس میں ایک اشکال کیا ہے، اور پھر اس کا جواب دیا ہے، اور اشکال اور جواب کا حاصل یہ ہے کہ مقصود سقوط خطر طریق ہو، یا ایصال، دونوں صورتوں میں قرض دہندہ کو نفع حاصل ہو رہا ہے، جو مذکورہ حدیث کی بناء پر ممنوع ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا کہ سقوط خطر طریق کفالت کے معنی میں ہے، اور اس کی کفالت جائز نہیں، کیونکہ یہ اختیاری چیز نہیں ہے، اور نہ کفالت پر شرعاً اجرت لینا جائز ہے، بخلاف ایصال کے کہ اس کی کفالت بھی درست ہے، کیونکہ یہ اختیاری چیز ہے، اور اس پر اجرت بھی درست ہے، لہذا سقوط خطر طریق کی ممانعت سے ایصال کی ممانعت لازم نہیں آتی۔

ب:- اور اگر اس کو سفیجہ میں داخل بھی کیا جائے، تو عموم بلوی اور ضرور شدیدہ کی بناء پر یہاں بعض دوسرے اقوال کے مطابق فتویٰ دیا جاسکتا ہے، کیونکہ بعض حضرات سفیجہ کے جواز کے قائل ہیں، جیسے کہ اگلی بحث سے اس کی پوری تفصیل معلوم ہو جائے گی۔

امداد الفتاویٰ میں ہے:-

حتیٰ کہ اگر یہ بھی نقل صحیح سے معلوم ہو جائے کہ سفیجہ کے جواز کی طرف ائمہ اربعہ میں سے کوئی امام گئے ہیں، تب بھی بضرورت اس پر عمل کرنے کو جائز کہا جاوے گا الخ۔“ (۲)

اور احسن الفتاویٰ میں مذکور ہے:-

”بالفرض اس کا سفیجہ ہونا تسلیم بھی کر لیا جائے، تو امام احمد رحمہ اللہ تعالیٰ کے یہاں سفیجہ جائز ہے، ابتلاء عام و حوائج شدیدہ کے پیش نظر

(۱) احسن الفتاویٰ (۱۰۸، ۱۰۷، ۱۰۶)

(۲) امداد الفتاویٰ (۱۳۵/۳)

عمل بمذہب غیر کی گنجائش ہے۔“ (۱)

خلاصہ یہ کہ منی آرڈر کا معاملہ جائز ہے، اور اس کے ذریعے پیسہ پہنچانا درست ہے، اور ڈاک خانے والوں کا اس پر فیس وصول کرنا صحیح ہے، اور یہی حکم بنک ڈرافٹ کا بھی ہے۔

سُفْتَجَہ کی حقیقت

منی آرڈر کی بحث میں چونکہ سفتجہ کا ذکر آیا، نیز آگے بھی کئی مباحث میں اس کا دخل ہے، اس لئے ضروری ہے کہ سفتجہ کی پوری حقیقت اور اس کے شرعی حکم کو ذرا تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے، لہذا ہم یہاں سفتجہ سے متعلق چار مباحث ذکر کرتے ہیں:-

- ۱- سفتجہ کے لغوی معنی۔
- ۲- سفتجہ کے اصطلاحی معنی۔
- ۳- سفتجہ کی فقہی حیثیت۔
- ۴- سفتجہ کا شرعی حکم اور اقوال فقہاء۔

سفتجہ کے لغوی معنی

سُفْتَجَہ فارسی لفظ ہے، سین پر ضمہ ہے، اور فاء ساکن، یہ سُفْتَہ سے عربی بنایا گیا ہے، نیز سین کے ذر کے ساتھ پڑھنا بھی جائز ہے، یعنی سُفْتَجَہ، اس صورت میں یہ ”سُفْتَہ“ سے ہوگا۔

سفتہ یا سفتجہ کے معنی ”احکام“ کے ہیں، یعنی مضبوط کرنا، لہذا سفتجہ کے لغوی معنی مضبوط کرنے ہو گئے۔ (۲)

(۱) احسن الفتاویٰ (۱۰۹/۷)

(۲) رد المحتار (۱۸/۸) کتاب الحوالہ

”واحدة السفاتج، فارسی معرب، اصله سفته وهو الشئى المحکم، سمى هذا القرض به لاحکام امره كما فى الفتح وغيره۔“

سفتجہ کے اصطلاحی معنی

سفتجہ کے اصطلاحی معنی کا حاصل ہے کہ یہ ایک مالی معاملہ ہے، جس میں مثلاً زید عمر و کو کسی شہر میں قرضہ دیتا ہے، اور یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ عمر و یا اس کا نائب یہ قرضہ زید یا اس کے نائب کو فلاں شہر یا فلاں جگہ میں واپس کرے گا، اس کی جمع ”سفتج“ ہے۔^(۱)

سفتجہ کی شرعی حیثیت اور فقہی تکلیف

فقہائے کرام مسئلہ ”سفتجہ“ کو دو جگہ بیان فرماتے ہیں، بعض حضرات فقہائے کرام اس کو باب القرض میں ذکر کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے باب الحوالہ میں اس کو ذکر کیا ہے:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک یہ قرض کا معاملہ ہے۔

۲۔ بعض نے اس کو حوالہ قرار دیا ہے۔

۳۔ بعض نے اس کو اجارہ قرار دیا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ قرض ہی کا معاملہ ہے جیسا کہ ظاہر ہے، اور جمہور علماء نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

(۱) حوالہ سابقہ (۱۸/۸)

”و صورتها ان یدفع الی تاجر مالا قرضاً لیدفعه الی صدیقہ وانما یدفعه قرضاً لا امانة لیستفید بہ سقوط خطر الطريق، وقیل: ہی ان یقرض انساناً لیقضیہ المستقرض فی بلد یریدہ المقرض، لیستفید بہ سقوط خطر الطريق کفایہ“

تہذیب الاسماء واللغات، للنووی (امام ابو زکریا محی الدین بن شرف

النووی المتوفی ۶۷۶ھ، دمشق، ادارة الطباعة المنيرية (۱۴۹/۲)

تحریر التنبیہ، النووی، بیروت، دارالقلم، طبع اول ۱۴۰۸ھ (ص ۱۹۳)

”بفتح السین المهملة والتاء المثناة فوق بينهما فاء ساكنة والجیم، هی کتاب لصاحب المال الی وکیله فی بلد آخر لیدفع الیہ بدلہ وفائدتہ السلامة من خطر الطريق ومنونة الحمل۔“

سفتجہ کا شرعی حکم

”سفتجہ“ کے شرعی حکم میں علمائے کرام اور فقہائے اُمت کا اختلاف ہے، ایک فریق اس کو مکروہ یا ناجائز کہتا ہے، اس فریق میں تابعین میں سے امام ابن سیرین، امام قتادہ، امام شعبی، امام ابراہیم نخعی، اور ائمہ اربعہ میں سے حضرت امام ابو حنیفہ، حضرت امام شافعی اور بعض تفصیلات کے ساتھ حضرت امام مالک رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔^(۱)

دوسرا فریق اس کو جائز کہتا ہے، اس فریق میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے ابن عباس، ابن الزبیر، حضرت علی، حضرت حسن بن علی، تابعین میں سے عبدالرحمن بن اسود، ایوب، امام ثورئی اور امام اسحاق اور ائمہ اربعہ میں سے امام احمد بن حنبل، اسی طرح دیگر علماء میں سے علامہ ابن قدامہ، ابو یعلیٰ، امام ابن تیمیہ اور علامہ ابن القیم رحمہم اللہ تعالیٰ شامل ہیں۔

فریق اول کے دلائل کا خلاصہ

جو حضرات سفتجہ کو مکروہ یا ناجائز کہتے ہیں، ان کے دلائل کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

(۱) مصنف عبد الرزاق، الصنعانی (حافظ ابویکر عبد الرزاق بن ہمام الصنعانی

المتوفی ۲۱۱ھ، جنوبی افریقہ، المجلس العلمی، طبع اول ۱۳۹۲ھ (۱۳۰/۸)

_____ الفتاویٰ الہندیۃ (العالمگیریۃ) (۲۹۳/۳)

”وکرہ السفاتج وهو قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق وقد نهی رسول ﷺ عن قرض جر نفعاً“

_____ الہدیۃ مع الفتح (۳۵۵/۶)

”ویکرہ السفاتج وہی قرض استفاد به المقرض سقوط خطر الطريق الخ“

_____ الخرشی (۲۳۱/۵)

_____ الشرح الصغیر للدرر (۲۹۵/۳)

_____ المہذب، الشیرازی (امام ابو اسحاق شیرازی) مصر، (۳۰۳/۱)

_____ مغنی المحتاج، الخطیب، (شیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار احیاء

_____ التراث العربی (۱۱۹/۲)

۱- سفتجہ سے مقصود سقوطِ خطر طریق ہوتا ہے، یہ ایک منفعت ہے، جو قرض دہندہ کو اپنے دیئے قرض کی وجہ سے حاصل ہوتی ہے، جس کی احادیثِ مبارکہ میں صریح ممانعت آئی ہے، مشہور حدیث ہے:-

”کل قرض جر منفعة فهو ربا“

یہ حدیث اس مقالے میں متعدد مقامات پر گزری ہے، اور باب دوم میں اس کی مکمل تشریح اور تخریج ذکر چکی ہے۔

۲- صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر ایسے قرض کو ناپسند کرتے تھے، جس کی وجہ سے کوئی منفعت حاصل ہو، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں ہے:-

عن عطاء قال: كانوا يكرهون كل قرض جر منفعة۔

”حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام ہر اس قرض کو مکروہ سمجھتے تھے، جو کوئی منفعت لے کر آئے۔“^(۱)

۳- عقدِ قرضِ احسان اور تبرع پر مبنی ہوتا ہے، لہذا جب اس میں سفتجہ کی شرط لگائی جائے، تو عقدِ قرض اپنے اصل موضوع سے ہٹ جائے گا، جو درست نہیں۔

سفتجہ کی ممانعت کی علت

اس سلسلے میں تین باتیں بیان کی جاتی ہیں:-

۱- جرِ منفعت، جو مشہور علت ہے۔

۲- کلفت (مشقت) قرض سے بچاؤ: بعض حضرات نے سفتجہ کی کراہت کا

مدار اس بات پر رکھا ہے کہ قرض کے طور پر دینے والی چیز اگر کلفت والی ہو، اور اس کو ایک شہر سے دوسرے شہر یا ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے میں مشقت ہو، اور یہ چیز سفتجہ کی

(۱) مصنف ابن ابی شیبہ، العبسی (حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ المتوفی

۲۳۵ھ، کراچی، ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ، طبع اول ۱۴۰۶ھ (۶/۱۸۰)

شرط کے ساتھ کسی کو قرض کے طور دی جائے، تو یہ ناجائز ہے، ورنہ جائز ہے۔^(۱)

۳- حضرت امام مالکؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ اس کی علت ”تغییر ثمن“ ہے، یعنی عام طور جس شہر میں ادائیگی قرض کی شرط لگائی جاتی ہے، وہاں قیمت دوسری ہوتی ہے، جس سے قرض میں کمی بیشی لازم آجائے گی، جو ناجائز ہے۔^(۲)

استثناءات (Exceptions)

جو حضرات سفاج کونا جائز یا مکروہ کہتے ہیں، ان کے ہاں اس حکم سے دو صورتیں

مستثنیٰ ہیں:-

۱- قرض کا معاملہ پہلے ہو، اور سفتجہ بعد میں لکھا جائے، یہ جائز ہے، کیونکہ یہاں منفعت مشروط نہیں، بلکہ یہ محض احسان و تبرع ہے، اور مذکورہ حدیث کی تشریح میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہاں منفعت سے وہ منفعت مراد ہے جو مشروط یا معروف ہو، مشروط یا معروف نہ ہونے کی صورت میں یہ محض تبرع اور احسان سمجھا جائے گا، یہ حضرات ابن عباس اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہما سے سفتجہ کا جو جواز منقول ہے، اس کی یہی تاویل کرتے ہیں۔^(۳)

(۱) الکافی، ابن قدامہ المقدسی، بیروت، المکتب الاسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۲/۱۲۵) وان شرط ان یوفیہ فی بلد آخر ویکتب فیہ سفتجة الی بلد فی حملہ الیہ نفع لم یجز لذلك، فان لم یکن لحملة مؤنة فعنه الجواز۔

_____ وقال ابن عبد البر : ولا يجوز ان یقترض الرجل شیئا له حمل ومؤنة فی بلد علی ان یعطیہ ذلك فی بلد آخر فاما السفاج بالذنانیر والدراهم فقد كره مالک العمل بها ولم یحرمها واجاز ذلك طائفة من اصحابه الخ (احکام الاوراق النقدیة للجمعید ص ۳۲۱ بحوالہ الکافی ۲/۴۲۸، ۴۲۹)

(۲) احکام الاوراق النقدیة والتجاریة للجمعید (ص ۳۲۱)

(۳) الفتاوی العالمگیریہ (۳/۲۹۳)

فان لم تكن المنفعة مشروطة ولا كان فیہ عرف ظاهر فلا بأس به كذا فی الکافی، فی كتاب الحوالہ

_____ بدائع الصنائع (۴/۳۹۵)

_____ الکافی لابن قدامہ (۲/۱۲۵)

۲- جہاں کہیں خوف عام ہو جائے، تو وہاں سفیجہ کی گنجائش ہے۔^(۱)

آج کل ہمارے یہاں یہی صورت حال ہے، اس لئے ضرورت کے مقام پر مالکیہ اور حنابلہ مذہب کے مطابق عمل کی گنجائش ہے، جیسا کہ منی آرڈر کی بحث میں تفصیل گزر گئی۔

فریق دوم کے دلائل

۱- بعض صحابہ کرام مثلاً حضرت ابن عباسؓ، حضرت ابن عمرؓ وغیرہ اس کو یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کو جائز کہتے تھے۔^(۲)

۲- بعض تابعین مثلاً: ابن سیرینؒ وغیرہ اس کے یا اس سے ملتی جلتی صورتوں کے جواز کے قائل تھے۔^(۳)

۳- سفیجہ کے جائز ہونے کی سب سے اہم دلیل یہ بیان کی جاتی ہے کہ اس میں نفع جائین سے ہے، یعنی صرف مقروض کے ساتھ نفع خاص نہیں، بلکہ جس طرح مقروض کو نفع حاصل ہوتا ہے، اسی طرح مستقرض کو بھی نفع حاصل ہوتا ہے، مثلاً مستقرض اپنے شہر میں جہاں اس کا مال رکھا ہوا ہے، ادائیگی کرتا ہے، تو اس کو بھی خطر طریق کے سقوط کا فائدہ حاصل ہوا، جب نفع جائین سے ہے، تو اس کو شریعت منع نہیں کرے گی۔

چنانچہ علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

”والصحيح جوازة لانه مصلحة لهامن غير ضرر بواحد

منهما والشرع لا يرد بتحريم المصالح التي لا مضرة فيها

(۱) الخرشى للعلامة الخرشى المالكي، بيروت، دارصادر (۲۳۱/۵)

”الا ان يعم الخوف اي الا ان يغلب الخوف في جميع طرق المحل الذي يذهب اليه المقرض الخ“

(۲) مصنف عبدالرزاق (۱۴۰/۸)

(۳) المغني لابن قدامه (بحواله احكام الاوراق النقدية والتجارية للجعيد) (ص ۳۴۳)

بل بمشروعیتها ولان هذا ليس بمنصوص على تحريمه
 ولا في معنى المنصوص فوجب ابقاءه على الاباحه۔“
 ”سفتجہ کا جواز ہی صحیح قول ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے،
 اور کسی جانب بھی کوئی نقصان نہیں، اور شریعت ان مصالح کو حرام
 نہیں کرتی، جن میں کوئی نقصان نہ ہو، بلکہ ان کو مشروع قرار دیتی
 ہے، اور اس لئے بھی کہ اس کی حرمت نہ منصوص ہے، اور نہ منصوص
 کے معنی میں ہے، لہذا اس کو اباحت پر باقی رکھنا واجب ہے۔“ (۱)

یہی بات علامہ ابن تیمیہ نے بھی کی ہے:-

”ولكن قد يكون في القرض منفعة للمقرض كما في مسألة
 السفتجة ولهذا كرهها من كرهها، والصحيح انها لا تکره
 لان المقرض ينتفع بها ايضا ففيها منفعة لهما جميعا۔“
 ”اور کبھی قرض میں مقرض کو منفعت حاصل ہوتی ہے، جیسا کہ سفتجہ
 ہے، اس وجہ مکروہ قرار دینے والوں نے اس کو مکروہ قرار دیا ہے، اور
 صحیح یہی ہے کہ یہ مکروہ نہیں، کیونکہ اس میں مستقرض کا بھی نفع ہے،
 اس میں منفعت دونوں کو حاصل ہے۔“ (۲)

اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں:-

”وروى عنه (احمد) الجواز، نقله ابن المنذر لانه مصلحة
 لهما فلم ينفرد المقرض۔۔۔ والمنفعة التي تجر الي الربا
 في القرض هي التي تخص المقرض كسكنى دار المقرض
 وركوب دوابه واستعماله وقبول هديته فانه لا مصلحة له

(۱) المغنی لابن قدامه (بحواله احکام الاوراق التقديية (۳۳۲)

(۲) مجموعة الفتاوى (۵۱۵/۲۰)

فی ذلك بخلاف هذه المسائل فان المنفعة مشتركة بينهما وهما متعاونان عليهما فهي من جنس التعاون والمشاركة“
 ”اور امام احمد سے اس کا جواز منقول ہے، جس کو ابن المنذر نے نقل کیا ہے، کیونکہ اس میں دونوں کی مصلحت ہے، صرف مقرض خاص نہیں، اور قرض میں جو منفعت ربا کا سبب بنتی ہے، وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، مثلاً مستقرض کے گھر میں رہنا، اس کی سواری پر سوار ہونا، اس کو استعمال کرنا، اس کا ہدیہ قبول کرنا، ان چیزوں میں مستقرض کا کوئی فائدہ نہیں، بلکہ صرف مستقرض کو منفعت حاصل ہے، لیکن ان مسائل میں، تو ان میں تو منفعت مشترک ہے، لہذا یہ تعاون اور مشارکت کے قبیل میں سے ہے۔“^(۱)

فقہائے کرام کی ان تمام نصوص کا مطلب یہ ہے کہ ان کے نزدیک ”کحل قرض جبر منفعة فهو ربا“ میں منفعت سے مراد وہ منفعت ہے، جو صرف مقرض کے ساتھ خاص ہو، لیکن اگر منفعت مشترک ہو، تو اس صورت میں وہ اس حدیث کے تحت داخل نہیں۔

www.KitaboSunnat.com

مناقشہ

لیکن یہ بات اس حدیث کے ظاہر کے بالکل خلاف ہے، اور اگر اس مطلب کو صحیح قرار دیا جائے، تو اس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر ایک تاجر کسی سے قرضہ لے اور اس پر کچھ اضافے کی شرط بھی ہو، تو یہ صورت جائز ہونی چاہئے، کیونکہ اس میں دونوں کی منفعت ہے، مال والے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کو اپنے مال پر کچھ اضافہ مل جائے گا، اور تاجر کا فائدہ یہ ہے کہ وہ اس کو تجارت میں لگا کر اس سے نفع حاصل کر لے گا، اور یہ بہت ہی خطرناک بات

(۱) شرح الحافظ ابن القيم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دارالکتب العلمیة۔

ہے، اس لئے کہ اس سے آج کل سارے پیداواری قرضوں پر سود لینا جائز ہو جائے گا، جیسا کہ بعض متجددین کا یہی خیال ہے، اس لئے یہ تشریح نہایت کمزور ہے، اور اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے۔

نیز صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ سے اس سلسلے میں جو کچھ منقول ہے، اوّل تو یہ ضروری نہیں کہ اس سے مراد یہی سفتجہ ہو، اور اگر یہی سفتجہ بھی مراد ہو، تو ہو سکتا ہے کہ وہ غیر مشروط ہو، یا عموم خوف کی وجہ سے ہو، اس لئے اس سے مراد سفتجہ کے جواز پر استدلال کرنا زیادہ قوی نہیں۔

خلاصہ یہ کہ اس سلسلے میں راجح یہی ہے کہ عام حالات میں سفتجہ مکروہ اور ناجائز ہے، البتہ اگر سفتجہ مشروط یا معروف نہ ہو، یا سخت ضرورت ہو، تو اس کی گنجائش ہو سکتی ہے۔

مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ بیع

جیسا کہ گزشتہ صفحات میں یہ بات ہم عرض کر چکے ہیں کہ ایک ملک کے مختلف سکے اور کرنسی نوٹ ایک ہی جنس ہیں، اور مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہیں، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسی نوٹوں سے ان کی ذات اور مادہ (Material) مقصود نہیں ہوتا، بلکہ کرنسی نوٹ آج کل قوتِ خرید کے ایک مخصوص معیار (Standard) سے عبارت ہے، اور ہر ملک نے اس سلسلے میں الگ الگ معیار مقرر کئے ہیں، مثلاً پاکستان میں روپیہ، سعودی عرب میں ریال، امریکا میں ڈالر وغیرہ کا معیار الگ الگ ہے، جو ملکوں کے مختلف ہونے سے بدلتا رہتا ہے، ہر ملک کی کرنسی کی حیثیت کا تعین اس ملک کی قیمتوں کا اشاریہ (Index) اور اس کی درآمدات و برآمدات وغیرہ پر ہوتا ہے، اور درمیان میں ایسی کوئی مادی شے موجود نہیں، جو ان معیارات کو جوڑ دے، اور ان میں کوئی پائیدار ”تناسب“ (Proportion) قائم رکھے، بلکہ ہر ملک کے اقتصادی حالات کے تغیر سے اس ”تناسب“ میں ہر روز بلکہ ہر گھڑی تغیر واقع ہوتا رہتا ہے، کرنسیوں کے اس اختلاف کی وجہ سے ہم ان کو ایک جنس نہیں

کہہ سکتے، بلکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہی ہیں، جہاں تک ایک ملک کی کرنسی کا تعلق ہے، تو اس میں یہ بات نہیں، ایک ملک کی کرنسیاں مقدار کے اعتبار سے اگرچہ مختلف ہوتی ہیں، مثلاً دس روپے کا نوٹ اور سو روپے کا نوٹ، سو روپے کا نوٹ اور پانچ سو روپے کا نوٹ، پانچ سو روپے کا نوٹ اور ایک ہزار روپے کا نوٹ، مقدار میں اور قیمت میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں، لیکن اس کے باوجود ان میں ایک ایسا پائیدار ”تناسب“ موجود ہے، جو کسی حال تبدیل نہیں ہوتا، حالات خواہ کچھ بھی ہوں، یہ تناسب برقرار رہتا ہے، مثلاً دس روپے پاکستانی سو روپے پاکستانی کا بہر حال دسواں ہے، (۱/۱۰) اور سو روپے پاکستانی پانچ سو روپے پاکستانی کا بہر حال پانچواں (۱/۵) ہے، اور پانچ سو روپے پاکستانی ایک ہزار روپے پاکستانی کا بہر حال آدھا (۱/۲) ہے، وغیرہ، اس لئے اس ”وحدت نسبت“ کی وجہ سے پاکستانی سکے اور کرنسی نوٹ جنس واحد ہیں، یہ ”وحدت نسبت“ پاکستانی روپے اور سعودی ریال یا سعودی ریال اور امریکی ڈالر میں نہیں پائی جاتی، یعنی یہ نہیں کہا جاسکتا کہ پاکستانی روپے اور سعودی ریال میں بہر حال یہ فلاں نسبت ہے، اس لئے یہ دونوں مختلف جنس ہو گئے۔

جب مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف اجناس ہو گئیں، اور امثال متساویہ نہ رہیں، تو ان کی بیع بالاتفاق (ائمہ اربعہ) تقاضل کے ساتھ درست ہوگی، اور جنس مختلف ہونے اور بیع صرف نہ ہونے کی وجہ سے ان میں نساء بھی جائز ہوگا، اور ادھار بیچنا بھی جائز ہوگا۔

حضرات حنفیہ

حنفیہ کے ہاں ایک فلس کا دو فلسوں کے ساتھ تبادلہ اس لئے ناجائز تھا کہ وہ امثال متساویہ تھے، جس کی وجہ سے تبادلے کے وقت ایک سکہ خالی عن العوض رہ جاتا، جو ربا ہے، لیکن مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس ہونے کی وجہ سے امثال متساویہ نہیں، اس لئے ان کے درمیان کمی بیشی کے ساتھ تبادلے کے وقت کرنسی کے کسی حصے کو خالی عن العوض نہیں کہا جاسکتا۔

حضرات مالکیہ

ان کے نزدیک کرنسی اگرچہ اموالِ ربویہ میں سے ہے، لیکن جنس مختلف ہونے کی وجہ سے تفاضل جائز ہو جاتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حضرات شافعیہ اور حنابلہ

ان کے نزدیک ایک ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بھی تفاضل کے ساتھ جائز ہے، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ تفاضل کے ساتھ ان کے نزدیک بطریقِ اولیٰ صحیح ہوگا۔^(۱)

البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ:-

۱۔ مجلسِ عقد میں کم از کم ایک کرنسی پر قبضہ ہو جائے، تاکہ بیعِ الکالیٰ باکالیٰ لازم نہ آئے، جو احادیثِ مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔

۲۔ نیز بوقتِ بیع فروخت کئے جانے والی کرنسی قبضے میں ہو، تاکہ بیع قبل القبض لازم نہ آئے، جو احادیثِ مبارکہ کی رو سے ناجائز ہے۔ لہذا بعض کرنسی مارکیٹوں میں کرنسیوں کی جو محض رسید کی بنیاد پر بیع و ربیع ہوتی ہے، اور فرق برابر کیا جاتا ہے، یہ معاملہ درست نہیں۔

مختلف ممالک کی کرنسیوں میں ہنڈی کا حکم

مختلف ممالک کی کرنسیاں جب مختلف الاجناس قرار پائیں، اور ان میں نساء اور

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۲۲)

_____ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۳۸)

_____ احسن الفتاویٰ (فتویٰ بنوری تاؤن) (۹۸/۷)

_____ البنك اللاربیوی فی الاسلام (ص ۱۳۸)

_____ جدید فقہی مباحث جلد چہارم

اُدھار معاملہ کرنا درست ہو، تو اُب ہنڈی کے فی نفسہ جواز میں کوئی شبہ نہیں رہا، مثلاً زید کو عمر کو سودی عرب میں ایک ہزار ریال بیچتا ہے، اور یہ کہتا ہے کہ تم اس کے بدلے میں مجھے یا میرے عزیز کو پاکستان میں سولہ ہزار روپے دے دینا، یہ معاملہ فی نفسہ جائز ہے، البتہ اس میں یہ ضروری ہے کہ ریال پر اسی مجلس میں قبضہ ہو جائے، لیکن اگر قانوناً اس کی اجازت نہ ہو، جیسا کہ ظاہر یہی ہے، تو اس صورت میں قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

چند شبہات اور ان کا ازالہ

۱۔ بعض لوگوں نے دو کرنسیوں کے باہمی تفاضلاً اُدھار تبادلے کو سود کے زمرے میں داخل کر کے ناجائز کہا ہے، جس کی صورت یہ ہوگی کہ مثلاً: آج ڈالر کارڈ ساٹھ روپے ہے، اور اس حساب سے زید نے عمر کو پچاس ڈالر اُدھار بیچے، تو گویا کہ زید نے عمر کو آج:-

$$۶۰ \times ۵۰ = ۳۰۰۰ \text{ روپے پاکستانی}$$

دیئے، اور عمر ایک ماہ بعد ۶۲ روپے فی ڈالر کے حساب سے روپے ادا کر رہا ہے، تو عمر زید کو ایک ماہ بعد گویا کہ:-

$$۶۲ \times ۵۰ = ۳۱۰۰ \text{ روپے پاکستانی}$$

دے رہا ہے، جس میں ایک سو روپے کا اضافہ ہے، جو سود ہے، اور ناجائز ہے۔^(۱)

لیکن یہ اشکال قوی نہیں ہے، کیونکہ یہ اشکال اُدھار کے ساتھ خاص نہیں، بلکہ نقد کی صورت میں بھی ہو سکتا ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ روپے اور ڈالر جب مختلف الاجناس قرار پائیں، تو اُب اس میں تفاضل جائز ہے، خواہ نقد کی شکل میں ہو، یا اُدھار کی شکل میں ہو، اور اس کو سود نہیں کہا جائے گا۔

۲۔ بعض علماء نے دو مختلف کرنسیوں کے باہمی تبادلے کو بیع صرف قرار دے کر

(۱) رسالہ بحث و نظر ص ۱۱۵، شماره اپریل، منی، جون، ۱۹۹۰ء، اشکال از ذاکفر نجات

نا جائز قرار دیا، اور کہا کہ یہ بیع صرف ہے، لہذا اس میں تقابض ضروری ہوگا، اور اُدھار معاملہ ان کا درست نہ ہوگا، چنانچہ کتاب ”المعايير الشرعية“ میں مذکور ہے:-

”تجوز المتاجرة في العملات شريطة مراعاة الاحكام والضوابط الشرعية الآتية:

۱- ان يتم التقابض قبل تفرق العاقدین سواء اكان القبض حقیقیا ام حکمیاً“

”کرنسیوں میں درج ذیل شرائط اور شرعی اصول کو ملحوظ رکھتے ہوئے تجارت دُرست ہے:-

۱- عاقدین کے جدا ہونے سے پہلے تقابض کا مکمل ہونا ضروری ہے، خواہ قبض حقیقی ہو، یا حکمی ہو۔“ (۱)

اور ”تطور النقود“ میں ہے:-

وإذا اختلف الجنس كان يبيع الذهب بالفضة او
بالعملات الورقية المختلفة وجب الحلول والتقابض وجزا
التفاضل“

”اور جب دونوں جنس مختلف ہوں، مثلاً سونے کی بیع چاندی کے ساتھ ہو، یا مختلف کاغذی کرنسیوں کا معاملہ ہو، تو اس میں حلول (نقد ہونا)، اور تقابض ضروری ہے، البتہ تفاضل جائز ہے۔“ (۲)

اس کا جواب گزشتہ صفحات میں تفصیل کے ساتھ گزر چکا ہے کہ بیع صرف کے لئے ضروری ہے کہ دونوں جانب ثمن خلقی ہو، اگر دونوں جانب ثمن عرفی ہو، یا ایک جانب خلقی ہو، اور ایک جانب عرفی ہو، تو اس کو بیع صرف نہیں کہا جائے گا، اور اس میں تقابض

(۱) المعايير الشرعية ص ۱۵، ۱۴، ۱۳، هيئة المحاسبة والمراجعة، بحرین-

(۲) تطور النقود في ضوء الشريعة الاسلامية (ص ۱۳۵)-

ضروری نہ ہوگا، اور اس کا ادھار معاملہ بھی درست ہوگا، اگر ایک طرف ثمنِ خلقی ہو، اور دوسری طرف ثمنِ عرفی ہو، تو ایک جانب سے مجلس عقد میں قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری نہیں، یہ بات کتب فقہ میں مصرح ہے، چنانچہ فتح القدیر میں ہے:-

”وفی شرح الطحاوی : لو اشتری مائة فلس بدرهم وقبض
الفلوس او الدرهم ثم افترقا جاز البیع لانهما افترقا عن
عین بدین۔“

”اور شرح طحاوی میں ہے کہ اگر کسی نے ایک درہم کے بدلے سو
فلس خریدیں، اور فلوس یا درہم پر قبضہ کر لیا، اور پھر دونوں الگ
الگ ہو گئے، تو یہ بیع جائز ہے، کیونکہ اس میں دین کے بدلے میں
عین کا سودا کر کے جدا ہو گئے۔“^(۱)

اس میں فلوس جو ثمنِ عرفی ہے، اور درہم جو ثمنِ خلقی ہے، دونوں کے تبادلے کا
معاملہ ہے، اور اس میں ایک جانب سے قبضہ کو کافی قرار دیا گیا ہے۔

علامہ شامی نے اس سلسلے میں تین روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے راجح اور صحیح
قول یہی ہے کہ ایک اس صورت میں ایک طرف سے قبضہ کافی ہے، تقابض ضروری نہیں:

”فصار الحاصل ان ما فی الاصل یفید اشتراطه من احد

الجانبین وما فی الجامع اشتراطه منهما۔“

”حاصل یہ ہوا کہ کتاب الاصل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک

جانب سے قبضہ کافی ہے، اور الجامع سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں

جانبوں سے قبضہ ضروری ہے۔“^(۲)

اور بزاز یہ سے نقل کرتے ہیں:-

(۱) فتح القدیر (۲/۲۷۸)۔

(۲) رد المحتار (۴/۳۱۳)۔

”سئل الحانوتی عن بیع الذهب بالفلوس نسئیة فاجاب بانہ
 یجوز اذا قبض احد البدلین لما فی البیازیة:
 ”علامہ حانوتی سے فلوس کے بدلے سونے کو اُدھار فروخت کرنے
 کے بارے میں سوال کیا گیا، تو انہوں نے جواب دیا کہ یہ جائز
 ہے، بشرطیکہ ایک بدل پر قبضہ ہو، کیونکہ بزازیہ میں مذکور ہے کہ اگر
 کوئی شخص سو فلوس ایک درہم کے بدلے خریدے، تو ایک جانب
 سے قبضہ کافی ہے، فرمایا، اسی طرح اگر فلوس کے بدلے چاندی یا
 سونے کو بیچا۔“

علامہ سرحسی کا ترجمان بھی اسی طرف ہے، چنانچہ فرمایا:-

وإذا اشتری الرجل فلوسا بدراهم ونقد الثمن ولم تکن
 الفلوس عند البائع فالبیع جائز، لان الفلوس الرائجة ثمن
 كالنقود، وقد بینا ان حکم العقد فی الثمن
 وجوبها ووجودها معا ولا یشرط قیامها فی ملک بائعها
 لصحة العقد كما لا یشرط ذلك فی الدراهم والدنانیر۔
 ”جب ایک آدمی ذراہم کے بدلے میں فلوس خریدے، اور ثمن
 (ذراہم ادا کئے) ادا کیا، اور فلوس بائع کے پاس نہیں تھے، تو یہ جائز
 ہے، کیونکہ فلوس رائج نقد کی طرح ثمن ہیں، اور ہم یہ بیان کر چکے
 ہیں کہ ثمن میں عقد کا حکم صرف اس کا وجوب اور وجود ہے، اور ثمن کا
 بوقت عقد بائع کی ملکیت میں ہونا صحتِ عقد کے لئے ضروری نہیں،
 جیسا کہ یہ ذراہم اور دنانیر میں یہ شرط نہیں ہے۔“^(۱)

(۱) المبسوط للسرحسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، لبنان، دار المعرفۃ، طبع

اور جب ایک جانب میں شمنِ خلقی ہونے کے باوجود تقابض شرط نہیں، تو اگر کسی جانب بھی شمنِ خلقی نہ ہو، بلکہ دونوں طرف کرنسی ہو، مثلاً پاکستانی روپیہ اور ڈالر، تو یہاں بطریقہ تقابض شرط نہ ہوگا۔

کرنسی کو سرکاری ریٹ سے کمی بیشی کے ساتھ فروخت کرنا

آج کل روزانہ کرنسیوں کی قیمت مقرر کی جاتی ہے، اور باقاعدہ پرائس لسٹ جاری ہوتی ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس صورت میں حکومت کی مقرر کردہ قیمت کی مخالفت کرتے ہوئے کمی بیشی کے ساتھ کرنسیوں کا تبادلہ جائز ہے؟ مثلاً ڈالر کا سرکاری ریٹ ۶۰ روپے ہو، اور کوئی ڈالر ۵۸ یا ۶۲ میں فروخت کرے، تو یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں عرض یہ ہے کہ بذاتِ خود اس کی گنجائش ہے، کیونکہ مختلف ممالک کی کرنسیاں مختلف الاجناس قرار دے کر ان میں تفاضل جائز قرار دیا گیا ہے، اور تفاضل کی کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں، اس لئے فی نفسہ اس معاملے کو جائز کہا جائے گا، اور یہ معاملہ سودی نہیں ہوگا، لیکن درج ذیل وجوہات کی بناء پر اس سے احتراز لازم ہے:-

۱- یہ طریقہ کہیں حیلہ بر بانہ بنایا جائے۔

۲- ”تسعیر“ (حکومت کا نرخ مقرر کرنا) کی وجہ سے، جس طرح دیگر اشیاء میں بعض حالات میں تسعیر جائز ہے، اسی طرح کرنسی میں بھی تسعیر جائز ہوگی، اور تسعیر کے بعد لوگوں کے لئے اس کی مخالفت دُرست نہ ہوگی، اور اس کی دو وجوہات ہیں:-

الف:- مشہور قاعدہ ہے کہ جو کام معصیت اور گناہ نہ ہوں، ان میں حکومت کی

اطاعت واجب ہے۔

ب:- جو شخص جس ملک میں رہ رہا ہے، وہ قولاً یا عملاً اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ جب تک اس ملک کے قوانین کسی گناہ کرنے پر مجبور نہیں کریں گے، وہ ان قوانین کی ضرور

پابندی کرے گا۔^(۱)

(۱) کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۴۰)۔

مختلف ممالک کی کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورت قرض

جب ایک ہی ملک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض جائز ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی، تو مختلف ممالک کی کرنسیوں کا تبادلہ بصورت قرض بطریق اولیٰ درست ہوگا، مثلاً اگر زید آج عمرو سے ایک ماہ کے لئے سو ڈالر قرض لیتا ہے، اور ایک ماہ کے بعد زید عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو یہ جائز ہے، اب ایک ماہ کے بعد زید جو عمرو کو ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دیتا ہے، تو اس کی دو صورتیں ہیں:-

الف:- ایک صورت یہ ہے کہ شروع میں یہ معاہدہ ہو جاتا ہے کہ زید عمرو کو ایک ماہ بعد ڈالر کی بجائے پاکستانی روپیہ دے گا۔

ب:- دوسری صورت یہ ہے کہ پہلے سے اس طرح کوئی معاہدہ نہیں، مقررہ تاریخ آنے پر دونوں کی باہمی رضامندی سے اس طرح کیا جاتا ہے۔

دوسری صورت کے درست ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے، اور پہلی صورت بھی درست ہے، البتہ شرط فاسد ہوگی، کیونکہ قرض ان معاملات میں سے ہے، جو شرط فاسد کی وجہ سے فاسد نہیں ہوتے، بلکہ شرط فاسد خود بخود فاسد ہو جاتی ہے، پہلی صورت میں جب شرط فاسد ہوگی اور کالعدم ہوگی، تو زید مقررہ تاریخ پر عمرو کو ڈالر بھی دے سکتا ہے، اور عمرو زید کو مقررہ تاریخ پر اس بات پر مجبور نہیں کر سکتا کہ وہ حسب معاہدہ پاکستانی روپیہ ہی ادا کرے گا۔

قرض کے اس معاملے میں یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہوگا، (یعنی جس دن زید عمرو کو سو ڈالر کے بدلے پاکستانی روپیہ ادا کرے گا، اس دن کے ریٹ کا اعتبار ہوگا)، اور زید کے لئے جائز نہ ہوگا، کہ وہ عمرو کو یوم الاداء کی قیمت سے کم یا زیادہ دے، مثلاً جس دن عمرو نے زید کو سو ڈالر دیئے اس دن ڈالر کی قیمت ۶۰ روپے ہے، لیکن جس دن زید قرض ادا کرتا ہے، اس دن ڈالر کی قیمت ۶۲ روپے ہے، تو زید عمرو کو ۶۲ کے حساب سے پاکستانی

روپے کی ادائیگی کرے گا، وجہ اس کی ہے کہ قروض کے بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ:-

القروض تقضی بامثالها

یعنی ”قرض کی مثل ادا کرنا ضروری ہے۔“

جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب اشاریہ (Indexation) کا مسئلہ بیان کرتے

ہوئے فرماتے ہیں:-

”لان القروض یجب فی الشریعة الاسلامیة ان تقضی

بامثالها“

”شریعتِ اسلامیہ کی رو سے ضروری ہے کہ قرض کی مثل ادا کی

جائے۔“ (۱)

اس اصول کا تقاضا یہ ہے کہ ایک ماہ بعد عمر کو ایک سو ڈالر دیدے، کیونکہ اصل

مثل تو ڈالر ہی ہے، لیکن جب اس کو ڈالر نہیں دیتا، تو اس دن سو ڈالر کے برابر پاکستانی

روپے واپس کرے، اگر ۶۰ روپے کے حساب سے زید ادائیگی کرتا ہے، تو اس نے سو ڈالر

نہیں ادا کئے، بلکہ کم ادا کر دئے، جو کہ جائز نہیں۔

البتہ ۶۲ روپے فی ڈالر سے زیادہ لینا دینا جائز نہیں، ورنہ قرضے پر اضافہ

ہو جائے گا، اور ”مثلیت“ باقی نہیں رہے گی۔

خلاصہ یہ کہ زید کے ذمہ ایک ماہ کے بعد سو ڈالر دینے ہیں، سو ڈالر سے کم یا زیادہ

دینا جائز نہیں، ورنہ ”مثلیت“ باقی نہیں رہے گی، اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۰ کے

حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو ۶۰ کے حساب سے جتنے پاکستانی روپے ہیں، ان میں سو ڈالر

نہیں آسکتے، تو اس صورت میں کمی واقع ہوگی، اور اگر ریٹ ۶۲ روپے ہے، اور زید ۶۳ کے

حساب سے ادائیگی کرتا ہے، تو اس حساب سے سو ڈالر سے زیادہ آئیں گے، دونوں صورتوں

(۱) احکام الاوراق النقدیة (ص ۳۱)۔

میں ”مثلیت“ جو مطلوب ہے، باقی نہیں رہتی۔

اس سلسلے میں قرض اور بیع میں فرق ہے، بیع میں کمی بیشی فی نفسہ جائز ہے، وہ الگ بات ہے کہ دوسرے عوامل کی وجہ سے یہ بھی ناجائز ہے، لیکن اس کو بہر حال سودی معاملہ نہیں کہا جائے گا، لیکن قرض میں یہ صورت جائز نہیں کیونکہ قرض میں کمی بیشی ناجائز ہے۔

اس سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر زید مثلاً عمر کو سعودی عرب میں ایک ہزار ریال قرض دیدے، اور عمر اس کے بدلے پاکستان میں ایک ہزار ریال کے برابر پاکستانی روپیہ زید یا اس کے کسی ایجنٹ یا کسی عزیز کو ادا کرے، تو فی نفسہ اس کی اجازت ہے، البتہ اگر قانون میں ممنوع ہو، تو قانون کی خلاف ورزی کا گناہ ہوگا۔

نیز اس پر سفحہ والا اشکال ہوگا، اس کا جواب پیچھے گزر چکا ہے۔
فائدہ:- اوپر جو تفصیل گزری کہ یوم الاداء کی قیمت کا اعتبار ہے، اس سے کمی بیشی ناجائز ہے، اس کمی بیشی سے مراد وہ کمی بیشی ہے جو قیمتِ مثل سے کے مقابلے میں ہو، اور قیمتِ مثل کی تین صورتیں ہیں:-

۱- بنک ریٹ کے مطابق۔

۲- اوپن مارکیٹ ریٹ کے مطابق۔

۳- ان دونوں کے درمیان والا ریٹ۔

مثلاً بنک ریٹ ۶۰ روپے ہے، مارکیٹ ریٹ ۶۲ روپے ہے، تو اس میں اختیار ہے کہ ۶۰ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۲ کے حساب سے ادا کریں، یا ۶۱ کے حساب سے ادا کریں، لیکن ۵۹ کے حساب سے یا ۶۳ کے حساب سے ادائیگی جائز نہیں۔

کرنسی نوٹوں کا تبادلہ بصورتِ معاہدہ / مواعدہ

جو مالیاتی ادارے اسلامی اور شرعی اصولوں کے مطابق کاروبار کرتے ہیں، وہ یہ

طریقہ درآمدات اور برآمدات میں بطور ”اسلامی متبادل“ (Islamic Alternative) استعمال کرتے ہیں، تفصیل ذیل میں ملاحظہ ہو:-

درآمد/برآمد کنندگان کے لئے ایل سی (LC) اور امپورٹ/ ایکسپورٹ کنٹریکٹ کے تحت فارن ایکسچینج کوری سہولت فراہم کی جاتی ہے، یہ سہولت فراہم کرنے کی بہت اہمیت ہے، کیونکہ موجودہ دور میں کرنسیوں کی قیمتوں کے وقتاً فوقتاً اتار چڑھاؤ کی وجہ سے درآمد کنندگان اور برآمد کنندگان کو نفع و نقصان کا تخمینہ لگانا اور اپنے آپ کو ممکنہ نقصان سے بچانا اور تجارت جاری رکھنا بہت مشکل ہو جاتا ہے، اس وجہ سے بینک فارن ایکسچینج کوری سہولت فراہم کرتے ہیں، تاکہ مستقبل میں ڈالر خریدنے اور بیچنے میں نقصان نہ ہو، یہ بات واضح رہے کہ درآمد کنندگان کو درآمد کردہ اشیاء کی قیمت ڈالر یا زرمبادلہ میں درآمد شدہ سامان کے کاغذات کے وصول ہونے کے بعد برآمد کنندہ کو کرنے ہوتے ہیں، جس کے لئے ڈالر یا زرمبادلہ خریدنا ہوتا ہے، اس کے برخلاف برآمد کنندگان کو اپنے درآمد کردہ سامان کی قیمت وصول ہوتی ہے، جس کی فروخت کر کے وہ پاکستانی روپے حاصل کرتے ہیں۔

فارورڈ کورنٹریکٹ

موجودہ سودی نظام میں درآمد/برآمد کنندگان ایل سی (LC) کھولنے کے بعد غیر ملکی کرنسیوں کی خرید و فروخت کے لئے ”فارورڈ کورنٹریکٹ“ کسی بینک کے ساتھ مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ کر سکتا ہے:-

۱- اس کنٹریکٹ کی مدت کم از کم ایک ماہ ہو۔

۲- اگر ایک ماہ سے پہلے ادائیگی کرنی ہو، تو جس دن ادائیگی کرنی ہو، اس دن

کے اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹربنک) ریٹ کے حساب سے ادائیگی کی جائے گی، فارورڈ کورنٹریکٹ مقررہ تاریخ پر مروجہ طریقہ کار کے مطابق ختم کی جائے گا۔

فارورڈ کو کنٹریکٹ کا مردّہ طریقہ کار درج ذیل ہے:-

- ۱- درآمد کنندہ (ایمپورٹر) کو ایک ملین ڈالر آج سے ۹۰ دن بعد درآمد کنندہ (ایکسپورٹر) کو ادا کرنے ہیں، وہ چونکہ یہ نہیں جانتا کہ ۹۰ دن کے بعد ایک ڈالر کے کتنے روپے بنیں گے کہ جس کے حساب سے وہ اپنی بجٹ پلان کرنے، اس وجہ سے وہ کمرشل بینک سے فارورڈ کو کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا ہے، جس کا طریقہ کار درج ذیل ہے:-
- ۲- فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ (Spot) یعنی نقد (انٹر بینک) قیمت ۶۰ روپے ہے۔

۳- کمرشل بینک مثلاً نیشنل بینک ایک ملین امریکی ڈالر آج ۶۰ روپے کے حساب سے مارکیٹ سے خرید لیتا ہے، موقع پر ہی ان کو حبیب بینک کو ۶۰ روپے کے حساب سے ہی فروخت کرتا ہے، اور ساتھ ایک معاہدہ ہوتا ہے کہ ایک ماہ بعد ڈالر کی قیمت کچھ بھی ہو، نیشنل بینک حبیب بینک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے خریدے گا۔

۴- نیشنل بینک دس چھپے فی ڈالر اپنی فیس اس قیمت میں شامل کر کے درآمد کنندہ سے ۱۰۶ روپے فی ڈالر کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد ایک ملین امریکی ڈالر فروخت کرنے کا معاہدہ کر لیتا ہے۔

۵- اب دو صورتیں پیش آسکتی ہیں:-

الف:- درآمد کنندہ نیشنل بینک کو ۱۰۶ ملین روپے ادا کرتا ہے، نیشنل بینک اے روپے اپنی فیس رکھتا ہے، اور ۶۱ ملین روپے حبیب بینک کو ادا کر کے ایک ملین ڈالر حاصل کرتا ہے، جس کے ذریعہ وہ (نیشنل بینک) درآمد کنندہ کو ادا یگی کرتا ہے، اس صورت میں یہ عقد سابقہ ذکر کردہ شرائط کے ساتھ مکمل ہو گیا۔

ب:- ۹۰ دن سے پہلے درآمد کنندہ نیشنل بینک کو مطلع کرتا ہے کہ کنٹریکٹ کے کینسل ہونے کی بناء پر وہ ڈالر نہیں خرید سکے گا، لہذا اب وہ اس عقد کو ختم کرنا چاہتا ہے،

(اگر وہ ڈالر رکھنا بھی چاہے، تو اسے سٹیٹ بینک کے قوانین کے مطابق کنٹریکٹ کے بغیر ڈالر وصول کرنے کی اجازت نہیں) اسٹیٹ بینک کے قوانین کی رو سے درآمد کنندہ وہ ڈالر بنگلہ ریٹ یعنی ۱۶۱ روپے فی ڈالر کے حساب سے خرید کر فوراً نیشنل بینک کو یہی ڈالر بازاری قیمت یا معاہدے کے دن کی بازاری قیمت میں سے جو بھی کم ہو، اس قیمت پر واپس نیشنل بینک کو فروخت کرنے کا پابند ہوگا، مثلاً:-

زیر بحث مثال میں معاہدے کے دن کی قیمت فی ڈالر ۶۰ روپے تھی، اب فرض کیجئے کہ تیس دن بعد کنٹریکٹ کنسیسل ہو رہا ہے، اس دن اس کی قیمت ۶۱ تک بڑھ جاتی ہے، اس صورت میں نیشنل بینک اپورٹرز سے ۶۰ روپے کے حساب سے ڈالر واپس خریدے گا، اس میں اپورٹرز کو ایک ملین روپے گویا کہ جرمانے کے طور پر ادا کئے۔

یہ فارن ایکسچینج کور کارروایتی اور سودی طریقہ ہے، جو شرعاً جائز نہیں۔ اس کا شرعی متبادل طریقہ یہ تجویز کیا جاتا ہے کہ:-

۱- اپورٹرز کو ایک ملین امریکی ڈالر آج سے ۹۰ دن کے بعد ادا کرنے ہیں، وہ اس کے لئے مثلاً میزان بینک سے فارورڈ کور کنٹریکٹ کرنے کے لئے رابطہ کرتا ہے۔

۱- فرض کریں کہ ڈالر کی اسپاٹ قیمت ۶۰ روپے ہے۔

۲- میزان بینک، حبیب بینک سے ایک معاہدہ کرتا/ دو طرفہ وعدہ ہے کہ تین ماہ بعد میزان بینک حبیب بینک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے خریدے گا، (اس دو طرفہ وعدے کے تحت خرید و فروخت کا عقد تین ماہ مقررہ مدت پر ہی انجام پائے گا۔) معاہدے کے تحت میزان بینک تین ماہ کے بعد حبیب بینک سے خریدنے کا عقد کرے گا، اور ۶۱ ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر لے گا، حبیب بینک ایک ملین ڈالر آج کی تاریخ میں بازار سے خرید کر اپنے پاس محفوظ کر لے گا، تاکہ وہ تین ماہ بعد میزان بینک کو فروخت کر سکے۔

۳- میزان بینک دس پیسے فی ڈالر اپنا نفع اس قیمت میں شامل کر کے درآمد کنندہ

شرعی نقطہ نظر سے

سے ۶۱ء روپے کے حساب سے آج سے ۹۰ دن کے بعد فروخت کرنے کا دو طرفہ وعدہ کر لیتا ہے۔ معاہدے کے تحت میزان بنک تین ماہ کے بعد امپورٹر سے فروخت کرنے کا عقد کرے گا، اور ۶۱ء ملین روپے کے عوض ایک ملین ڈالر دیدے گا۔

اب یہاں پر وہی دو صورتیں پیش آ سکتی ہیں جو طریقہ اول میں ”الف“ اور ”ب“ کے عنوان سے گزر گئیں۔

”الف“ تو واضح ہے، اور ”ب“ کی صورت میں میزان بنک وہ معاہدہ جو امپورٹر کے ساتھ کیا گیا تھا، مندرجہ ذیل طریقے سے ختم کیا جائے گا:-

۱- میزان بنک، مسلم کمرشل بنک کے ساتھ فارورڈ کور کنٹریکٹ کرے گا کہ میزان بنک کو وہ ڈالر جو اسے حبیب بنک سے ۹۰ دن پر خریدنے ہیں، اور جن کی اب امپورٹر کو ضرورت نہیں رہی، وہ ڈالر مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا، فرض کریں یہ کنٹریکٹ ۵۹ روپے فی ڈالر پر طے ہوتا ہے۔

۲- معاہدے کی خلاف ورزی کی وجہ سے میزان بنک امپورٹر سے اپنا نقصان پورا کرنے کی حد تک وصول کرے گا، اس مثال میں میزان بنک درآمد کنندہ سے ۲ روپے فی ڈالر (۶۱-۵۹=۲) چارج کرے گا۔

۳- ۹۰ دن بعد میزان بنک حبیب بنک سے ڈالر ۶۱ روپے کے حساب سے حاصل کرے گا، اور ۵۹ روپے کے حساب سے مسلم کمرشل بنک کو فروخت کرے گا۔ پہلے طریقے میں جو مروجہ ہے، اس میں مستقبل کی طرف بیع کی نسبت ہوتی ہے، جو شرعاً ناجائز ہے، نیز اس میں بیع عینہ کی خرابی بھی ہے، اس سے بچنے کے لئے دوسرا طریقہ اختیار کیا گیا ہے، جس میں بیع عینہ کی خرابی بھی نہیں، اور مستقبل کی طرف بیع کی نسبت نہیں، بلکہ محض دو طرفہ وعدہ ہے۔

مستقبل کی بیع تو بالاتفاق ناجائز ہے، کیا مستقبل میں دو طرفہ وعدہ جائز ہے؟ اس میں بھی علماء کے درمیان اختلاف ہے:-

دو طرفہ وعدے کا ایفاء فریقین پر قضاء لازم ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دو مختلف اقوال سامنے آئے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

قولِ اوّل:- دو طرفہ وعدہ قضاء لازم نہیں ہوتا، مجمع الفقہ الاسلامی جدہ نے اپنے پانچویں اجلاس میں اسی کو اختیار کیا ہے، اس قول کی بنیاد امام مالکؒ کے ایک قول پر ہے جس میں امام مالکؒ نے ایسے عقود اور معاملات جن کو فی الحال سرانجام نہیں دیا جاسکتا، ان پر دو طرفہ وعدہ کرنے کو ناجائز قرار دیا ہے۔ مثلاً قبضے سے قبل کھانے کی بیع فی الحال سرانجام نہیں دی جاسکتی، لہذا اس عقد پر دو طرفہ وعدہ بھی نہیں کیا جاسکتا۔ البتہ امام مالکؒ سے منسوب اس سلسلے میں دو قول اور بھی ہیں، جن میں سے ایک قول کے مطابق یہ موعده مکروہ اور دوسرے قول کے مطابق یہ موعده جائز ہے۔ چنانچہ ایضاح المسالک کی عبارت میں یہ بات مذکور ہے:-

”القاعدة الخامسة والستون: الاصل منع المواعدة بما لا يصح وقوعه في الحال حماية-

ومن ثم منع مالك المواعدة في العدة وعلى بيع الطعام قبل قبضه وقت نداء الجمعه وعلى ما ليس عندك- وفي الصرف مشهورها المنع، وثالثها الكراهة وشهرت ايضا لجوازها في الحال وشبهت بعقد فيه تأخير وفسرت به المدونة“^(۱)

(۱) ایضاح المسالک، الوئشریسی (ابو العباس احمد بن یحی) متحدہ عرب امارات، رباط، التراث الاسلامی، طبع اول ۱۹۸۰ء (ص ۲۷۸)

وفي القوانین الفقہیہ :

الفرع الخامس یکرہ الوعد فی الصرف علی المشهور
وقیل یجوز وقیل یمنع۔^(۱)

مجمع الفقہ الاسلامی کی قرارداد کا متن بھی ذیل میں مذکور ہے:-

قرارات مجمع الفقہ الاسلامی:

ثالثا: المواءمة وهي التي تصدر من الطرفين تجوز في
بيع المرابحة بشرط الخيار المتواعدين كليهما او
احدهما فاذا لم يكن هناك خيار فانها لا تجوز، لان المواءمة
الملزمة في بيع الربحة تشبه البيع بنفسه، حيث يشترط
عندئذ ان يكون البائع مالكا للمبيع حتى لا تكون هناك
مخالفة نهى النبي ﷺ عن بيع الانسان ما ليس عنده۔^(۲)

ھیئۃ المراجعة والمحاسبة للمؤسسات المالية الاسلامیة بحرین کی

مجلس شرعی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے:-

لا یجوز ان تشتمل وثیقة الوعد او ما فی حکمها علی
مواعدة ملزمة للطرفین (المؤسسة والعمیل) لانها تشبه
حينئذ عقود البيع نفسه قبل التملك۔ (۲/۳) یجوز
اصدار المواعدة من المؤسسة والعمیل الأمر بالشراء اذا
كانت بشرط الخيار للمتواعدین كليهما او احدهما۔^(۳)

(۱) القوانین الفقہیة، الجزی (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزی المالکی متوفی

۵۷۴ھ، بیروت، دارالقلم، طبع اول ۱۹۷۷ء (ص ۱۶۶)

(۲) قرارات، قرار ۴۱/۳ جده، السعودیہ العربیہ۔

(۳) المتطلبات الشرعیة لصیغة المرابحة للأمر بالشراء، بحرین (۱۶)

اور ”المعايير الشرعية“ میں ہے:-

تحريم المواعدة في المتاجرة في العملات اذا كانت ملزمة
للطرفين ولو كان ذلك لمعالجة مخاطر هبوط العملة، اما
الوعد من طرف واحد فيجوز ولو كان ملزماً۔^(۱)

اور اسی میں ایک اور جگہ ہے:-

تحريم المواعدة الملزمة في مبادلة العملات هو ما عليه
جمهور الفقهاء۔ لان المواعدة الملزمة من طرفي المبادلة
تشبه العقد الخ^(۲)

مذکورہ عبارات خلاصہ

ان حضرات کی مذکورہ بالا عبارات کا حاصل یہی ہے کہ دوطرفہ وعدہ اس عقد کے
مشابہ ہے جو فی الحال ناجائز ہوتا ہے، مثلاً دوطرفہ وعدہ بیع جس میں بیع مستقبل میں واقع
پذیر ہوگی، اس لئے ناجائز ہے کہ یہ اس بیع کے مشابہ ہے جس میں بیع ابھی بائع کی ملکیت
میں نہ آئی ہو، جس کی وجہ سے بیع مستقبل کی طرف مضاف ہو، لہذا یہ بیع فی الحال ناجائز
ہوگی، کیونکہ اس میں بیع مالیس عندک (یعنی ایسی چیز کی فروختگی جو بائع کی ملکیت میں نہ
ہو) یا بیع قبل القبض لازم آتی ہے۔ جو ناجائز ہے۔ اور چونکہ مواعدہ بھی ایسے وقت میں
کیا جا رہا ہے جب بائع کے پاس بیع موجود نہیں ہے لہذا یہ اس بیع کی مانند ہو گیا جو قبضے سے
قبل کی جائے۔

دوسرا قول

دوسرا قول یہ ہے کہ دوطرفہ وعدے کو مواعدہ حاجت میں فریقین پر قضاء لازم کیا

(۱) المعايير الشرعية، بحرین، (ص ۱۸)

(۲) المعايير الشرعية (ص ۲۵)

جاسکتا ہے یہ قول احناف، شافعیہ وغیرہ کا ہے، ان حضرات کی عبارات درج ذیل ہیں:-

فتاویٰ خانیہ علی ہامش الہندیہ :

وان ذکر البیع من غیر شرط ثم ذکر الشرط علی وجہ
المواعدة جاز البیع ویلزمہ الوفاء بالوعد لان المواعدة
قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس-^(۱)

وفی شرح المجلة للاتاسی:

وان ذکر البیع من غیر شرط ثم الشرط علی وجہ
المواعدة فالبیع جائز ویلزم الوفاء بالوعد لان المواعید
قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة الناس وقال
بعد اسطر: وان ذکر البیع بلا شرط ثم ذکر الشرط علی
وجہ المواعدة جاز البیع ولزم الوفاء وقد یلزم الوعد
فیجعل هنا لازماً لحاجة الناس الیہ-^(۲)

اور ”تطور النقود“ میں ہے:-

الصورة الخامسة: هی المواعدة علی الصرف وذلك بان
یتفق العميل مع المصرف علی ان یشتری منه بعد شهر
مثلاً نقداً بالآخر كالدولار بالاسترلینی او بالریال، فاذا
حل الاجل المضروب للصرف ابرماً عقد الصرف بينهما
وتقاضى بالسعر الحاضر۔ ویلجأ التجار عادة الی هذه الصورة

(۱) الفتاویٰ خانیہ علی ہامش العالمگریہ (۱۶۵/۲)

(۲) شرح المجلة، الاتاسی (العلامہ محمد خالد الاتاسی) پاکستان، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ

لاستخدامها في عمليات الاستيراد والتصدير حتى
 يضمنوا تجهيز العملة الاجنبية اللازمة للوفاء بالتزاماتهم
 المستقبلية- وحكم هذه الصورة : الصحة لوجود حقيقة
 الصرف وشرطه والمواعدة السابقة جائزة لاشئ فيها عند
 اكثر العلماء، ومن نص على هذا الشافعي رحمه الله حيث
 قال: واذا تواعد الرجلان الصرف فلا بأس ان يشتري
 الرجلان الفضة ثم يقرانها عند احدهما حتى يتبايعاها
 ويصنعا بها ماشاءا، كما نص على ذلك ابن حزم فقال:
 والتواعد في بيع الذهب بالذهب او بالفضة وفي بيع
 الفضة بالفضة وفي سائر الاصناف الاربعة بعضها ببعض
 جائز تباعا بعد ذلك اولم يتبايعا لانه لم يأت نهى عن
 شئ من ذلك ولا دليل لبعض المالكية على
 كراهة هذه المواعدة او فسادها. (۱) -

مذکورہ عبارات کا خلاصہ

مذکورہ عبارات کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ ”مواعدہ“ (جانبین سے وعدہ) بعض
 اوقات صحیح ہو جاتا ہے، اور قضاء لازم بھی کیا جاتا ہے، اور اسی موقف کو ”صاحب عطر الہدایہ“
 نے بھی اختیار کیا ہے۔ (۲)

یہی جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کا بھی ہے، چنانچہ وہ اپنے ایک مقالے میں

(۱) تطور النقود (ص ۱۳۸)

(۲) عطر الہدایہ، لکھنوی (بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی) مکتبہ

نشر القرآن دیوبند، یوپی، ہندوستان۔ (ص ۲۴۳ تا ۲۴۵)

اس مسئلے پر بحث کے دوران فرماتے ہیں:-

وان عبارة قاضى خان رحمه الله بصفة خاصة صريحة فى ان المواعدة يمكن ان تجعل لازمة عند الحنفية لحاجة الناس، والمواعدة انما تكون من الطرفين فتبين انه لا بأس بجعلها لازمة عند الحنفية لحاجة الناس، ولا شك ان الحاجة فى الزام المواعدة ظاهرة الخ

”اور قاضی خان کی عبارت ایک خاص صفت کے ساتھ اس سلسلے میں صریح ہے کہ مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے حضرات حنفیہ کے نزدیک لازم قرار دیا جاسکتا ہے، اور مواعدہ طرفین سے ہوتا ہے، تو یہ بات ظاہر ہوگئی کہ حنفیہ کے نزدیک مواعدہ کو لوگوں کی ضرورت کی وجہ سے لازم قرار دے دیا جائے، اور اس میں شک نہیں کہ مواعدہ کو لازم قرار دینے میں ضرورت بالکل واضح ہے۔“^(۱)

مناقشہ اور ترجیح

ان دونوں قولوں میں سے ہمارے نزدیک دوسرا قول راجح ہے، کیونکہ مسئلہ منصوص تو ہے نہیں، بلکہ اجتہادی ہے، لہذا حالاتِ زمانہ کا تقاضا یہ ہے کہ مواعدہ کو قضاءً لازم قرار دے دیا جائے، لیکن اس میں یہ شرط ہے کہ یہ مواعدہ کا لزوم صرف مواقعِ ضرورت میں ہے، اور مواقعِ ضرورت سے مراد یہ ہے کہ وعدے کی خلاف ورزی کی صورت میں کسی ایک فریق کا نقصان ہو رہا ہے۔

جو قول اولوں نے جو دلیل پیش کی ہے کہ اس صورت میں دوطرفہ وعدہ عقدِ مستقبل کے مشابہ ہو جائے گا، اور ایک ایسی چیز کا مواعدہ لازم آجائے گا، جو بوقتِ وعدہ

(۱) عقود التورید والمناقصة، مخطوطہ، جامعہ دارالعلوم کراچی (ص ۴)

ہاتھ میں نہیں ہے، یہ دلیل کوئی وزنی دلیل نہیں ہے، کیونکہ وعدہ اور عقد میں احکام اور نتائج کے اعتبار سے فرق ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دو طرفہ وعدہ حقیقت میں کوئی قطعی عقد نہیں ہوتا ہے، بلکہ وہ تو صرف ایک وقت مقررہ پر عقد منعقد کرنے کا وعدہ ہوتا ہے، لہذا دونوں وعدہ کرنے والوں کو مقررہ تاریخ آنے پر باقاعدہ ایجاب و قبول کرنا ہوگا، عقد کے فوری منعقد ہونے یا صرف وعدہ عقد کرنے کے درمیان ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ جس شخص نے مثلاً خریداری کا عقد کیا، تو بیع فوری طور پر خریداری کی طرف منتقل ہو جاتی ہے، اور اگر بیع سلم ہے، تو بیع اس کے ذمہ دین بن جاتی ہے، لہذا ذمہ داری کا منتقل ہو جانا ایجاب و قبول کے فوراً بعد ہوگا، لہذا ایک اگر ایک شخص نے ایک مکان خرید اور اس نے ابھی نے اس کی قیمت بائع کو ادا نہیں کی، تو یہ شخص فوراً بائع کا مدیون بن گیا، چنانچہ اب اس پر مدیون کے سارے احکام لاگو ہوں گے، لہذا اب اس پر دین کی حد تک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، اور مشتری مفلس ہو گیا، تو وہ بقیہ دوسرے قرض خواہوں کے مساوی سمجھا جائے گا، اسی طرح اگر کسی نے بیع کے تحت کوئی گندم فروخت کی، تو وہ شخص خریدار کا اس مقدار کی حد تک گندم کا مدیون ہو گیا، لہذا اس پر بھی اس مقدار تک زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی، وغیرہ۔

لیکن دو طرفہ وعدہ کسی پر بھی دین نہیں بنتا، اور اس پر مذکورہ بالا نتائج مرتب نہیں ہوتے، جیسا کہ ظاہر ہے، بلکہ مذکورہ نتائج اس وقت مرتب ہوں گے، جب یہ دونوں وقت مقررہ پر باقاعدہ ایجاب و قبول کر کے بیع کو منعقد کریں گے، اس سے پہلے محض وعدے کی بنیاد پر کوئی حکم متوجہ نہیں ہوگا۔^(۱)

دو طرفہ وعدے کے قضاء لزوم پر کیا اثر مرتب ہوگا؟

دو طرفہ وعدے کے قضاء لازم ہونے کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ:-

۱- حاکم دونوں فریقین کو اس مقررہ تاریخ پر عقد کرنے اور نافذ کرنے پر مجبور

کرے گا، اور کسی کو انکار جائز نہیں ہوگا۔

(۱) عقود التورید والمناقصہ (ص ۵)۔

۲- اور اگر ان میں سے کسی ایک نے وعدہ پورا کرنے سے انکار کیا، جس کی وجہ سے دوسرا فریق حقیقتہً کسی مالی نقصان میں مبتلا ہو گیا، تو اس صورت میں حاکم یا قاضی اسے اس حقیقی نقصان کی تلافی پر مجبور کرے گا، اور اس سلسلے میں درج ذیل حدیث سے استدلال کیا گیا ہے:-

“لا ضرر ولا ضرار فی الاسلام“

”اسلام میں نہ ضرر ہے، اور نہ کسی کو ضرر پہنچانا ہے۔“^(۱)

لہذا ثابت ہو گیا کہ کرنسیوں کا تبادلہ بصورتِ معاہدہ/مواعدہ راجح قول کے مطابق درست ہے۔

کرنسی کے کاروبار کی ایک نئی اور عالمگیر شکل

عالمی مارکیٹ میں کرنسی کا کاروبار کیا جاتا ہے، جس کی شکل یہ ہوتی ہے کہ امریکا سے پوری دنیا میں مختلف ممالک کے کرنسی نوٹوں کی قیمتوں کا اجراء ہوتا ہے، ایک آدمی لاہور پاکستان میں بیٹھ کر سیٹلائٹ کے ذریعے کمپیوٹر سکرین پر وہ قیمتیں وصول کرتا ہے، قیمتیں ملکی حالات کی وجہ سے کم یا زیادہ ہوتی رہتی ہیں، یہ آدمی ان قیمتوں پر کرنسی کی خرید و فروخت کرتا ہے، لیکن یہ آدمی ضابطے کی رُو سے براہِ راست یہ کاروبار نہیں کر سکتا، بلکہ کسی کمپنی کے ذریعے یہ کاروبار کرتا ہے، کمپنی نے ایک اصول وضع کیا ہوتا ہے، وہ یہ کہ دولاکھ ڈالر کی ایک لاکھ ہوتی ہے، جو آدمی خرید کر پھر اس کو فروخت کر سکتا ہے، لیکن اس آدمی کو صرف اس کا ۵ فیصد کمپنی کو اپنے نام پر جمع کروانا ہوتا ہے، جو کہ صرف ۱۰۰۰ ڈالر بنتا ہے، ایک ہزار ڈالر سے اپنا اکاؤنٹ کھلوا کر اب یہ آدمی اس قابل ہوتا ہے کہ دنیا کی مارکیٹ میں یہ آدمی ایک لاکھ خرید سکتا ہے، اس آدمی کی طرف سے بقیہ رقم بطور ضمانت کمپنی جمع کراتی ہے، تو اس طرح اس آدمی کا بظاہر ایک ہزار ڈالر کی سرمایہ کاری ہوئی، لیکن یہ آدمی کاروبار دولاکھ ڈالر کا کر رہا ہوتا ہے، یعنی یہ آدمی دولاکھ ڈالر کی کرنسی کی خرید و فروخت کر سکتا ہے۔

(۱) الددایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ (۲/۲۸۲)

اب اس آدمی کو نفع یا نقصان کس طرح ہوتا ہے؟ اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ یہ آدمی کمپیوٹر سکریں پر دنیا کے مختلف بینکوں کی طرف سے دی گئی قیمتوں کا جائزہ لیتا ہے، اور کرنسی کے ماہرین اپنی رائے دیتے رہتے ہیں کہ آیا اس کرنسی کی قیمت آئندہ بڑھ جائے گی، یا کم ہو جائے گی، اس کے علاوہ اس آدمی کو کرنسی کے متعلق مختلف ملکوں کی خبریں بھی موصول ہوتی رہتی ہیں، اور پھر کمپیوٹر پر ہی مخالف گراف کے ذریعے اس کرنسی کی صورت حال کا جائزہ لیتا ہے، کہ آئندہ لمحات میں اس کرنسی کی کیا صورت حال ہوگی، تو ان تمام قرآن کے ذریعے یہ آدمی ایک رائے قائم کر کے اس کو خرید لیتا ہے، مثلاً سکریں پر اس کو پاؤنڈ سٹرلنگ کی قیمت ۶۷۰۰ نظر آ رہی ہے، یہ آدمی کمپنی کے ذریعے بذریعہ ٹیلی فون اس بنک سے اس قیمت کی تصدیق کرواتا ہے کہ آیا آپ کی قیمت فروخت یہی ہے، وہ اس کی تصدیق کر لیتا ہے، تصدیق کے بعد یہ شخص پہلے ان سے زبانی معاہدہ کرتا ہے کہ ایک لاکھ میں نے خرید لی، اور یہ سیری ہوگئی، اب اس کو ہر صورت اس کا نفع یا نقصان اٹھانا ہوگا، اس خریداری پر حسی قبضہ (Physical Possion) کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، کیونکہ وہ کرنسی اس سے ہزاروں میل دور ہے، لیکن حکمی قبضہ (Constructive Possion) ہو گیا، یعنی وہ کرنسی اس کے ضمان میں آگئی، اب جب اس کرنسی کی قیمت بڑھ گئی تو اس طریقے پر بذریعہ ٹیلی فون اس نے اس کو فروخت کر دیا، مثلاً اگر ۶۷۰۰ پر خریدا اور ۶۷۱۰ پر اس کو فروخت کر دیا، اور قیمت فروخت کا بھی تحریری معاہدہ ہو گیا، جو دس اعشاریہ اس کو نفع میں بچے، اس کی قیمت ۱۲۵ ڈالر ہوئی، وہ اس طرح کہ انہوں نے ایک پوائنٹ کی قیمت ۵۰۶۱۲ ڈالر طے کی ہوئی ہے، اس طرح:-

$$۱۰ \text{ پوائنٹ کی قیمت } ۵۰۶۱۲ \times ۱۰ = ۱۲۵$$

یہ اس شخص کا نفع ہے، اگر کرنسی کی قیمت کم ہو جائے، تو اسی شرح سے اس کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔

بیچ میں جو کمپنی ہے، وہ کاروبار کروانے کے لئے درج ذیل سہولتیں مہیا کرتی ہے:-

۱- ٹیلی فون کے ذریعے رابطہ۔

۲- مارکیٹ جہاں بیٹھ کر کاروبار کیا جاتا ہے۔

۳- انٹرنیٹ سسٹم۔

۴- دو لاکھ ڈالر کا زرضمانت، وغیرہ۔

ان تمام سہولتوں کے ساتھ یہ شخص ایک ”ٹریڈ“ مکمل کر لیتا ہے، یعنی ایک دفعہ کرنسی خرید کر پھر فروخت کرنے کو ایک ٹریڈ کہتے ہیں۔

اس ایک ٹریڈ پر کمپنی ۶۰ ڈالر کمیشن وصول کرتی ہے، اس ٹریڈ میں نفع ہو یا نقصان، کمپنی کا ۶۰ ڈالر کمیشن ملے ہے، یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ ایک کرنسی کو اسی دن خرید کر فروخت کر دے، اگر آج اس نے کرنسی خریدی ہے، اور اس کی قیمت مناسب نہیں مل رہی ہے، پھر اس کو ایک دن یا چند دن بعد فروخت کرنا چاہتا ہے، تو کمپنی اس سے ۶۰ ڈالر کے علاوہ ہر دن کے حساب سے ۲۰ ڈالر مزید وصول کرے گی، اس لئے کہ کمپنی کا دو لاکھ ڈالر کاروبار میں بطور زرضمانت جمع ہو رہا ہے، اس پر کمپنی ۲۰ ڈالر یومیہ وصول کرتی ہے۔

اس وقت پوری دُنیا میں کھربوں ڈالر کا یہ کاروبار روزانہ ہوتا ہے، ایک اندازہ کے مطابق دُنیا میں سب سے بڑا کاروبار یہ ہو رہا ہے۔

اس شکل میں یہ کاروبار شرعی نقطہ نظر سے جائز نہیں، جس کی وجوہات درج

ذیل ہیں :-

۱- جہاں تک ہمیں معلوم ہے اس طرح کاروبار میں جب کوئی لاٹ خریدی جاتی ہے، تو وہ خریدار کو متعین اور الگ کر کے حوالے نہیں کی جاتی، بلکہ اس کے اکاؤنٹ میں تحریر کر دی جاتی ہے، پھر جب وہ خریدار اسے آگے کسی شخص کو فروخت کرتا ہے، تو اس وقت اگر اسے نفع ہو، تو صرف نفع واپس کر دیا جاتا ہے، اور اگر نقصان ہو، تو اس سے وہ نقصان طلب کر لیا جاتا ہے، خلاصہ یہ کہ پوری خرید کردہ لاٹ تحویل میں نہیں دی جاتی، بلکہ کاغذی طور اس کے اکاؤنٹ میں منتقل کر دی جاتی ہے، اور آخر میں نفع اور نقصان کا فرق برابر کر لیا جاتا

ہے، جو سٹے کی ایک قسم ہے۔

۲- یہ واضح رہے کہ کرنسی کے حکمی قبضے کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ کرنسی کی قیمت بڑھنے یا گھٹنے کا نقصان متعلقہ شخص کے ذمے ہو جائے، بلکہ قبضے کے لئے یہ ضروری ہے کہ خریدی ہوئی کرنسی غیر خریدی شدہ کرنسی سے بالکل ممتاز کر کے کر لی جائے، اور خریدار یا تو خود قبضہ کرے، یا اس کا کوئی وکیل اس کی طرف اسے اپنی تحویل میں اس طرح لے لے کہ وہ متعین کرنسی جل جائے یا چوری ہو جائے، تو نقصان اس خریدار کے ذمہ سمجھا جائے، ظاہر ہے کہ یہ صورت مذکورہ کاروبار میں نہیں کہ کرنسی کو الگ کر لیا گیا ہو، اور خریدار یا اس کے کسی نمائندے کی تحویل میں دیا گیا ہو۔

واضح رہے کہ کہ شرعی اعتبار سے کرنسی اور دوسری اجناس کی تعیین میں یہ فرق ہے کہ دوسری اجناس اشارے یا علامتوں سے متعین ہو سکتی ہیں، لیکن کرنسی اس وقت تک متعین نہیں ہوتی، جب تک کہ اس پر کوئی کوئی شخص خود یا اپنے نمائندے کے ذریعے قبضہ نہ کرے۔

۳- اوپر ذکر کردہ طریقے میں خریدار صرف ایک ہزار ڈالر کی ادائیگی کرتا ہے، باقی کی ادائیگی نہیں کرتا، اگرچہ باقی رقم کمپنی بطور زر ضمانت جمع کراتی ہے، مگر یہ رقم درحقیقت خریدار کے ذمہ دین ہوتی ہے، دوسری طرف کرنسی بیچنے والا خریدار کو اس شرعی طریقے پر قبضہ نہیں دیتا جس کا ذکر اوپر ۲ میں کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ رقم دونوں طرف دین ہوتی ہے، لہذا ”بیع الکاٹی بالکاٹی“ میں داخل ہونے کی وجہ سے جائز نہیں۔

۴- درمیانی کمپنی جو کمیشن وصول کرتی ہے، وہ یا تو ضمانت کی فیس ہے، یا تو اس رقم کا معاوضہ ہے جو وہ خریدار کی طرف سے فروخت کرنے والے کو ادا کرتی ہے، پہلی صورت میں یہ ”أجرت علی الکفالة“ ہے، اور دوسری صورت میں یہ قرض پر سود ہے، اور دونوں طریقے ناجائز ہیں۔



بابِ ششم

قدرِ ذَرِّكَا (Value)

قدرِ ذَرِّكَا

پُرانے زمانے میں کرنسی یا ذَرِّكَا تعلق سونے چاندی کے ایک مخصوص معیار کے ساتھ ہوتا تھا، جب سونے چاندی کا یہ معیار بڑھتا، تو کرنسی یا ذَرِّكَا کی قیمت بھی بڑھتی، اور جب سونے چاندی کا یہ معیار گھٹتا، تو کرنسی یا ذَرِّكَا کی قیمت بھی گھٹتی، لیکن اب جبکہ کرنسی یا ذَرِّكَا سونے چاندی سے بالکل الگ تعلق ہو گیا، اور سونے چاندی کے ساتھ ذَرِّكَا کوئی تعلق نہیں رہا، تو اب کرنسی یا ذَرِّكَا کی قیمت (قدر) کے بڑھنے اور گھٹنے کا تعلق سونے چاندی کے ساتھ نہیں رہا، بلکہ اس کا معیار دوسرا مقرر ہوا، یعنی ”اشیاء“ (Goods Commodities) کی قیمتیں، لہذا اب قدرِ ذَرِّكَا ”قوتِ خرید“ (Purchasing Power) سے عبارت ہے، یعنی وہ قوت جس کی بدولت ذَرِّكَا اپنے عوض دوسری اشیاء و خدمات (Services) حاصل کر سکتا ہے۔

ذَرِّكَا بذاتِ خود زیادہ اہمیت کا مالک نہیں ہوتا، اس کی طلب محض اس لئے کی جاتی ہے کہ اس کی مدد سے دوسری اشیاء اور خدمات حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے، اگر ذَرِّكَا ایک مخصوص مقدار کے عوض زیادہ اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو ذَرِّكَا کی قدر زیادہ ہوگی، اور اگر اسی مخصوص مقدار کے عوض کم اشیاء اور خدمات حاصل کرے، تو ذَرِّكَا کی قدر کم ہوگی۔ مثلاً اگر:-

۳۰ روپے = تین کلو آٹا (۲۰۰۱ء)

۳۰ روپے = دو کلو آٹا (۲۰۰۲ء)

پہلی مثال میں ذر کی قدر دوسری مثال کے مقابل زیادہ ہے، اور دوسری مثال میں ذر کی قدر پہلی کے مقابلے میں کم ہو گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ذر کی قدر اور اشیاء و خدمات کی قیمتوں میں متضاد رشتے ہیں، جب قیمتوں میں اضافہ ہوتا ہے، تو ذر کی قدر گھٹ جاتی ہے، اور جب قیمتوں میں کمی ہوتی ہے، تو ذر کی قدر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

قیمتِ شی ↑ قدرِ ذر ↓ → ← قیمتِ شی ↓ قدرِ ذر ↑

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ جب سے ذر سونے اور چاندی کے دائرے سے آزاد ہو گیا ہے، تو اس کی قدر اشیاء اور خدمات سے وابستہ ہو گئی ہے، اس لئے ہم خلاصہً کہہ سکتے ہیں کہ ذر کی قدر ذر کی قوت خرید سے عبارت ہے، جسے عربی میں "القوة الشرائية" اور انگریزی میں "Purchasing Power" کہا جاتا ہے۔^(۱)

قدرِ ذر کے تغیرات

قدرِ ذر میں مختلف قسم کے تغیرات واقع ہوتے رہتے ہیں، اور اس میں یہ تغیرات واقع ہونا کوئی نئی بات نہیں، اور نہ یہ اس زمانے کے خاص ہیں، بلکہ گزشتہ زمانوں میں بھی یہ

(۱) تعارفِ ذر و بنکاری (ص ۴۷)

_____ کتاب معاشیات (۲/۴۷)

_____ احکام الاوراق النقدية (ص ۲۷)

_____ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم (ص ۴۵)

_____ مقدمة في النقود والبنوك :

"قيمة النقود بانها عبارة عن سلطان النقود في المبادلة بسائر السلع والخدمات- ای القوة الشرائية للنقود" (ص ۶۷)

Introduction to Economic Principles.P:332

The Theory of Money and Credit.P:117

تغییرات وقوع پذیر ہوئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ آثار اور کلام فقہائے کرام میں اس پر مفصل مباحث کتب فقہ میں موجود ہیں۔

ہم اپنے اس مقالے میں ان تغیرات کا قدر تفصیل کے ساتھ جائزہ لے رہے ہیں، کیونکہ بہت سارے احکام کا ان مباحث سے تعلق ہے، اور اس زمانے میں قدرِ ذر کے تغیرات کو خاص طور پر اہمیت دی جا رہی ہے۔

ذَرِّكَ چار قسم کے تغیرات لاحق ہوتے ہیں، جو درج ذیل ہیں:-

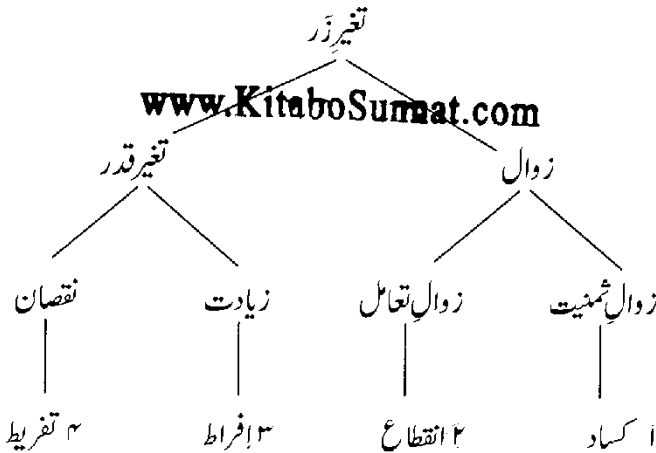
۱- انقطاعِ ذَرِّ

۲- کسادِ ذَرِّ

۳- افراطِ ذَرِّ

۴- تفریطِ ذَرِّ

ذیل میں نقشہ ملاحظہ ہو:-



اس کا مطلب یہ ہے کہ ذَرِّ کو بعض اوقات ایسا تغیر لاحق ہو جاتا ہے کہ اگر وہ شمئین اصطلاحی ہو، تو اس کی شمئیت بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور اگر وہ شمئین خلقی ہو، تو اس کی شمئیت تو

ختم نہیں ہوتی، البتہ اس کا تعامل ختم ہو جاتا ہے، یہ تغیر ”انقطاع“ اور ”کساد“ سے واقع ہوتا ہے، اور بعض اوقات زر کو ایسا تغیر لاحق ہو جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے یا تو زر کی قدر میں اضافہ ہو جاتا ہے، یا زر کی قدر میں کمی ہو جاتی ہے، یہ تغیر ”افراط“ اور ”تفریط“ سے واقع ہوتا ہے۔

انقطاع (Forfeiture)

انقطاع ”قطع“ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ختم ہونے کے ہیں، اور اصطلاح فقہ میں انقطاع کا مطلب یہ ہے کہ عام شہر میں کوئی زر دستیاب نہ ہو، اگرچہ صرافوں (Money Changers) اور گھروں میں موجود ہو۔

چنانچہ علامہ شامی انقطاع کے معنی بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

ان لا يوجد النقد في السوق وان وجد في يد الصيارفة
والبيوت الخ

”زر بازار میں نہ ملے، اگرچہ صرافوں کے ہاں اور گھروں میں موجود ہو۔“^(۱)

اور علامہ زرقانی اور بنانی انقطاع کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

”انه الانعدام جملة في بلد تعامل المتعاقدين وان
وجدت- الفلوس- حين القبض في غيرها-“

”انقطاع یہ ہے کہ ایک ساتھ زر عاقدین کے شہر سے غائب ہو جائے، اگرچہ فلوس قبضے کے وقت دوسرے کسی شہر میں موجود ہوں۔“^(۲)

یاد رکھنا چاہئے کہ فقہائے کرام اس مفہوم کے لئے انقطاع کے علاوہ اور بھی

(۱) ردالمحتار (۴/۳۱)

(۲) شرح الزرقانی علی خلیل بحاشیة البنانی (۵/۶۰)

مختلف الفاظ استعمال کرتے ہیں، صرف انقطاع کے لفظ پر اکتفاء نہیں کرتے، جیسا کہ عبارات فقہاء سے واضح ہو جائے گا۔

مذہب فقہاء

انقطاع کے بارے میں حضرت امام اعظمؒ کا ایک قول یہ ہے کہ اس صورت میں بیع فاسد ہو جائے گی، لیکن دوسرا قول جو مفتی بہ ہے، اور وہ صاحبینؒ، اور ائمہ ثلاثہ کا بھی مذہب ہے کہ انقطاع سے بیع فاسد نہیں ہوتی۔ چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:-

ان انقطعت بان لا توجد في السوق ولو وجدت في يد
الصيارفة أو في البيوت، فقیل: يفسد البيع، وقيل: تجب
في آخر يوم الانقطاع وهو المختار۔

”اگر زر منقطع ہوا، کہ بازار میں دستیاب نہ ہو، گوصرفوں کے ہاں یا گھروں میں موجود ہو، تو کہا گیا ہے کہ بیع فاسد ہو جائے گی، اور کہا گیا ہے کہ جس دن انقطاع ہو رہا تھا، اس آخری دن میں اس کی جو قیمت تھی، وہ قیمت واجب ہوگی، اور یہی قول مختار ہے۔“^(۱)

علامہ شامیؒ مزید فرماتے ہیں:-

”فان انقطع ذلك فعليه من الذهب والفضة قيمته في آخر
يوم انقطع وهو المختار۔“

اگر زر منقطع ہو گیا، تو اس کے ذمہ سونے یا چاندی کی قیمت واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا اعتبار ہوگا، اور یہی راجح ہے۔“^(۲)

اور علامہ شامیؒ اپنے ایک رسالے میں فرماتے ہیں:-

(۱) العقود الدرية في تنقيح الفتاوى الحامدية، شامی (علامہ محمد امین المعروف بابن

عابدین^(۷) بیروت، دار المعرفه، طبع دوم (۱/۲۸۰)۔

(۲) رد المختار (۴/۴۱)۔

”وان انقطع بحيث لا يقدر عليها فعليه قيمتها في آخر يوم

انقطع من الذهب والفضة هو المختار۔“

”اگر زر منقطع ہو گیا، یہاں تک کہ وہ عاجز ہو گیا، تو اس پر اس کی

قیمت سونے چاندی میں سے واجب ہے، جس میں یوم الانقطاع کا

اعتبار ہے، اور یہی راجح ہے۔“^(۱)

اسی رسالے میں ایک اور جگہ فرماتے ہیں:-

”وان انقطعت تلك الدراهم اليوم كان عليه قيمة الدراهم

قبل الانقطاع عند محمد وعليه الفتوى۔“

”اور اگر وہ ذراہم آج منقطع ہو گئے، تو اس کے ذمہ انقطاع سے قبل

ذراہم کی جو قیمت تھی وہ واجب ہے، یہ امام محمد کا موقف ہے، اور

اسی پر فتویٰ ہے۔“^(۲)

امام ابو یوسف، امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک انقطاع کے وقت قیمت واجب

ہوتی ہے، اور عقیدہ فاسد برقرار رہتا ہے، اتنی بات پر ان سب کا اتفاق ہے، البتہ اختلاف

اس میں ہے کہ اس سلسلے میں کس وقت کی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

مالکیہ کے نزدیک صحیح قول کے مطابق فیصلے کے وقت جو زر منقطع کی جو قیمت

ہوگی، وہ واجب ہوگی۔

شافعیہ کے نزدیک جس وقت بائع مشتری سے ثمن کا مطالبہ کرے گا، اس وقت

زر منقطع کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا، اور اگر بیع موعجل ہے، تو جب ادائیگی کی مقررہ

تاریخ پہنچ جائے، تو اس وقت زر کی جو قیمت ہوگی، اس کا اعتبار ہوگا۔

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود، ضمن رسائل ابن عابدین، لاہور، پاکستان، سہیل

اکیڈمی ۱۹۷۶ء (۵۸/۲)

(۲) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود (۲۰، ۵۷/۲)

حنابلہ اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن زَرَّكَ منقطع ہو رہا ہے، اس سے ایک دن پہلے زَرَّكَ کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا، البتہ حنابلہ کے ہاں اگر وہ مثلی ہے، اور مثل دستیاب ہے، تو مثل واجب ہوگی۔

امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یوم المعاملہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یعنی جس دن عقد ہوا تھا، اس دن اس زَرَّكَ کی جو قیمت تھی، اس کا اعتبار ہوگا۔

خلاصہ درج ذیل ہے:-

بیع فسخ / فاسد	=	امام ابو حنیفہؒ
وقت فیصلہ کی قیمت	=	مالکیہ
وقت مطالبہ کی قیمت	=	شافعیہ
وقت انقطاع	=	حنابلہ + امام محمدؒ
وقت معاملہ / عقد	=	امام ابو یوسفؒ

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:-

”واما الكساد والانقطاع فالذی يظهر ان البيع لا يفسد اجماعا اذا سميا نوعامنه وذلك لانهم ذكروا في الدرهم التي غلب غشها ثلاثة اقوال: الاول: قول ابي حنيفة بالبطلان والثاني: قول الصحابين بعدمه وهو قول الشافعي واحمد، لكن قال ابو يوسف عليه قيمتها وقت البيع وقال محمد: يوم الانقطاع، وفي الذخيرة: الفتوى على قول ابي يوسف وفي التتمة والمحتار والحقائق بقول محمد يفتى رفقاً بالناس۔“

”كساد اور انقطاع میں بظاہر بالاتفاق بیع فاسد نہیں ہوتی، جبکہ عاقدین زَرَّكَ کی ایک خاص قسم ذکر کریں، اور یہ اس وجہ سے کہ

فقہائے کرام نے ان ذراہم کے بارے میں جن میں کھوٹ غالب ہو جائے، تین قول ذکر کئے ہیں، ایک قول باطل ہونے کا ہے، جو امام اعظمؒ کا ہے، دوسرا قول صاحبینؒ کا ہے، اور وہ یہ کہ عقد باطل نہیں ہے، اور یہی قول امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اس پر یوم العقد کی قیمت واجب ہے، اور امام محمدؒ فرماتے ہیں، کہ اس پر یوم الانقطاع کی قیمت واجب ہے، ذخیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، اور نتمہ، مختار اور حقائق میں ہے کہ فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر ہے، لوگوں کی آسانی کے لئے۔“ (۱)

امام صاحبؒ کے قول کی وجہ

امام صاحبؒ کے قول کی وجہ یہ ہے کہ جب ذر ختم ہو گیا، تو شمن ختم ہو گیا، اور بیع شمن کے بغیر نہیں ہوتی، اس لئے بیع فسخ ہو جائے گی۔

صاحبینؒ کے قول کی وجہ

امام ابو یوسفؒ وقت تعامل اور وقت عقد کی قیمت کا اعتبار اس لئے کرتے ہیں کہ مشتری کے ذمہ جو شمن واجب ہوا ہے، وہ عقد کی وجہ سے ہے، لہذا قیمت میں بھی اسی وقت کا اعتبار ہوگا۔

اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ انقطاع سے پہلے مشتری شمن کی ادائیگی پر قادر تھا، شمن کی ادائیگی سے عجز انقطاع سے آگیا، لہذا قیمت میں وقت عجز کا اعتبار ہوگا۔ (۲)

(۱) تنبیہ الرقود علی مسائل النقود (۶۲/۲)

(۲) مجلة مجمع الفقه الاسلامی، جده، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث

(۱۶۵۳ھ، ص ۱۳۰۹)

مذہب مالکیہ

مالکیہ کے ہاں معتد اور صحیح قول کے مطابق اس صورت میں وقت فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور دوسرا قول مالکیہ کا یہ ہے کہ جس دن مقررہ تاریخ ادا ہوگی ہو، اور جس دن زر منقطع ہو جائے، ان دونوں میں سے جو بعد میں ہو، اس کی قیمت کا اعتبار ہوگا، مثلاً: اگر یوم ادا ہوگی بیس دن بعد ہو، اور انقطاع اٹھارہ دن بعد ہو، تو یوم ادا ہوگی کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

مالکیہ کی عبارات ملاحظہ ہوں:-

فی الشرح الكبير وحاشية الدسوقي: ان عدمت الفلوس بالكلية في بلد المتعاقدين وان وجدت في غيرها، فالقيمة واجبة علي من ترتبت عليه مما تجدد اي يدفعها مما تجدد وظهر من المعاملة، فيقال: ماقيمة العشرة من الدراهم التي عدمت بهذه الدراهم التي تجددت فيقال: ثمانية دراهم، مثلاً فيدفع المدين ثمانية من تلك الدراهم التي تجددت واذا قيل: قيمتها: اثنا عشر، دفع اثني عشر منها وهكذا۔

وقال خليل: تعتبر القيمة وقت اجتماع الاستحقاق اي الحلول ويوم العدم، فالعبرة عنده بالمتاخر منهما، فان كان العدم والاستحقاق حصل في وقت واحد، فالامر ظاهر، وان تقدم احدهما على الآخر فالعبرة بالمتاخر منهما اذ لا يجتمعان الا في وقت المتاخر منهما، فان استحققت ثم عدمت اعتبرت القيمة يوم العدم، وان عدمت ثم استحققت اعتبرت القيمة يوم الاستحقاق، ولم يذكر الخليل القول المعتمد۔

وقال الدردير: المعتمد ان القيمة تعتبر يوم الحكم--- وقال الخرشى: ان عدمت فالواجب على من ترتبت عليه قيمتها مما تجدد وظهر، وتعتبر قيمتها وقت ابعء الاجلين عند تخالف الوقتين من العدم والاستحقاق --- وفي شرح الزرقانى: وهذا كله على مختار المصنف خليل هنا تبعاً لابن الحاجب تبعاً للخمى وابن محرر، والذى اختاره ابن يونس وابو حفص، ان القيمة تعتبر يوم الحكم، قال ابو الحسن الشاذلى: وهو الصواب وقال البرزلى: وهو ظاهر المدونة^(۱)

اس پوری عبارت کا خلاصہ یہی نکلتا ہے کہ مالکیہ کے ہاں انقطاع کی صورت میں دو قول ہیں، ایک یہ ہے کہ یوم الاستحقاق اور یوم العدم میں جو ڈور ہوگا، اس دن کی قیمت کا اعتبار ہوگا، یوم الاستحقاق سے مراد یہ ہے کہ جس دن ادائیگی ضروری ہے، اور یوم العدم کا مطلب یہ ہے کہ جس دن وہ زر منقطع ہو گیا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم الحکم کا اعتبار کی قیمت کا اعتبار ہے، اور یہی قول ان کے نزدیک راجح اور درست ہے، جیسا کہ شرح زرقانی کی مذکورہ عبارت سے واضح ہے۔

شافعیہ

ان کے ہاں انقطاع کی صورت میں یوم العقد یا یوم المعاملہ کی قیمت واجب ہوتی ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے کہ زر مثلی نہ ہو، ورنہ مثلی ہونے کی صورت میں مثل واجب ہے۔

علامہ ربیع فرماتے ہیں:-

(۱) حاشیة الدسوقى (۳/۲۶۰، ۲۵۵)، الخرشى على الخليل (۵/۵۵)، شرح الزرقانى على مختصر خليل (۵/۲۰)

”فان فقد وله مثل وجب والاقیمته وقت المطالبة“
 ”اگر زر مفقود ہو گیا، اور اس کی مثل ہو، تو مثل واجب ہے، ورنہ زر کو
 مطالبے کے وقت جو قیمت بنتی ہے، وہ واجب ہے۔“^(۱)
 اور علامہ ابن حجر اہمیتی فرماتے ہیں:-

”ویرد وجوبا حیث الاستبدال المثل فی المثل ولو نقدا
 ابطله السلطان لانه اقرب الی حقہ“
 ”مثلی میں لازمی طور پر مثل واپس کرے گا، اگرچہ سلطان نے زر کو
 باطل کر دیا، کیونکہ یہ حقدار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔“^(۲)
 اور علامہ سیوطی فرماتے ہیں:-

ان عدمت الفلوس العتق فلم توجد اصلا رجع الی قدر
 قیمتها من الذهب والفضة، ويعتبر ذلك يوم المطالبة الخ
 ”اگر پرانے فلوس معدوم ہو گئے، اور بالکل دستیاب نہ ہوں، تو اس
 صورت میں سونے چاندی میں اس کی قیمت واجب ہوگی، اور قیمت
 میں یوم المطالبة کا اعتبار ہوگا۔“^(۳)

حنا بلہ

ان کا موقف وہی ہے جو امام محمد کا ہے، یعنی یوم الانقطاع کی قیمت کا اعتبار ہے،

- (۱) نہایة المحتاج الی شرح المنہاج، الرملی (شمس الدین محمد بن ابی العباس الرملی المتوفی ۱۰۰۳ھ) بیروت، احیاء التراث العربی (۳/۳۹۹)
- (۲) تحفة المحتاج مع حاشیة الشروانی، الہمتمی (علامہ احمد بن حنبلہ الہیمتمی الشافعی) (۵/۳۴)
- (۳) الحاوی للفتاوی، السیوطی (علامہ جلال الدین عبد الرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ) بیروت، المكتبة العصرية، طبع اول ۱۴۱۱ھ

چنانچہ علامہ بہوٹی فرماتے ہیں:-

”فان اعوز المثل قال فی الحاشیة: عوز الشئی عوزا من تعب عز فلم یوجد، واعوزنی المطلوب مثل اعجزنی لفظا ومعنی، لزم المقترض قیمته، ای المثل یوم اعوازة، لأنها حينئذ ثبتت فی الذمة، ویجب علی المقترض رد قيمة ماسوی ذلك ای المکیل والموزون لانه لامثل له فضمن بقیمته كالغصب۔“

”اگر مثل سے عاجز آ گیا..... تو مقروض پر مثل کی قیمت واجب ہوگی، اور اس میں یوم العجز کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ یہی ذمہ میں واجب ہوگئی ہے، اور جو مثل نہ ہو، مثلاً مکیلی اور موزونات میں سے نہ ہو، وہاں قیمت واجب ہے، اور یہ مسئلہ غصب کی طرح ہے۔“^(۱)

ان میں عبارات میں آپ نے دیکھا کہ انقطاع کے لئے انقطاع کے علاوہ لفظ ”عدم“ اور لفظ ”اعواز“ بھی استعمال ہوا۔

کساد (Depression)

”کساد“ کے لئے بھی فقہائے کرام نے مختلف الفاظ استعمال فرمائے ہیں، مثلاً: ”ابطال“، ”قطع التعامل“، ”ترک التعامل“۔

کساد کے معنی کھوٹے ہونے کے ہیں، اور اصطلاح میں کساد کی تعریف علامہ ابن عابدین کی زبانی سنئے:-

”والکساد: ان تترک المعاملة بها فی جمیع البلاد“^(۲)

(۱) كشف القناع عن متن الاقناع، البهوتي (منصور بن یونس البهوتي المتوفى ۱۰۳۶ھ،

مكة المكرمة، مكتبة الحكومة ۱۳۹۳ھ (۳۰۲/۳)

(۲) رد المحتار (۳۱/۷)

”اور کساد یہ ہے کہ زر کے ساتھ تمام شہروں میں معاملہ ترک کیا جائے۔“

انقطاع اور کساد میں معنی یہ فرق ہوا کہ انقطاع میں زر غائب اور معدوم ہو جاتا ہے، اور کساد میں زر رہتا ہے، لیکن لوگ اس کے ساتھ تعامل ختم کر لیتے ہیں، چنانچہ کساد کی وجہ سے زر اصطلاحی کی شمیئت بالکل ختم ہو جاتی ہے، اور وہ سامان کے حکم میں ہو جاتا ہے۔

حضرات حنفیہ کے ہاں انقطاع اور کساد میں حکماً کوئی فرق نہیں، چنانچہ:-

۱- امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر تمام شہروں میں تعامل ترک ہو جائے، تو معاملہ فسخ / فاسد ہو جائے گا، البتہ اگر بعض شہروں میں تعامل باقی ہو، تو اس صورت میں بعض عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ معاملہ فسخ سمجھا جائے گا، اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ اس صورت میں معاملہ فاسد نہیں ہوگا۔

بیع فاسد ہونے کی صورت میں اگر بیع موجود ہو، تو مشتری بائع کو بیع واپس کرے گا، اور بیع موجود نہ ہو، تو اگر مثلی ہے، یعنی بیع مکیلات یا موزونات کے قبیل میں سے ہے، تو اس کی مثل واپس کرے گا، اور اگر مثلی نہیں ہو، تو اس کی قیمت واپس کرے گا۔

البتہ اگر معاملہ قرض کا ہو، یا بیوی کے مہر کا ہو، تو وہی زر واپس کرنا ہوگا، اگرچہ کھوٹا ہو۔

۲- حضرات صاحبینؒ کے نزدیک اس صورت میں بیع فسخ نہیں ہوگی، البتہ بائع کو فسخ بیع کا اختیار رہے گا، اور بیع فسخ نہ ہونے کی صورت میں مشتری کے ذمہ اس کی قیمت واجب ہوگی، اب قیمت کی تعیین میں دونوں حضرات میں اختلاف ہو گیا:-

الف:- امام ابو یوسفؒ کے نزدیک وقت عقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

ب:- امام محمدؒ کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔ یہاں بھی صحیح اور

راجح قول امام محمدؒ ہی کا ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حنفیہ کے ہاں حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں

کوئی فرق نہیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں علامہ شامی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

”والانقطاع عن ایدی الناس کالکساد“

اسی صفحہ پر آگے فرماتے ہیں:-

”والانقطاع کالکساد“

دونوں عبارتوں کا مطلب یہ ہوا کہ انقطاع کساد کی طرح ہے۔^(۱)

مسئلہ کساد کے سلسلے میں ہم یہاں علامہ کاسائی کی عبارت بمع ترجمہ نقل کرتے

ہیں، جو نہایت ہی جامع ہے:-

”ولو اشتری بفلوس ناقعة ثم كسدت قبل القبض انفسه“

عند ابی حنیفة رحمہ اللہ، وعلى المشتري رد المبيع ان

كان قائما وقيمته او مثله ان هالكا، وعند ابی يوسف

ومحمد رحمهما الله : لا يبطل البيع، والبائع بالخيار ان

شاء فسخ البيع وان شاء اخذ قيمة الفلوس۔

وحجة ابی حنیفة: ان الفلوس بالكساد خرجت عن كونها

ثمنا لان ثمنيتها ثبتت باصطلاح الناس، فاذا ترك الناس

التعامل بها عددا فقد زال عنها صفة الثمنية، ولا بيع

بلاثمن، فينفسخ ضرورة۔

وحجة ابی يوسف ومحمد : اولاً: ان الفلوس فى الذمة

ومافى الذمة لا يحتمل الهلاك، فلا يكون الكساد هلاكاً بل

يكون عيباً فيما يوجب الخيار، ان شاء فسخ البيع، وان شاء

اخذ قيمة الفلوس۔۔۔

(۱) رد المحتار (۴/۳۱)

وثانیا: ان الواجب بقبض القرص رد مثل المقبوض وبالكساد عجز عن رد المثل لخر وجها عن رد الثمنية وصير ورتها سلعة، فيجب عليه قيمتها كما لو استقرض شيئا من ذوات الامثال وقبضه ثم انقطع عن ايدي الناس۔

ثم اختلف ابو يوسف محمد فيما بينهما في وقت اعتبار القيمة، فاعتبر ابو يوسف وقت العقد لانه وقت وجوب الثمن، واعتبر محمد وقت الكساد وهو آخر يوم ترك الناس التعامل بها، لانه وقت العجز عن التسليم، ولو استقرض فلوسا نافقة وقبضها فكسدت، فعليه رد مثل ما قبض من الفلوس عددا في قول ابى حنيفة وابى يوسف، وفي قول محمد عليه قيمتها۔

”اور اگر کسی نے کوئی چیز ایسے فلوس سے خریدی، جو رائج تھے، پھر وہ قبضے سے قبل کا سد ہو گئے، تو امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک بیع فسخ ہو گئی، اور مشتری پر بیع واپس کرنا ضروری ہے، اگر بیع موجود ہو، یا اس کی مثل واجب ہوگی، اگر بیع ہلاک ہو گئی ہو، اور صاحبین کے نزدیک بیع باطل نہیں ہوتی، اور بائع کو اختیار ہے، اگر چاہے تو بیع کو فسخ کرے، اور اگر چاہے تو فلوس کی قیمت وصول کرے۔

امام ابو حنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ فلوس کساد کی وجہ سے ثمن ہونے سے نکل گئے، کیونکہ ان کی ثمنیت لوگوں کی اصطلاح کی وجہ سے تھی، سو جب لوگوں نے فلوس کے ساتھ تعامل کو چھوڑ دیا، تو فلوس سے ثمنیت کی صفت زائل ہو گئی، اور بیع بغیر ثمن کے نہیں ہوتی، اس لئے بیع باطل ہو جائے گی۔

اور حضراتِ صاحبینؓ کی پہلی دلیل یہ ہے کہ فلوس واجب فی الذمہ ہیں، اور جو چیز واجب فی الذمہ ہو، وہ ہلاک نہیں ہوتی، لہذا کساد ہلاک نہیں ہوگا، البتہ کساد عیب ہوگا، جس کی وجہ سے بائع کو خیار رہے گا، چاہے تو بیع کو فسخ کر لے اور چاہے تو فلوس کی قیمت وصول کرے، اور دوسری دلیل یہ ہے کہ قرض کے قبضے سے قرض مقبوض کی مثل واجب ہوتی ہے، اور کساد کی وجہ سے وہ مثل کی واپسی سے عاجز آ گیا، کیونکہ وہ فلوس اب ٹمن نہیں رہیں، اور سامان کے حکم میں آگئے، لہذا اس پر ان کی قیمت واجب ہوگی، جیسا کہ کسی نے کوئی مثلی چیز قرض لی اور اس پر قبضہ کیا، اور اس کے بعد وہ مثلی چیز لوگوں کے ہاتھوں سے منقطع ہوگئی۔

پھر صاحبینؓ کا آپس میں اعتبار قیمت کے وقت کے بارے میں اختلاف ہو گیا، امام ابو یوسفؒ نے وقت عقد کا اعتبار کیا، کیونکہ یہی وجوب ٹمن کا وقت ہے، اور امام محمدؒ نے وقت کساد کی قیمت کا اعتبار کیا، کیونکہ تسلیم کرنے سے عاجز ہونے کا یہی وقت ہے، اور اگر رائج فلوس کو کسی نے قرض کے طور پر لیا، اور بعد میں وہ کاسد ہو گئے، تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس پر مقبوضہ فلوس کی مثل واپس کرنا ضروری ہے، اور امام محمدؒ کے نزدیک اس پر ان فلوس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہے۔^(۱)

حاشیہ ابن عابدین اور فتاویٰ عالمگیریہ میں کساد فلوس کے بارے میں جو تفصیل

تحریر ہے، اس کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

”اگر کسی نے ان ذرا ہم سے سودا کیا، جن میں کھوٹ غالب ہو، یا

(۱) بدائع الصنائع (۷/۲۳۵)؟

فلوس سے سودا کیا، اور ابھی ثمن بائع کو نہیں دیا تھا کہ کساد واقع ہوا، تو بیع باطل ہوگئی، اور انقطاع بھی حکم میں کساد کی طرح ہے، مشتری پر اس صورت میں واجب ہے کہ اگر بیع موجود ہو، تو بیع واپس کرے، اور اگر بیع مشتری کے قبضے میں نہ ہو، تو اس صورت میں کچھ بھی واجب نہیں، یہ امام ابوحنیفہؒ کا موقف ہے، حضرات صاحبینؒ کے نزدیک بیع اس صورت میں باطل نہیں ہوتی، کیونکہ یہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہوا کہ کساد کی وجہ سے ثمن تسلیم کرنا مشکل ہو گیا، لیکن دوبارہ رواج پائے جانے کے احتمال کی وجہ سے یہ قدرت حاصل ہو سکتی ہے، لہذا بیع باطل نہیں ہوگی، البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یوم البیع کی قیمت واجب ہوگی، اور امام محمدؒ کے نزدیک یوم الکساد کی قیمت واجب ہوگی، ذخیرہ میں ہے کہ فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، محیط، تہمتہ اور حقائق میں ہے کہ لوگوں کی سہولت کی خاطر فتویٰ امام محمدؒ کے قول پر دیا جاتا ہے۔^(۱)

یہ حکم بیع کا ہے، اور اگر قرض کا معاملہ ہوا، اور پھر زر میں کساد واقع ہوا، تو اس میں امام صاحب کے نزدیک مثل واجب ہوگی، اور صاحبینؒ کے نزدیک قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین کے وقت میں وہی اختلاف ہے، جو بیع میں گزر چکا۔^(۲) ایک قول میں امام محمدؒ قرض کے مسئلے میں امام صاحبؒ کے ساتھ ہیں، جیسا کہ بدائع کی عبارت کے آخر میں ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ انقطاع ہو، یا کساد، امام صاحبؒ کے نزدیک بیع کا معاملہ اس کی

(۱) ردالمحتار (۴/۴) و الفتاویٰ الہندیہ (۳/۲۴۵)

(۲) تنبیہ الرقود (۲/۵۷)

وجہ سے باطل اور خود بخود فسخ ہو جاتا ہے، اور اس صورت میں مشتری کے ذمہ بیع کو واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، اور اگر بیع موجود نہ ہو، تو مثل اور اگر مثل بھی نہ ہو، تو اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبین کے نزدیک ان حالتوں میں بیع فاسد یا باطل نہیں ہوتی، البتہ یہ ایک عیب ہے، اس عیب کی وجہ سے بائع کو فسخ کا اختیار حاصل ہے، اگر وہ بیع کو فسخ کرتا ہے، تو بیع کی واپسی میں وہی تفصیل ہوگی، جو امام صاحب کے مذہب میں ہے، اور اگر بیع کو فسخ نہیں کرتا، بلکہ نافذ کرتا ہے، تو بیع نافذ ہو جائے گی، اور مشتری کے ذمہ اس ٹمن کی قیمت واجب ہوگی، یہ قیمت امام ابو یوسف کے نزدیک یوم العقد کے حساب سے ہوگی، اور امام محمد کے نزدیک یوم الاقطاع یا یوم الکساد کے حساب سے ہوگا، اور دونوں صورتوں میں فتویٰ حنفیہ کے ہاں امام محمد کے قول پر دیا جاتا ہے۔

مالکیہ و شافعیہ

مالکیہ اور شافعیہ کا موقف اس سلسلے میں یہ ہے کہ جب زر پر کساد واقع ہو جائے، تو بیع باطل نہیں ہوگی، بلکہ مدیون / مشتری وہی سکہ واپس کرے گا، جو سکہ بوقت عقد رائج تھا، البتہ شافعیہ کا ایک قول یہ بھی ہے کہ اس صورت میں بائع کو اختیار ہوگا کہ یا تو قدیم سکہ قبول کر کے بیع کو نافذ کرے، اور یا اس بیع کو فسخ کرے۔

چنانچہ شرح زر قانی میں ہے:-

”وان بطلت فلوس ترتبت لشخص علی آخر ای قطع
التعامل بها بالکلیۃ، فالمثل علی من ترتبت فی ذمته قبل
قطع التعامل بها۔“

”اور اگر وہ فلوس جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، وہ کاسد ہو گئے،
یعنی ان کے ساتھ تعامل بالکلیہ ختم ہو گیا، تو جس کے ذمہ یہ فلوس
واجب الاداء ہیں، وہ ان فلوس کی مثل ادا کرے گا، جو قطع تعامل سے

پہلے رائج تھے۔“ (۱)

حاشیہ دسوقی میں ہے:-

ان بطلت فلوس او دنانیر او دراہم ترتبت لشخص علی
غیرہ فقطع التعامل بها، ومن باب اولی اذا تغیرت بزیادة
او نقص، فیجب قضاء المثل علی من ترتبت فی ذمته قبل
قطع التعامل بها او تغیرها۔“

”اگر فلوس یا دنانیر یا ذراہم باطل ہو گئے، جو کسی شخص کے دوسرے
کے ذمہ واجب تھے، پس ان کا تعامل ختم ہو گیا، تو جس کے ذمہ یہ زّر
واجب تھا، تغیر یا قطع تعامل سے قبل جو زّر رائج تھا، اس کی مثل اس پر
واجب ہے۔“ (۲)

مخ الجلیل میں ہے:-

”ومن ابتاع بنقد او اقترضه ثم بطل التعامل به لم یکن
علیه غیرہ۔“
اور المعیار میں ہے:-

”وافتی ابوالولید الباجی انه لایلزمه الا السکة الجاریة
حین العقد“

”ابوالولید باجی نے فتویٰ دیا ہے کہ مدیون پر وہی سکہ ادا کرنا واجب
ہے، جو عقد کے وقت جاری تھا۔“ (۳)

(۱) شرح الزرقانی علی خلیل (۶۰/۵) کذا فی الخرشی علی خلیل (۵۵/۵)

(۲) حاشیة الدسوقی (۵۴/۱)

(۳) المعیار المعرب، الوئشریسی (احمد بن یحی المتوفی ۹۱۳ھ) بیروت، دارالغرب

الاسلامی ۱۴۰۱ھ (۱۶۴/۶)

فقہ شافعی کی مشہور کتاب المجموع میں ہے:-

”ولو باع بنقد معين او مطلق وحملناه على نقد البلد فابطل السلطان المعاملة بذلك النقد لم يكن للبائع الا ذلك النقد هذا هو المذهب-“

”اور اگر کسی معین زر یا مطلق زر سے سودا کیا، اور اس کو ہم نے نقد البلد پر محمول کیا، پھر سلطان اس زر کے ساتھ معاملہ کو باطل کر دیا، تو بائع کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو بوقت عقد جاری تھا، اور یہی مذہب ہے۔“ (۱)

روضۃ الطالبین میں ہے:-

ولو اقترضه نقدا فابطل السلطان المعاملة به، فليس له الا النقد الذي اقترضه نص عليه الشافعي رضي الله عنه-“

”اور اگر اس کو زر قرض دیا، اور پھر سلطان نے اس زر کے ساتھ معاملے کو باطل کر دیا، تو مقرض کو وہی سکہ یا زر ملے گا، جو اس نے قرض دیا، اسی کی تصریح امام شافعی رضی اللہ عنہ نے فرمائی ہے۔“ (۲)

اور المجموع میں ہے:-

”وحكى البغوي والرافعي وجها ان البائع مخير ان شاء اجاز البيع بذلك النقد وان شاء فسخه-“

”اور بغوی اور رافعی نے ایک اور طریقہ بھی بیان کیا ہے، اور یہ کہ اس صورت میں بائع کو اختیار ہے، چاہے تو بیع اسی زر کے ساتھ نافذ کرے، اور اگر چاہے، تو بیع کو فسخ کرے۔“ (۳)

(۱) المجموع شرح المہذب، النووی (ابوزکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی

۶۷۶ھ، بیروت، دارالفکر (۳۳۱/۹)

(۲) روضۃ الطالبین للنووی (۳۷۳)

(۳) المجموع شرح المہذب للنووی (۲۸۲/۹)

ان تمام عبارات کا حاصل یہ نکلا کہ ان حضرات (مالکیہ اور شافعیہ) کے نزدیک رائج اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ کساد کی صورت میں حق دار وہی سکے یا زر وصول کرے گا، جو بوقت عقد رائج تھا، اگرچہ وہ اس پر کساد طاری ہو گیا، خواہ معاملہ بیع کا ہو، یا قرض کا ہو۔ اس سے یہ بھی پتہ چلا کہ مالکیہ اور شافعیہ کے نزدیک انقطاع اور کساد میں حکم کے اعتبار سے فرق ہے، جس کی تفصیل گزر چکی۔

حنابلہ

کساد کی صورت میں حنابلہ کے نزدیک بھی قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اور قیمت کی تعیین میں ان کے نزدیک تین اقوال ہیں:-

الف:- وقت الکساد کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ حنفیہ میں سے امام محمد کا موقف ہے، اور یہی قول ان کے ہاں رائج ہے۔

ب:- وقت معاملہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جیسا کہ امام ابو یوسف کا موقف ہے۔

ج:- وقت خصومت کا اعتبار ہے۔

علامہ ابن قدامہ فرماتے ہیں:-

”ان كان القرض فلو سا او مكسرة فحرمها السلطان وتركت المعاملة بها لانه كالعيب فلا يلزمه قبولها، ويكون له قيمتها وقت القرض سواء كانت باقية او استهلكها نص عليه احمد في الدرهم المكسرة، فقال: يقومها كم تساوى يوم اخذها ثم يعطيه، وسواء نقصت قيمتها قليلا او كثير، وذكر ابو بكر في التنبيه: انه يكون له قيمتها وقت فسدت وتركت المعاملة بها، لانه كان يلزمه مثلها مادامت نافقة، فاذا فسدت انتقل الى قيمتها حينئذ كم لو عدم

المثل الخ“

”اگر قرضِ فلوس ہوں، یا ٹوٹے ہوئے ذرا ہم تھے، پھر سلطان نے ان کو حرام قرار دیا، اور تعامل متروک ہو گیا، تو یہ عیب کی طرح ہے، لہذا صاحبِ حق کے لئے ضروری نہیں کہ وہ ان کا سدّ زَر کو قبول کرے، اور مقروض پر اس زَر کی قیمت واجب ہوگی، جس میں وقت قرض کا اعتبار ہوگا، خواہ وہ زَر اس کے پاس ابھی رکھا ہوا ہو، یا اس نے خرچ کیا ہو، امام احمد نے ذرا ہم مکسرہ میں اس کی تصریح کی ہے، اور فرمایا کہ یہ قیمت لگائی جائے گی کہ یوم الاخذ میں اس کی قیمت تھی، چنانچہ وہ قیمت ادا کرے گا، خواہ اس کی قیمت زیادہ کم ہوئی ہو، یا معمولی کم ہوئی ہو، اور ابو بکر نے تنبیہ میں ذکر فرمایا ہے کہ یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، کیونکہ اس کے ذمہ اس کی مثل واجب تھی رائج ہونے کی صورت میں، پس جب یہ زَر کا سدّ ہو گیا، تو اب بات قیمت تک پہنچی، جیسا کہ اگر مثل معدوم ہو جائے۔“^(۱)

کشاف القناع میں ہے:-

”ان كان القرض فلوساً او دراهم مكسورة فيحرمها اى يمنع الناس من المعاملة بها السلطان او نائبه سواء اتفق الناس على ترك المعاملة بها او لا، لانه كالعيب، فلا يلزمه قبولها، فللمقترض القيمة عن الفلوس والمكسرة في هذه الحال وقت القرض الخ“^(۲)

(۱) المغنی معہ الشرح الکبیر، المقدسی (موفق الدین ابن قدامہ وشمس الدین بن

قدامہ المقدسی، بیروت، دارالکتاب العربی ۱۳۹۲ھ (۳/۳۶۵)

(۲) کشاف القناع للبهوتی (۳/۳۰۱)

علامہ مرداویٰ فرماتے ہیں:-

ان كان فلوسا او مكسرة في حرما السلطان (الصحيح من المذهب ان له القيمة سواء اتفق الناس على تركها او لا وعليه اكثر الاصحاب، وجزم به كثير منهم،--- وقال في المستوعب : وهو الصحيح عندى--- وقيل : له القيمة وقت الخصومة“^(۱)

ان عبارات کا بھی وہی مطلب ہے جو علامہ ابن قدامہ کے حوالے سے گزر گیا، البتہ اس میں وقتِ خصومت کی تصریح ہے۔

خلاصہ بحث

اس تمام بحث کا حاصل یہ ہوا کہ کساد ہو یا انقطاع امام صاحب کے نزدیک اس سے خود بخود بیعِ فسخ ہو جاتی ہے، اور مشتری کے ذمہ بیع یا مثل یا اس کی قیمت واپس کرنا ضروری ہوتا ہے، جبکہ صاحبین سمیت جمہور مشائخ اور علماء کے نزدیک دونوں حالتوں میں بیع خود بخود فسخ نہیں ہوتی، پھر امام ابو یوسف کے نزدیک دونوں حالتوں میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور امام محمد کے نزدیک یوم الانقطاع یا یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اور اسی پر فتویٰ ہے، لہذا حنفیہ کے نزدیک حکم کے اعتبار سے انقطاع اور کساد میں کوئی فرق نہیں، جبکہ ائمہ ثلاثہ کے نزدیک دونوں حالتوں میں فرق ہے، چنانچہ حضرات مالکیہ کے نزدیک انقطاع میں: وقت فیصلہ کی قیمت کا اعتبار ہوگا، جبکہ کساد میں وہی سکہ واپس کرنا ہوگا، جو بوقت عقد جاری تھا، شافعیہ کے ہاں انقطاع میں وقت مطالبہ کی قیمت کا اعتبار ہے، جبکہ کساد میں ان کے ہاں وہی سکہ واپس کرنا ہوگا، جو عقد کے وقت جاری اور رائج تھا، حنابلہ کے ہاں انقطاع میں یوم الانقطاع کی قیمت معتبر ہوتی ہے، جبکہ ان کے ہاں کساد میں

(۱) الانصاف، المرادوی (علاء الدین ابی الحسن علی بن سلیمان طبع اول

تین مختلف اقوال ہیں، راجح قول کے مطابق یوم الکساد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔
اور یہی تفصیل قرض میں بھی ہے، البتہ امام صاحب کے نزدیک قرض میں مثل
واجب ہوگی، خواہ انقطاع کی حالت ہو، یا کساد کی۔

نقشہ مذاہب

حالت	امام	قول
انقطاع	امام ابوحنیفہؒ	بیع فسخ / قرض میں مثل واجب
	مالکیہؒ	وقت فیصلہ کی قیمت، بیع ہو یا قرض
	شافعیہؒ	وقت مطالبہ کی قیمت
	حنابلہ + امام محمدؒ	یوم الانقطاع، عند الامام محمد بائع کو خیار حاصل ہوگا
	امام ابو یوسفؒ	یوم العقد، بائع کو فسخ کا خیار حاصل ہوگا
کساد	امام ابوحنیفہؒ	بیع فسخ، قرض میں مثل واجب
	مالکیہ و شافعیہ	وہی سکہ جو بوقت عقد جاری تھا واجب ہوگا
	امام ابو یوسفؒ	وقت عقد کی قیمت / خیار فسخ بھی
	حنابلہ + امام محمدؒ	یوم الکساد کی قیمت / عند محمد خیار فسخ بھی

جاننا چاہئے کہ اگر کسی ملک میں کرنسی اس قدر گر گئی کہ اس کو کساد کہا جاسکتا ہو، تو

وہاں قروض اور دیون میں امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنے کی گنجائش ہوگی، اس سلسلے میں امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا زیادہ آسان ہے، کہ جس وقت معاملہ ہو رہا تھا، اس وقت کرنسی کی حقیقی قیمت کیا تھی، اس کے حساب سے حق دار کو حق ملے گا۔

إفراط زر (Inflation)

اس میں ہم سب سے پہلے معاشی نقطہ نظر سے إفراط زر اور تفریط زر کے معنی، اقسام، وجوہات اور اثرات کا خلاصہ بیان کریں گے، اس کے بعد شرعی نقطہ نظر سے اس پر کلام کریں گے۔

إفراط زر کے معنی

إفراط زر کے کسی قطعی اور صحیح مفہوم کے بارے میں شروع سے ہی معیشت دانوں میں شدید اختلاف رائے پایا جاتا ہے، اسے نیوکلاسیکل معیشت دانوں نے پہلی بار متعارف کرایا، ان کے خیال میں إفراط زر سے مراد ایسی صورت حال ہے کہ جس میں :-

”زر کی مقدار میں حد سے زیادہ اضافہ ہونے کے نتیجے میں اشیاء میں

تیزی سے اضافہ ہونے لگتا ہے۔“

دورِ حاضر کے معیشت دان إفراط زر کو محض زر کی رسد میں اضافے کا سبب قرار نہیں دیتے، بلکہ اسے متعدد وجوہات میں سے ایک اہم ترین وجہ تصور کرتے ہیں، بعض حضرات إفراط زر کی تعریف یوں کرتے ہیں :-

”قیمتوں کی سطح میں مستقل اور مسلسل اضافے کا نام إفراط زر

ہے،^(۱)

(۱) تعارف زر و بنکاری ص: ۸۳

The Thoery of Money and Credit:

"An increase in the quantity of money that is not offset by a corresponding increase in the need for money , so that a fall in the objective exchange value of money must occur." P: 272

اس تعریف میں ”ذکر کی قدر میں اضافہ“ کی قید نہیں۔

افراطِ ذکر کی خصوصیات (Characteristics)

افراطِ ذکر کی تین خصوصیات ہیں، جن پر سارے معیشت دان متفق ہیں:-

- ۱- قیمتوں میں اضافہ: افراطِ ذکر کے نتیجے میں قیمتوں میں لازماً اضافہ ہوتا ہے۔
- ۲- ذکر کی رسد میں اضافہ: جب قومی وسائل حکومت کی مالیاتی ضروریات پوری کرنے سے قاصر رہتے ہیں، تو وہ بنکوں یا دوسرے مالیاتی اداروں اور عوام سے سرکاری کفالتوں یا بانڈز کی ضمانت پر قرضے حاصل کر کے اپنا کام چلاتی ہے، حکومت کے اس اقدام سے ذرا اعتباری (Credit Money) میں اضافہ ہو جاتا ہے۔
- ۳- اپنی تقویت کا خود باعث بننا: افراطِ ذکر کا چکر جب ایک دفعہ شروع ہو جاتا ہے، تو پھر یہ خود بخود مضبوط سے مضبوط تر اور شدید سے شدید تر ہوتا چلا جاتا ہے۔

افراطِ ذکر کی چند مشہور قسمیں

اپنی شدت اور کمی کے لحاظ سے افراطِ ذکر کی متعدد قسمیں ہیں، جن میں بعض مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:-

۱- رینگتا ہوا افراطِ ذکر (Creeping Inf): یہ اپنے اثرات کے لحاظ سے افراطِ ذکر کی سب سے سست رفتار قسم ہے، اس لئے معیشت کے لئے زیادہ خطرناک تصور نہیں کیا جاتا، عموماً ۳٪ سالانہ کے حساب سے قیمتوں میں مسلسل اضافے کو رینگتے ہوئے افراطِ ذکر سے موسوم کیا جاتا ہے۔

۲- اُچھلتا ہوا افراطِ ذکر (Trotting Inf): یہ افراطِ ذکر پہلی قسم کی نسبت سے زیادہ تیز رفتار ہوتا ہے، عموماً ۳٪ سے ۶٪ سالانہ اضافے کو اُچھلتا ہوا افراطِ ذکر کہتے ہیں۔

۳- تیز رفتار افراطِ ذکر (Running Inf): قیمتوں میں ۱۰٪ سالانہ اضافے کو کہتے ہیں۔

۴- شدید افراطِ زر (Hyper Inf): اس میں ہر ماہ قیمتوں میں ۲۰% تا ۳۰% کے حساب سے اضافہ ہوتا ہے۔

۵- رکودی افراطِ زر (Stagflation): جب معیشت گرم بازاری کے بعد مراجعت (Recession) اور افراطِ زر کے اثرات سے بیک وقت دوچار ہوتی ہے، تو یہ حالت رکودی افراطِ زر کی ہوتی ہے، اس میں ایک طرف پیداوار میں جمود کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے، اور دوسری طرف قیمتوں میں اضافہ شروع ہو جاتا ہے، اپنے اثرات کے لحاظ سے یہ سب سے خطرناک قسم ہے۔

قدرِ زر میں تغیرات پیدا کرنے والے عوامل

عام طور پر یہ تصور کیا جاتا ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی زر کی پیداوار میں اضافے یا کمی کی وجہ سے ہوتی ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ زر کی قدر میں تبدیلی کئی اسباب کی بناء پر ہوتی ہے، جنہیں ہم یہاں اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں:-

۱- زر کی مقدار: اگر زر کی مقدار بڑھ جائے، تو اشیاء کی قیمتوں میں اضافہ ہو جاتا ہے، اور کرنسی کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۲- پیداوار کی مقدار: اگر ملک میں زرعی اور صنعتی اشیاء کی مقدار بڑھ جائے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر بڑھ جاتی ہے، اس کے برعکس اگر اشیاء کی مقدار کم ہو جائے، تو اشیاء کی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۳- زر کی گردش کی رفتار: اگر زر کی گردش کی رفتار تیز ہو جائے، تو زر کی اکائی پہلے سے زیادہ مرتبہ اشیاء خریدنے کے لئے استعمال ہو، تو قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، اور زر کی قدر کم ہو جاتی ہے، اس کے برعکس جب سرد بازاری کے دوران زر کی گردش کی رفتار سست پڑ جاتی ہے، تو قیمتیں گر جاتی ہیں، اور زر کی قدر گھٹ جاتی ہے، کیونکہ لوگ روپیہ خرچ کرنے

کی بجائے اپنے پاس رکھنا پسند کرتے ہیں۔

۴- آبادی کی تعداد: اگر آبادی بڑھ جاتی ہے، لیکن اشیاء کی پیداوار جوں کی توں رہے، تو طلب بڑھ جاتی ہے، اور اس کے نتیجے میں قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور ذر کی قدر کم ہو جاتی ہے۔

۵- طلب میں کمی بیشی: بعض اوقات غیر متوقع ناگہاں مثلاً جنگ کے باعث اشیاء کی مانگ بڑھ جاتی ہے، اور قیمتوں کی سطح بلند ہو جاتی ہے، اور ذر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۶- سرکاری بجٹ: اگر کسی سال حکومت کی متوقع آمدنی اس کے اخراجات سے کم ہو، تو مرکزی بینک سے قرض لے کر اس کمی کو پورا کرتی ہے، جس کے باعث افراطِ ذر رونما ہو جاتا ہے، اور اشیاء کی قیمتیں بڑھ جاتی ہیں۔

۷- بیرونی تجارت: اگر کسی ملک کی بیرونی ادائیگیوں کا توازن خراب ہو جائے، یعنی اس نے اشیاء برآمد کم کی ہوں، اور درآمد زیادہ کی ہوں، تو اس کی کرنسی کی بیرونی قدر کم ہو جاتی ہے، باہر سے آنے والی اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور یوں ملک کے اندر بھی ذر کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔

۸- محصولات: اگر حکومت درآمد ہونے والی اشیاء پر بھاری محصول لگائے، تو ان اشیاء کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور ذر کی قدر گھٹ جاتی ہے۔^(۱)

تفْرِیْطُ ذَرِّ (Deflation)

تفْرِیْطُ ذَرِّ، افراطِ ذَرِّ کے برعکس صورت کا نام ہے، اس میں قیمتیں گر رہی ہوتی ہیں، اور ذر کی قدر بڑھ رہی ہوتی ہے۔

تفْرِیْطُ ذَرِّ کا رُحْمَان اس وقت پیدا ہوتا ہے، جب ذر کی رسد میں کمی کی وجہ سے

(۱) کتاب معاشیات حصہ دوم (ص ۱۵۸)

اشیاء و خدمات کی پیداوار کے مقابلے میں قیمتوں میں زیادہ کمی ہو رہی ہوتی ہے۔^(۱)

قدرِ زر کے تغیرات کے اثرات اور نتائج

ذکر کی قدر کم یا زیادہ ہونے سے تمام طبقہ ہائے زندگی متاثر ہوتے ہیں، لیکن سب پر ایک جیسا اثر مرتب نہیں ہوتا، بلکہ کسی طبقے پر اچھا اثر مرتب ہوتا ہے، اور کسی طبقے پر بُرا اثر مرتب ہوتا ہے، ذیل میں اس مسئلے کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے:-

مختلف قرضوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے والے طبقہ قرضہ دہندگان (Creditors) ہیں، یعنی وہ لوگ ہیں، جو قرضہ دیتے ہیں، چنانچہ جب افراطِ زر ہوتا ہے، یعنی قیمتیں چڑھ جاتی ہیں، تو ان لوگوں کو نقصان ہوتا ہے، جنہوں نے قرض دے رکھا ہو، کیونکہ انہیں اپنا قرض واپس ملتا ہے، تو اس کی قدر پہلے سے گر چکی ہوتی ہے، مثلاً اگر خرید نے عمر کو ۸۸ء میں ایک لاکھ روپے بطور قرض دیئے ہوں، اور ۲۰۰۲ء میں واپس کر رہا ہے، تو ۸۸ء میں ایک لاکھ روپے کی قوت خرید ۲۰۰۲ء کی قوت خرید سے یقیناً زیادہ ہوگی، جتنا سامان ایک لاکھ روپے میں ۸۸ء میں آسکتا تھا، وہ ۲۰۰۲ء میں نہیں آسکتا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ ذر (Creditor) خسارے میں مبتلا ہو گیا۔

اور اس کے برعکس تفریطِ زر کی حالت میں زید کا فائدہ ہوگا، کیونکہ ایک لاکھ روپے کی قیمت خرید میں اضافہ ہوا ہوگا۔

مزدوروں کی اجرتوں پر اس کا اثر: افراطِ زر سے متاثر ہونے والے دوسرے طبقہ مختلف فیکٹریوں کے مزدور لوگ ہیں، افراطِ زر کے نتیجے میں جب قیمتیں بڑھ جاتی ہیں، اور ان کو اجرت وہی ملتی ہو، جو پہلے سے چلی آرہی ہے، تو اس سے ان لوگوں کو یقیناً نقصان ہوگا۔ ان مسئلوں کا تعلق حقوق و واجبات سے ہے، اس لئے کہ قرض/دین (Debt)

(۱) تعارفِ زریں کاری، اور Ludwing Von Mises کہتے ہیں:

"Deflation signifies a diminution of the quantity of money which is not offset by a corresponding diminution of the demand for money, so that an increase in the objective exchange value of money must occur". P:272

صاحب قرض کا حق ہے، جسے مقروض پرواپس کرنا واجب ہے، اسی طرح اُجرت مزدور اور ملازم کا حق ہے، جسے ادا کرنا آجر پرواجب ہے، اس وجہ سے ان دو مسئلوں کو ذکر کرنے میں مقدم کیا، اور ان کو نمایاں کیا، نیز آگے جو ہم ”اشاریہ“ یا ”Index“ نمبر بیان کریں گے، اس کا تعلق ان مسئلوں یعنی قرض اور اُجرت سے ہے۔

اس کے علاوہ قدر زَر میں تغیرات کے اور بھی اثرات ہیں، مثلاً کسان طبقے پر اس کا اثر اور تاجر و صنعت کار پر اس کا اثر، اشیاء کی پیداوار پر اس کا اثر، تقسیم دولت پر اس کے اثرات اور سرمایہ کاری اور روزگار پر اس کے اثرات۔

کسان اور تاجر پر افراط زَر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ ان کی پیداوار کی قیمت بڑھ جاتی ہے، اور ان کی آمدنی میں اضافہ ہو جاتا ہے، اسی طرح افراط زَر کے نتیجے میں زرعی و صنعتی اشیاء کی پیداوار بڑھ جاتی ہے، اور نئی سے نئی اشیاء مارکیٹ میں دستیاب ہو جاتی ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ افراط زَر کا کسان، تاجر اور صنعت کار اور اشیاء پیداوار پر خوشگوار اثرات مرتب ہوتے ہیں، اسی طرح سرمایہ کاری اور روزگار پر بھی افراط زَر کے اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں، کیونکہ جب اشیاء کی قیمتیں بڑھیں گی، تو نئے کارخانے کھلیں گے، لوگ کاروبار اور تجارت میں دلچسپی لیں گے، اور اس طرح سرمایہ کاری میں اضافہ ہوگا، اور بے روزگاری میں کمی آئے گی، جبکہ تقسیم دولت پر افراط زَر کے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں، اور تقسیم دولت میں افراط زَر سے بے اعتمادی پیدا ہو جاتی ہے۔

خلاصہ یہ کہ افراط زَر سے قرض خواہ، مزدور اور تقسیم دولت پر بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں، جبکہ کسان، تاجر، صنعت کار، اشیاء کی پیداوار، سرمایہ کاری اور روزگار پر اچھے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

افراط اور تفریط زَر سے متعلق شرعی نقطہ نظر

عربی میں افراط زَر کو ”رخص“ یا ”تضخم“ کہتے ہیں، اور تفریط زَر کو ”غلاء“ یا

”انکماش“ کہتے ہیں، رخص اور غلاء قدیم الفاظ ہیں، جو کتب فقہ میں مذکور ہیں، اور تضخم و انکماش جدید الفاظ ہیں، جو کتب جدیدہ میں مذکور ہیں۔

”رخص“ کے معنی سستا ہونے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زَرِّ سستا ہو گیا، یعنی قدر گھٹ گئی، اور یہی اِفْرَاط ہے، اور ”غلاء“ کے معنی مہنگا ہونے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زَرِّ مہنگا ہو گیا، یعنی قدر بڑھ گئی، اور یہی تَفْرِیْط ہے۔

”تضخم“ کے معنی بڑھنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زَرِّ کی مقدار بڑھ گئی، اور یہی اِفْرَاط ہے، اور ”انکماش“ کے معنی سکڑنے کے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ زَرِّ کی مقدار سکڑ گئی، اور یہی تَفْرِیْط ہے، زَرِّ کے مہنگے اور سستے ہونے کے بارے میں فقہائے اُمت کے دو قول مشہور ہیں، ایک قول جمہور علماء کا ہے، اور دوسرا قول امام ابو یوسف کا ہے۔

قول جمہور

مالکیہ، شافعیہ، حنابلہ اور امام ابو حنیفہ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ زَرِّ مہنگا ہو یا سستا ہو، دین دار کے ذمہ وہی نقد واجب ہوگا، جو بوقتِ معاملہ اس کے ذمہ واجب ہو چکا تھا، اس کی قیمت کا اعتبار نہیں ہوگا، اس کا حاصل یہ ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک ”رخص و غلاء“ کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں، اور اس سے قرض یا دین یا اجرت میں کوئی فرق نہیں پڑے گا، اگر عقد کے وقت فلوس کی قیمت ایک ہزار درہم تھے، اور بعد میں ان کی قیمت سو رہ گئی، یا بوقتِ عقد فلوس کی قیمت ایک سو درہم تھی، اور بعد میں ان کی قیمت ایک ہزار ہو گئی، دونوں صورتوں میں وہی فلوس ادا کرنے ہوں گے، جو دین دار کے ذمہ واجب تھے، سو ہونے یا ایک ہزار ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

شرح الزرقانی میں ہے:-

”وان بطلت فلوس ترتبت لشخص علی آخرای قطع

التعامل بها بالکلیة واولی تغیرها بزیادة او نقص مع بقاء

عینہا، فالمثل علی من ترتبت فی ذمته قبل قطع التعامل بها او التغير، ولو كانت حين العقد مائة درهم، ثم صارت الفاہبہ کما فی المدونة ای او عکسہ لانہا من المثلیات“

”اور اگر وہ فلوس جو کسی کے کسی کے ذمہ واجب تھے، متروک التعامل ہو گئے، اور اس حکم میں فلوس کا زیادت یا نقصان کے ساتھ متغیر ہونا بطریقِ اَوَّلٰی شامل ہے، تو اس صورت میں دین دار پر مثل واجب ہے، اگرچہ عقد کے وقت فلوس سو درہم کے برابر تھے، اور پھر ایک ہزار ہو گئے، یا اس کا برعکس، کیونکہ فلوس مثلیات میں سے ہیں۔“^(۱)

حاشیہ دسوقی میں ہے:-

”اذا بطلت فلوس ترتبت لشخص علی غیرہ بقرض او بیع او نکاح او كانت عندہ ودیعة وتصرف فیہا، وكذا لو دفعها لمن یعمل بہا قراضا، فالواجب المثل علی من ترتبت فی ذمته، ولو كانت الفلوس حين العقد مائة بدرهم ثم صارت الفاہبہ۔“

”جب وہ فلوس باطل ہو جائیں، جو کسی شخص کے دوسرے کے ذمہ واجب تھے، خواہ قرض کے طریقے سے یا بیع یا نکاح کے طریقے سے، یا اس کے پاس ودیعت کے طور پر رکھے ہوئے تھے، اور اس نے ان میں تصرف کیا، اسی طرح اگر اس کو مضاربت کے طور پر دیئے تھے، تو ان تمام صورتوں میں دین دار کے ذمہ مثل واپس کرنا ضروری ہے، اگرچہ فلوس عقد کے وقت ایک درہم کے بدلے سو تھے، اور بعد میں ایک ہزار ہو گئے۔“^(۲)

(۱) شرح الزرقانی (۲۰/۵)

(۲) حاشیة الدسوقی (۳۵/۳) بتصرف یسیر

منح الجلیل میں ہے:-

”ان اقرضته دراهم فلوسا، وهو يومئذ مائة فلس بدرهم ثم صارت مائتي فلس بدرهم فانما يرد عليك مثل ما اخذ لا غير ذلك۔“

”اگر آپ نے اس کو دراہم فلوس کی شکل میں قرض دیئے، اور اس دن صورت حال یہ ہو کہ ایک درہم کے سو فلوس بنتے تھے، پھر صورت حال بدل گئی، اور اب ایک درہم کے بدلے میں دو سو فلوس آتے ہیں، تو وہ آپ کو وہی فلوس دے گا، جو اس نے لئے تھے، ان کے علاوہ کچھ واجب نہیں۔“^(۱)

المعیار میں ہے:-

”سئل سعید بن لب عن رجل باع سلعة بالناقص المتقدم بالحلول فتاخر الثمن الى ان تحول الصنف وكان ذلك على جهة فبايهما يقضى له؟ وعن رجل آخر باع بالدرهم المفلسة فتاخر الثمن الى ان تبديل فبايهما يقضى له؟ فاجاب: لا يجب قبل المشتري الا ما انعقد البيع في وقته لئلا يظلم المشتري بالزامه ما لم يدخل عليه في عقدة۔“^(۲)

اس عبارت کا حاصل بھی وہی ہے، جو دوسری عبارات میں ذکر ہوا، اور وہ یہ کہ تغیر زر کی صورت میں وہی زر واجب ہوگا، اس کی قیمت واجب نہیں ہوگی۔
علامی سیوطی فرماتے ہیں:-

(۱) منح الجلیل (۲/۵۳۵)

(۲) المعیار المعرب (۶/۳۶۲)

ان باء برطل فلوساً فهذا ليس له الارطل زاد سعرة ام نقص--- فان باء بالف فلوساً اوقضة او ذهباً ثم يتغير السعر فظاهر عبارة الروضة المذكورة ان ليس له الاما يسمى الفاعند البيع ولا عبرة بماطرا۔

”ایک رطل کے عوض میں فلوس بیچے، تو اس کو ایک ہی رطل ملے گا، اس کی قیمت زیادہ ہو جائے، یا کم ہو جائے..... لہذا ایک ہزار کے بدلے میں اگر کسی نے فلوس یا سونا یا چاندی بیچی، اور پھر قیمت بدل گئی، تو اس صورت میں ”الروضہ“ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو وہی ملے گا، جس کو بیچ کے وقت ”ہزار“ کہا جاتا تھا، اور جو تغیر پیش آیا ہے، اس کا کوئی اعتبار نہیں۔“^(۱)

علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:-

”ویرد وجوباً حیث لا استبدال المثل فی المثلی لانہ اقرب

الی حقہ“

”مثلی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، کیونکہ مثلی میں مثل کو قیمت کے ساتھ تبدیل کرنا جائز نہیں، اور یہ حق دار کے حق کے زیادہ قریب ہے۔“^(۲)

علامہ قدامہ فرماتے ہیں:-

”واما رخص السعر فلا یمنع سواء کان قليلاً او کثیر الانہ

لم یحدث فیها شئی انما تغیر السعر، فاشبه الحنطة اذا

رخصت او غلت“

(۱) الحاوی للفتاوی (۹۷/۱)

(۲) تحفة المحتاج (۴۴/۵)

”جہاں تک قیمت کا گھٹنا ہے، تو یہ مانع نہیں، خواہ یہ کمی زیادہ ہو، یا کم ہو، کیونکہ اس میں کوئی نئی بات پیدا نہیں ہوئی، صرف ریٹ بدل گیا، تو یہ ایسا ہوا جیسا کہ گندم کی قیمت گھٹ جائے، یا بڑھ جائے۔“^(۱)

شرح الجملہ میں ہے:-

”استقرض من الفلوس الرائجة والعدالی ای الدرهم الغالب غشها فکسدت فعلیه مثلها کاسدة ولا یغرم قیمتها، وکذا کل ما یکال ویوزن لما مر انه مضمون بمثله فلا عبرة بکساد وغلاءه ورخصه، وهذا عند ابی حنیفة رحمہ اللہ تعالیٰ“

”کسی نے فلوس رائجہ یا عدالی میں سے قرض لیا، پھر کساد واقع ہوا، تو مستقرض کے ذمہ مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اگرچہ وہ مثل کا سد ہی کیوں نہ ہو، اور وہ قیمت کا ذمہ دار نہیں، اور یہی حکم ہر اس چیز کا ہے، جس کو ناپا جاتا ہو، یا وزن کیا جاتا ہو، کیونکہ یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اس کا ضمان مثل کے ساتھ واجب ہے، لہذا کساد یا ریٹ بڑھنے یا گھٹنے کا کوئی اعتبار نہیں، اور یہ امام ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔“^(۲)

امام ابو یوسفؒ کا مذہب

امام ابو یوسفؒ کا مذہب اس سلسلے میں یہ ہے کہ ذکر کے مہنگا ہونے یا سستا ہونے کی صورت میں قیمت ادا کرنا واجب ہے، حضرات حنفیہ کے ہاں فتویٰ اور عمل اسی قول پر

(۱) المغنی لابن قدامہ (۳۳۲/۶)

(۲) شرح المجملۃ للاتاسی (۳۳۸/۲)

ہے، اگر قرض ہو، تو قرض میں یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہے، اور اگر بیع ہو، تو بیع میں یوم العقد کی قیمت کا اعتبار ہوگا۔

چنانچہ علامہ شامیؒ فرماتے ہیں:-

”اذا غلت الفلوس قبل القبض او رخصت، قال ابو یوسف: قولی وقول ابی حنیفة فی ذلك سواء، وليس له غیرها ثم رجع ابو یوسف وقال: علیه قیمتھا من الدرھم یوم وقع البیع ای فی صورة البیع ویوم وقع القرض ای فی صورة القرض، وبہ علم ان فی الرخص والغلاء قولان، الاول: لیس له غیرھا، والثانی: قیمتھا یوم البیع وعلیہ الفتویٰ“

”قبضے سے پہلے فلوس مہنگے ہو گئے، یا سستے ہو گئے، تو امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اس میں میرا اور امام ابو حنیفہؒ کا قول ایک ہے، اور یہ کہ اس کو یہی فلوس ملیں گے، لیکن بعد میں امام ابو یوسفؒ نے رجوع فرمایا، اور فرمایا کہ اس پر ذرا ہم کی شکل میں ان کی قیمت واجب ہوگی، اور اس قیمت میں یوم البیع کا اعتبار ہوگا، اگر بیع ہو، اور یوم القبض کی قیمت کا اعتبار ہوگا، اگر معاملہ قرض کا ہو، اس سے معلوم ہوا کہ رخص اور غلاء میں دو قول ہیں، پہلا قول یہ کہ مثل واجب ہے، اور دوسرا قول یہ ہے کہ یوم البیع کی قیمت واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے۔“^(۱)

اور علامہ ابن عابدینؒ فرماتے ہیں:-

”اذا غلت قيمة الفلوس او انتقصت، فالبيع علی حاله ولا يتخير المشتري، ويطالب بالنقد بذلك العيار الذی

(۱) تنبیہ الرقود (۵۸/۲)

كان وقت البيع، كذا في فتح القدير، وفي البزازية عن الملتقى: غلت الفلوس اور خصت فعند الامام الاول والثاني اولاً: ليس عليه غيرها، وقال الثاني ثانياً: عليه قيمتها من الداهم يوم البيع والقبض وعليه الفتوى، وهكذا في الذخيرة والخلاصة بالعزو الى الملتقى، وقد نقله شيخنا في بحره وقره فحيث صرح بان الفتوى عليه في كثير من المعتبرات فيجب ان يعول عليه افتاء

وقضاء العم “www.KitaboSunnat.com

”جب فلوس کی قیمت بڑھ جائے، یا گھٹ جائے، تو بیع اپنے حال پر برقرار رہے گی، اور مشتری کو بیع کا اختیار بھی نہیں رہے گا، اور مشتری سے اس زَرَکَا مطالبہ کیا جائے گا، جو بیع کے وقت تھا، اسی طرح فتح القدير میں بھی مذکور ہے، اور بزازیہ میں الملتقی کے حوالے سے لکھا ہے کہ فلوس کی قیمت بڑھ گئی، یا گھٹ گئی، تو امام اول اور امام ثانی کے نزدیک پہلے یہ مسئلہ تھا کہ مشتری کے ذمہ ان متغیرہ فلوس کے علاوہ مزید کچھ واجب نہیں، اور امام ثانی (امام ابو یوسفؒ) نے بعد میں کہا کہ اس پر ذرا ہم کی شکل میں ان فلوس کی قیمت واجب ہوگی، اور اسی پر فتویٰ ہے، اسی طرح ذخیرہ اور خلاصہ میں ملتقی کے حوالے سے ہے، اور اس کو ہمارے شیخ نے اپنے بحر میں نقل کیا ہے، اور یہ تصریح فرمائی ہے کہ بہت ساری مستند کتابوں میں اسی پر فتویٰ نقل کیا گیا ہے، لہذا اسی پر فتویٰ میں بھی اور قضاء میں بھی اعتماد کرنا چاہئے۔“ (۱)

العقود الدررہ میں ہے کہ:-

”وان رخصت او غلت فقیل : لیس للبائع غیرها، ای یجب علی مشتری رد المثل، وقیل : تجب قیمتھا یوم البیع او یوم القبض فی صورة القرض، وعلیہ الفتویٰ“
 ”اور اگر فلوس سستے ہو گئے یا مہنگے ہو گئے، تو ایک قول یہ ہے کہ بائع کو یہی فلوس ملیں گے، یعنی مشتری مثل واپس کرنا واجب ہے، اور ایک قول یہ ہے کہ بیع میں یوم البیع اور قرض میں یوم القبض کی قیمت ادا کرنا واجب ہے، اور اسی پر فتویٰ ہے“^(۱)

علامہ ابن عابدین نے اس بات پر علامہ غزیؒ کا جزم ذکر فرمایا ہے کہ اس سلسلے میں فتویٰ امام ابو یوسفؒ کے قول پر ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں:-

”وقد تتبعت کثیرا من المعتبرات من کتب مشائخنا المعتمدة فلم ار من جعل الفتویٰ علی قول ابی حنیفۃ رضی اللہ عنہ، بل قالوا: بہ کان یفتی القاضی الامام، واما قول ابی یوسف فقد جعلوا الفتویٰ علیہ فی کثیر من المعتبرات فلیکن المعول علیہ“

”میں نے (علامہ غزی نے) اپنے مشائخ کی بہت ساری معتمد کتابوں کا مطالعہ کیا، تو میں کسی کو نہیں دیکھا جس نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے قول پر فتویٰ دیا ہو، البتہ ان کے قول کے مطابق قاضی امام فتویٰ دیا کرتے تھے، جہاں تک امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق ہے، تو اس کے مطابق بہت ساری معتبر کتابوں میں فتویٰ دیا گیا ہے، لہذا اسی پر اعتماد کرنا چاہئے۔“^(۲)

(۱) العقود الدررہ (ص ۲۸۰)۔

(۲) تنبیہ الرقود (۲/۶۵)۔

فائدہ

یاد رکھنا چاہئے کہ کساد، غلاء اور رخص کے ان احکام اور تفصیلات کا تعلق ثمنِ خلقی سے نہیں، بلکہ صرف ثمنِ عرفی سے ہے، کیونکہ ثمنِ خلقی مثلاً سونا یا چاندی کی ثمنیت کبھی بھی باطل نہیں ہوتی، تو اس میں کساد کا تصور نہیں، اسی طرح غلاء یا رخص سے اس میں زیادہ تغیر واقع نہیں ہوتا، جس سے عاقدین کو نقصان یا ضرر پہنچ جائے، تو یہاں اس قسم کی تفصیل کی ضرورت نہیں، اور سونے چاندی میں مثل ہی واپس کرنا ضروری ہے، اور کسی کے نزدیک بھی قیمت کا اعتبار نہیں، بخلاف ثمنِ اصطلاحی اور عرفی کے، کہ اس میں کساد بھی مؤثر ہوتا ہے، جس کی وجہ بالکل واضح ہے، اسی طرح غلاء اور رخص سے اس میں کافی تغیر واقع ہو سکتا ہے، جس سے عاقدین کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ رہتا ہے، اس لئے عاقدین کو نقصان سے بچانے کے لئے امام ابو یوسفؒ نے مذکورہ قول اختیار کیا، اور حنفیہ نے اسی کے مطابق فتویٰ دیا، کیونکہ یہ قول مزاجِ شریعت کے زیادہ قریب ہے، اور وہ یہ کہ حق دار کا حق محفوظ رہے، اور اس کو ضرر لاحق نہ ہو۔

حضرت امام ابو یوسفؒ کے قول کا صحیح محمل

یہاں یہ بات سمجھنی نہایت ضروری ہے کہ غلاء اور رخص کے سلسلے میں حنفیہ کے ہاں مفتی بہ قول امام ابو یوسفؒ کا ہے، کہ فلوس ستے ہونے یا مہنگے ہونے کی صورت میں ان کے نزدیک مثل واپس کرنا ضروری نہیں، بلکہ قیمت واپس کرنا ضروری ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فلوس میں غلاء اور رخص کا اعتبار کیا، تو کیا غلاء اور رخص کا اعتبار موجودہ کرنسی نوٹوں میں بھی ہوگا، اور کرنسی نوٹوں میں بھی امام ابو یوسفؒ کے قول کے مطابق افراط اور تفریط زر کی صورت میں قیمت کا اعتبار ہوگا؟ اگر جواب ”ہاں“ میں ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو قرض دیا تھا، یا اس کے ذمہ اس کا دین تھا، اور بعد میں افراط زر کے نتیجے میں کرنسی نوٹ کی قدر گر گئی، جیسا کہ اکثر ہوتا رہتا ہے، تو اب حق دار کو کچھ

مزید دیدے، تاکہ افراط زر کے نتیجے میں جو کمی واقع ہوئی ہے، وہ پوری ہو جائے، جیسا کہ ربا جائز سمجھنے والے کہتے ہیں، اور یہ ان کی مستقل ایک دلیل ہے، اس طرح ربا کا دروازہ کھل جائے گا، اور اگر جواب ”نہیں“ میں ہے، تو پھر فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق بیان کرنا ضروری ہوگا۔

اس کا جواب ”نہیں“ میں ہے، اور اُس زمانے کے فلوس اور موجودہ کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہیں، لہذا فلوس میں امام ابو یوسفؒ کے قول کو اختیار کرنے سے اور اس پر فتویٰ دینے سے لازم نہیں آتا کہ یہی معاملہ موجودہ کرنسی نوٹوں کے ساتھ بھی ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ اُس زمانے میں فلوس سونے اور چاندی کے ساتھ مربوط تھے، اور سونے چاندی کی بنیاد پر ہی ان کی قیمت مقرر ہوتی تھی، اور فلوس سونے چاندی کے لئے بطور ریزگاری استعمال ہوتے تھے، مثلاً:-

۱۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا دسواں حصہ (۱/۱۰) ہو گیا، لیکن ایک فلس کی یہ قیمت اس کی ذاتی قیمت کی بنیاد پر مقرر نہیں ہوتی تھی، بلکہ یہ ایک ایسی علامتی قیمت ہوتی تھی، جس کو لوگوں نے اصطلاح بنایا تھا، اس لئے یہ ممکن تھا کہ لوگ اس اصطلاح کو تبدیل کر دیں کہ اب:-

۲۰ فلس = درہم

یعنی ایک فلس درہم کا بیسواں حصہ (۱/۲۰) ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس سستے ہو گئے اور فلوس کی قیمت و قدر کم ہو گئی، اور یہ بھی ممکن تھا کہ لوگ یہ اصطلاح مقرر کر دیں کہ اب:-

۵ فلس = درہم

ہو گیا، یعنی ایک فلس درہم کا پانچواں حصہ (۱/۵) ہو گیا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ فلوس کی قدر بڑھ گئی۔

مندرجہ بالا اصول کے مطابق اگر فلوس کی قیمت میں اتار چڑھاؤ آجائے، تو کیا مقروض یا مدیون پر وہی پُرانے سکے واپس کرنا واجب ہوں گے، یا اب ان کی قیمت کا اعتبار

ہوگا، اس میں ذکر کردہ اختلاف ہو گیا، اور حنفیہ نے امام ابو یوسفؒ کے قول پر فتویٰ دے دیا، لہذا ان کے قول کے مطابق اگر کسی شخص نے ایک سو فلوس قرض لئے تھے، اور پھر ایک فلسِ درہم کا بیسواں حصہ ہو گیا، تو اب وہ دو سو فلوس واپس کرے گا، اس لئے کہ اس نے حقیقت میں دس درہم کی ریز گاری قرض لی تھی، اور اب ادائیگی کے روز دس درہم کی ریز گاری دو سو فلوس ہو گئی، اس لئے قرض دار پر دو سو فلوس ادا کرنا واجب ہو گئے۔

لیکن جہاں تک موجودہ کرنسی نوٹوں کا تعلق ہے، ان کا کسی دوسرے ٹمن کے ساتھ کوئی ربط اور تعلق نہیں ہے، اور نہ ہی یہ نوٹ کسی اور ٹمن کے لئے بطور ریز گاری اور اجزاء کے استعمال ہوتے ہیں، بلکہ وہ خود مستقل ٹمن ہیں، لہذا کرنسی نوٹوں کو فلوس پر قیاس کرنا درست نہیں، اس کے علاوہ فلوس کی صحیح قیمت معلوم کرنا ممکن تھا، کیونکہ وہ سونے یا چاندی کے ایک خاص معیار کے ساتھ مربوط تھے، بخلاف کرنسی نوٹوں کے کہ ان کا کوئی حقیقی معیار نہیں، بلکہ اس میں اشیاء کی قیمتوں کو دیکھ کر اندازہ اور تخمین سے کام لیا جاتا ہے، جس کا شریعت میں کوئی اعتبار نہیں۔

خلاصہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ کے قول کا تعلق گزشتہ زمانے کے فلوس سے ہے، اور ان فلوس اور کرنسی نوٹوں میں فرق ہے، اس لئے اس حکم میں کرنسی نوٹ فلوس کی طرح نہیں ہوں گے، اور کرنسی نوٹ میں ”قیمت“ کا اعتبار نہیں ہوگا، بلکہ ”مثل“ کا اعتبار ہوگا، جیسا کہ جمہور فقہائے کرام کا موقف ہے، لہذا امام ابو یوسفؒ کے قول کو بنیاد بنا کر کرنسی نوٹوں میں افراطِ زر کی بنیاد پر اضافے کو جائز قرار دینا درست نہیں۔^(۱)

قیمتوں کا اشاریہ (Price Index)

اس کو انڈیکس نمبرز (Index Numbers) بھی کہتے ہیں۔

عام اشیاء کی قدر زر کی مدد سے ماپی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ کرنسی کی قیمت

(۱) احکام الاوراق النقدية للعثماني (ص ۴۲)

_____ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم

دو سو روپے ہے، اور مکان پانچ لاکھ روپے کا ہے، لیکن خود زَرِّ کی قیمت و قدر اشیاء کی قیمتوں کے معیار سے پرکھی جاتی ہے، مثلاً: ہم کہتے ہیں کہ دس سال قبل سو روپے کی قدر ایک من گندم کے برابر تھی، لیکن آج صرف دس کل کے برابر ہے، لہذا زَرِّ کی قدر اس وقت زیادہ تھی، جب بھی تو اس کے بدلے زیادہ چیزیں آئیں، اور اب کم ہوگئی، کیونکہ چیزیں کم ہو گئیں۔

اب زَرِّ کی پیمائش کس طرح ہوگی؟ اس کے لئے یہ طریقہ اختیار کیا جاتا ہے کہ چند ایسی اشیاء جو کثیر الاستعمال ہوں، منتخب کی جاتی ہیں، اور ان کی (مختلف تاریخوں کے حساب سے) قیمتوں کا موازنہ (Comparison) کیا جاتا ہے، اس کو اشاریہ (Index) کہتے ہیں۔

”اشاریہ“ کا طریقہ اور اس کے مختلف مراحل

زیر بحث مسئلے کا شرعی حکم جاننے کے لئے قیمتوں کا اشاریہ وضع کرنے کا طریقہ اور کرنسی کی قیمت کی تعیین میں اس کے استعمال کو جاننا ضروری ہے، لہذا قرضوں کا قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے سلسلے میں معاشین جو طریقہ اختیار کرتے ہیں، ذیل میں اس کا خلاصہ بیان کیا جاتا ہے۔

جاننا چاہئے کہ کرنسی خواہ دھات کی ہو، یا کاغذ کی ہو، وہ بذاتِ خود مقصود نہیں، بلکہ اس کرنسی کے ذریعے انسان اپنی ضروریاتِ زندگی کی اشیاء و خدمات (Goods & Services) خریدتا ہے، اس لحاظ سے دیکھا جائے، تو ہر کرنسی کی دو قیمتیں ہوتی ہیں، ایک اس کی ظاہری قیمت (Face Value) اور دوسری اس کی حقیقی قیمت (Real Value)، ظاہری قیمت کرنسی کی وہ قیمت کہلاتی ہے، جو اس کے اوپر لکھی ہوئی ہوتی ہے، اور حقیقی قیمت اشیاء و خدمات کا وہ مجموعہ ہے، جو ایک انسان کے لئے اس کرنسی کے ذریعے خریدنا ممکن ہو،

آج کل معیشت دان اشیاء و خدمات کے اس مجموعے کو ”اشیاء کی ٹوکری“ (Basket of Goods) کہتے ہیں۔

مثلاً اگر زید کی ماہانہ تنخواہ دس ہزار روپے ہے، تو دس ہزار روپے اس کی ماہانہ آمدنی کی ظاہری قیمت ہے، پھر وہ یہ دس ہزار روپے مندرجہ ذیل اشیاء و خدمات میں صرف کرتا ہے:-

اشیاء و خدمات کی ٹوکری

(Basket of Goods
& Services)

گندم = ۴۰ کلو

کپڑا = ۲۰ میٹر

گوشت = ۲۰ کلو

دال = ۵ کلو

مکان کا کرایہ

دو بیٹوں کے تعلیمی اخراجات

طبی معائنے کی فیس

یہ اشیاء و خدمات کی ٹوکری ہے، اور یہ ٹوکری دس ہزار روپے کی حقیقی قیمت ہے۔ پھر اشیاء کی ٹوکری میں درج شدہ اشیاء سب ایک طرح اہمیت نہیں رکھتیں، بلکہ بعض چیزیں دوسرے کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کی حامل ہیں، مثلاً گندم کپڑے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور کپڑا چائے کے مقابلے میں زیادہ اہم ہے، اور اس میں شک نہیں کہ ہر انسان کی زندگی پر اہم اشیاء میں تبدیلی زیادہ اثر انداز ہوتی ہے، بہ نسبت ان کی اشیاء کی قیمتوں میں تبدیلی کے جو کم اہمیت رکھتی ہوں، لہذا اگر چائے کی قیمت زیادہ ہو جائے، تو اتنی مشکلات پیدا نہ ہوں گی جتنی گندم کی قیمت زیادہ ہونے سے پیدا ہوں گی،

لہذا کرنسی کی حقیقی قیمت میں تبدیلی کو اشیاء کی قیمتوں میں اوسط تبدیلی کے ذریعے معلوم کرنے کے لئے ماہرین معاشیات ہر چیز کی ایک خاص اہمیت فرض کرتے ہیں، پھر فرض کی ہوئی اہمیت کی بنیاد پر تمام اشیاء کے لئے علیحدہ علیحدہ نمبر مقرر کرتے ہیں، اس نمبر کو معیشت دان ”چیز کا وزن“ (Weight of Commodity) کہتے ہیں، اور اس طرح اشاریہ کو ”وزن دار اشاریہ“ (Weighted Index Number) کہتے ہیں۔

اور اگر اشاریہ میں تمام اشیاء کے ساتھ ایک جیسا معاملہ کیا جائے، اور ہر چیز کو ایک ہی وزن دیا جائے، تو اس اشاریہ کو ”سادہ اشاریہ“ (Simple Index Number) کہتے ہیں۔

اشاریہ بنانے میں مختلف مراحل ہوتے ہیں:-

۱- اہم اشیاء کا انتخاب کیا جاتا ہے۔

۲- ہر شے کو اس کی اہمیت کے پیش نظر ایک خاص وزن دیا جاتا ہے۔

۳- بنیادی سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، یہ سال ایسا ہونا ضروری ہے جس میں معاشی اعتبار سے کوئی غیر معمولی واقعہ رونما نہ ہوا ہو، جس میں عام اشیاء کی قیمتیں نہ بہت کم ہوں، اور نہ بہت زیادہ ہوں، نہ یہ قحط کا سال ہو، نہ بہتات کا، نہ جنگ کا زمانہ ہو، نہ طویل امن کا، گویا کہ یہ سال نارمل ہو۔

۴- بنیادی سال کے مقابلے میں اس سال کا انتخاب کیا جاتا ہے، جس کی قیمتوں کے ساتھ بنیادی سال کی قیمتوں کا تقابل کیا جاتا ہے۔

۵- دونوں سالوں کے درمیان قیمت کی تبدیلی کا اوسط نکالا جاتا ہے۔

۶- اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن سے ضرب دی جاتی ہے۔

۷- حاصل ضرب کو جمع کیا جاتا ہے، حاصل جمع دونوں سالوں کی قیمتوں کا فرق

ہوتا ہے۔

درج ذیل نقشہ ملاحظہ ہو!

۱ اشیاء	۲ وزن	۳ ۱۹۸۰ء	۴ ۱۹۹۷ء	۵ تبدیلی اوسط	۶ نتیجہ ضرب
کھانا	۵۰%	۳۰ کلو = ۵۰ روپے	۳۰ کلو = ۱۰۰ روپے	$۲ = ۱۰۰ / ۵۰$	۱
کپڑا	۲۰%	۱۰ روپے میٹر	۳۰ روپے میٹر	$۳ = ۳۰ / ۱۰$	۶
مکان	۳۰%	۵۰۰ ماہانہ کرایہ	۱۵۰۰ روپے	$۳ = ۱۵۰۰ / ۵۰۰$	۹
مجموعہ:					۲۰.۵

وضاحت

کالم ۱:- انسان کی ضروریات میں سب سے اہم اشیاء کھانا، کپڑا اور مکان ہیں، اس لئے، ان تینوں کا انتخاب کیا گیا۔

کالم ۲:- اس کا مطلب یہ ہے کہ زید مثلاً اپنی تنخواہ کا پچاس فیصد کھانے میں، بیس فیصد کپڑے میں اور تیس فیصد رہائش میں صرف کرتا ہے۔

کالم ۳، ۴:- میں دو سال کی قیمتوں کا تقابل کیا گیا کہ مثلاً ۸۰ء میں تیس کلو گندم کی قیمت پچاس روپے تھی، اور ۹۷ء میں یہ قیمت بڑھ کر سو روپے ہو گئی۔

کالم ۵:- میں دونوں سال کی قیمتوں کی تبدیلی کا اوسط نکالا، جس کے لئے ۸۰ء کی قیمتوں کو ۹۷ء کی قیمتوں پر تقسیم کیا، یعنی: $۲ = ۱۰۰ / ۵۰$ ، یہ اوسط تبدیلی ہے۔

کالم ۶:- اس میں اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن کے ساتھ ضرب دیا، یعنی:

$$۱ = ۵۰ / ۱۰۰ \times ۲ / ۱ = ۵۰\% \times ۲$$

مجموعہ سے مراد یہ ہے کہ اوسط تبدیلی کو اشیاء کے وزن میں ضرب سے جو حاصل

ضرب نکلا، اس کو جمع کیا، یعنی:-

$$۲۶۵ = ۰.۶۹ + ۰.۶۶ + ۱.۶۰$$

”۲۶۵“ کا مطلب یہ ہے کہ وہ اشیاء کی ٹوکری جس کو ایک شخص ۸۰ء میں سو روپے میں خرید سکتا تھا، وہ ۹۷ء میں انہی اشیاء کی ٹوکری کو دو سو پچاس روپے میں خرید سکے گا، کیونکہ کرنسی کی حقیقی قیمت میں ۲۵% کے تناسب سے کمی واقع ہوگئی۔

اگر ہم فرض کریں کہ ۸۰ء میں ایک شخص کی ماہانہ تنخواہ ۵۰۰۰ روپے تھی، اور ۹۷ء میں اس کی ماہانہ تنخواہ زیادہ ہو کر ۱۰۰۰۰ روپے ہوگئی، تو اس کی ماہانہ تنخواہ کی قیمت اور حیثیت کا حساب مندرجہ ذیل طریقے سے کیا جائے گا:-

سال	ظاہر قیمت	زیادتی کا تناسب	حقیقی قیمت	کیفیت
۱۹۸۰ء	۵۰۰۰	۰.۶۱	۵۰۰۰	۱x۵۰۰۰/۰
۱۹۹۷ء	۱۰۰۰۰	۵.۶۲	۴۰۰۰	۲x۱۰۰۰۰/۵

تو گویا کہ ۱۰۰۰۰ روپے ۴۰۰۰ روپے مساوی ہو گئے۔

لہذا اگر کسی نے ۸۰ء میں ۴۰۰۰ روپے قرض لئے تھے، تو اب ۹۷ء میں وہ ۱۰۰۰۰ روپے واپس کرے، بصورت دیگر حق دار پر ظلم ہوگا، اسی وجہ سے بعض معیشت دان کہتے ہیں کہ اس زمانے میں قرض/ذین کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا ضروری ہے، اور اس کے حساب سے قروض اور دیون کی ادائیگی کرنی چاہئے۔

کیا قرض اور اجرت کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کیا جاسکتا ہے؟
(Indexation System)

حکم شرعی کے اعتبار سے قرض/ذین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے اور اجرت کو اس کے ساتھ مربوط کرنے کا حکم الگ الگ ہے، قرض یا ذین کا اشاریہ کے ساتھ مربوط کرنے کی شریعت میں کوئی گنجائش نہیں ہے، البتہ اجرت میں کچھ تفصیل ہے، دونوں مسئلوں کا خلاصہ ذیل میں مذکور ہے۔

قرضوں کو اشاریہ کے ساتھ منسلک کرنا شرعاً کیسا ہے؟

اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ قرضوں پر مذکورہ بالا زیادتی کو جائز کہنا اور اس کو عین انصاف قرار دینا شرعی قواعد کے مطابق نہیں، اس لئے کہ شریعتِ اسلامیہ میں قرضوں کو اسی مقدار کی مثل ادا کرنا واجب ہے، اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے، حتیٰ کہ جو لوگ قرضوں کی قیمتوں کے اشاریہ کے ساتھ تعلق کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اس اصول کو مانتے ہیں، لہذا اب ”مثل“ کی تعیین کرنی ہے، کہ مثل سے کیا مراد ہے؟ کیونکہ مثل کی دو قسمیں ہیں: ایک مثل معنوی اور ایک مثل صوری، تو قرضوں کی واپسی میں جس مثل کا اعتبار ہے، اس سے مراد مثل صوری ہے، یا مثل معنوی ہے، مثل معنوی سے یہاں مراد قیمت ہے، اور مثل صوری کا مطلب یہ ہے کہ جتنی چیز گنتی کے حساب سے یا وزن کے حساب یا کیل کے حساب سے قرض لی ہے، اسی مقدار میں واپس کرے، خواہ اس کی قیمت کچھ بھی ہو۔

قرآن و سنت اور لوگوں کے معاملات کے مشاہدے سے جو بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ ”مثل“ سے یہاں مراد مثل صوری ہی ہے، یعنی کیت میں برابری ضروری ہے نہ کہ قیمت اور مالیت میں، چند دلائل ذیل میں مذکور ہیں:-

۱- اگر ایک شخص دوسرے سے ایک کلو گندم بطور قرض لے، اور قرض لیتے وقت ایک گندم کی قیمت پانچ روپے تھی، اور جب وہ قرض دار قرضہ واپس کرنے لگا، تو اس وقت ایک کلو گندم کی قیمت دو روپے ہو گئی تھی، تو اب بھی وہ صرف ایک کلو گندم واپس کرے گا، زیادہ نہیں، باوجود یہ کہ ایک کلو گندم کی قیمت پانچ روپے سے کم ہو کر دو روپے رہ گئی، اور اس مسئلے میں فقہائے متقدمین و متاخرین کا اجماع ہے، فقہاء میں سے کوئی بھی اس مسئلے میں یہ نہیں کہتا کہ اس صورت میں جب کہ گندم کی مالیت کم ہو گئی ہے صرف ایک کلو گندم واپس کرنا قرض خواہ پر ظلم ہے، اس لئے گندم کی قیمت میں جتنی کمی واقع ہوئی ہے، اسی نسبت سے اضافہ کر کے قرض خواہ کو واپس کرے، یعنی ایک کلو گندم کی بجائے اب قرض دار ڈھائی کلو

گندم واپس کرے، اس لئے کہ ڈھائی کلو گندم کی مالیت اب وہی ہے، جو قرض لیتے وقت ایک کلو گندم کی تھی۔

یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ قرض میں جس ”مثلیت“ اور برابری کا اعتبار ہے، وہ مقدار اور کمیت میں برابری ہے، قیمت اور مالیت میں برابری معتبر نہیں۔

۲- تمام فقہائے کرام کے نزدیک یہ مسلم ہے کہ قرضوں کی واپسی میں برابری کی شرط صرف سود سے بچنے کے لئے ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مطلوبہ برابری کو رباً الفضل کی احادیث میں پوری تشریح کے ساتھ واضح فرمادیا ہے، چند احادیث مبارکہ بطور نمونہ ملاحظہ ہوں!

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ : قال : کنا نرزق تمر الجمع علی عهد رسول اللہ ﷺ، وهو الخلط من تمر فکنا نبیع صاعین بصاع، فبلغ ذلك رسول الله ﷺ فقال: لا صاعین تمرًا بصاع، ولا صاعین حنطة بصاع ولا ذرهما بدرهمین۔

”حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ہمارے پاس ہر قسم کی ملی جلی کھجوریں آیا کرتی تھیں، ہم (گھٹیا کھجور کے) دو صاع (بڑھیا کھجور) کے ایک صاع کے بدلے میں بیچ دیتے تھے، جب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی، تو آپ نے فرمایا کہ دو صاع کھجور کو ایک صاع کھجور کے بدلے میں مت بیچو، اور نہ دو صاع گندم ایک صاع گندم کے بدلے میں بیچو، اور ایک درہم دو درہم کے بدلے میں مت بیچو۔^(۱)

(۱) جامع الاصول، ابن الاثیر الجزری (الامام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد) المتوفی ۷۲۰ھ، حلوان، مکتبۃ الحلوانی، طبع ۱۳۸۹ھ (۱/۵۳۶)

اس حدیث مبارک سے یہ بات بالکل واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیمت میں مثلیت اور برابری کا اعتبار نہیں کیا، بلکہ قیمت میں برابری اور مثلیت کا اعتبار کیا، کیونکہ یہ بات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم تھی کہ جو کھجور دو صاع کے بدلے میں بیچی جائے گی وہ اس کھجور کے مقابلے میں زیادہ قیمتی ہوگی، جو ایک صاع کے عوض بیچی جائے گی، لیکن اس کے باوجود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس پر راضی نہیں ہوئے، بلکہ مقدار اور ناپ میں مماثلت اور برابری کا حکم دیا، اور قیمت کا اعتبار نہیں کیا۔

عن ابی سعید و ابی ہریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہما : ان رسول اللہ ﷺ استعمل رجلا علی خیبر ف جاء ہم بتمر جنیب، فقال : اکل تمر خیبر ہکذا ؟ قال : انا لناخذ الصاع بالصاعین والصاعین بالثلاث، قال : لا تفعل، بع الجمع بالدرہم ثم ابتع بالدرہم جنیبا۔

”حضرت ابوسعید خدری اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو خیبر کا عامل بنا کر بھیجا، وہ عامل جب واپس آیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جنیب (کھجور کی ایک عمدہ قسم) کھجور پیش کیس، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سوال کیا کہ کیا خیبر کی تمام کھجوریں ایسی ہوتی ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہم ایک صاع کو دو صاع کے بدلے میں اور دو صاع کو تین صاع کے بدلے میں تبدیل کر لیتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا مت کرو، بلکہ جمع کھجور کو پہلے ذرا ہم کے عوض فروخت کر دو، پھر ان ذرا ہم سے جنیب کھجور خرید لیا کرو۔“ (۱)

یہ حدیث شریف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اموال ربویہ میں جو مماثل اور

برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں تماثل ہے، قیمت میں تماثل اور برابری مطلوب نہیں، اس لئے کہ جنب کھجور جمع کھجور کے مقابلے میں بہت اعلیٰ درجے کی قیمتی اور عمدہ کھجور تھی، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کی ایک قسم کی دوسری قسم سے تبدیل کرنے کی صورت میں عمدہ اور گھٹیا ہونے کا بالکل اعتبار نہیں کیا، بلکہ وزن میں برابری کو ضروری قرار دیا۔

عن عبادة بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: قال رسول اللہ ﷺ: الذهب بالذهب والفضة بالفضة والبر بالبر والشعير بالشعير والتمر بالتمر والملح بالملح مثلاً بمثل سواء بسواء يدا بيد، فاذا اختلفت هذه الاصناف فبيعوا كيف شئتم اذا كان يدا بيد۔

”حضرت عبادة بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں چاندی کو چاندی کے بدلے میں گندم کو گندم کے بدلے میں، جو کو جو کے بدلے میں کھجور کو کھجور کے بدلے میں اور نمک کو نمک کے بدلے میں ہاتھ در ہاتھ بیچو، ہاں اگر ان اشیاء کی بیچ میں جنس مختلف ہو جائے، تو پھر جس طرح چاہو، بیچو، بشرطیکہ ہاتھ در ہاتھ ہو۔“ (۱)

عن ابی ہریرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ: الذهب بالذهب وزناً بوزن مثلاً بمثل والفضة بالفضة وزناً بوزن مثلاً بمثل فمن زاد او استزاد فهو ربا۔

”حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونا سونے کے بدلے میں وزن کر کے بیچو،

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۲)۔

اور چاندی کو چاندی کے بدلے میں وزن کر کے بیچو، ان میں جو شخص زیادتی کرے، یا زیادتی طلب کرے، تو وہ زیادتی سود ہے۔“ (۱)

عن عبادة بن الصامت رضى الله تعالى عنه ان النبى ﷺ قال: الذهب بالذهب تبرها وعينها، والفضة بالفضة تبرها وعينها، والبر بالبر بمدین بمدین والشعير بالشعير بمدین بمدین والتمر بالتمر بمدین بمدین والملح بالملح بمدین بمدین فمن زاد او اسزاد فقد اربى۔

”حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سونے کو سونے کے بدلے میں چاہے وہ سونے کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکے ہو، چاندی کو چاندی کے بدلے میں چاہے وہ چاندی کا ٹکڑا ہو، یا ڈھلا ہوا سکے ہو، اور دو مدی گندم کو دو مدی گندم کے بدلے میں، اور دو مدی جو کو دو مدی جو کے بدلے میں، اور دو مدی کھجور کو دو مدی کھجور کے بدلے میں اور دو مدی نمک کو دو مدی نمک کے بدلے میں بیچو، اور جس شخص نے زیادتی کی یا زیادتی طلب کی، اس نے سود لیا۔“ (۲)

مندرجہ بالا ساری احادیث اس بات کو واضح طور پر بیان کرتی ہیں کہ شریعت میں جو تماثل اور برابری مطلوب ہے، وہ مقدار میں برابری ہے، اموالِ ربویہ میں قیمت کے تفاوت کا کوئی اعتبار نہیں۔

اس سلسلے میں ایک حدیث اور ہے، جو خاص کر قرض ہی میں مثلیت اور برابری کو واضح کرتی ہے:-

(۱) جامع الاصول (۱/۵۵۳)۔

(۲) جامع الاصول۔

عن عبد الله بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما قال: كنت ابيع الابل بالبقیع فابیع بالدنانیر وأخذ الدرہم، وابع بالدراہم وأخذ الدنانیر أخذ هذه من هذه، واعطی هذه من هذه، فاتیت رسول اللہ ﷺ وهو فی بیت حفصہ، فقلت: یا رسول اللہ اریدک اسئلك، انی ابيع الابل بالبقیع فابیع بالدنانیر وأخذ الدرہم وابع بالدراہم وأخذ الدنانیر، أخذ هذه من هذه واعطی هذه من هذه، فقال رسول اللہ ﷺ: لا بأس ان تاخذها بسعر یومها ما لم تفترقا وبنکما شنی۔

”حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا: میں مقام بقیع میں اُونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعے بھاؤ کر کے اُونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے درہم لے لیتا، اور کبھی درہم کے ذریعے بھاؤ کرتا، اور بجائے درہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی درہم کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار ادا کرتا ہوں، ایک مرتبہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر پر تھے، میں نے کہا: میں مقام بقیع میں اُونٹ بیچا کرتا تھا، تو کبھی دیناروں کے ذریعے بھاؤ کر کے اُونٹ بیچتا، اور بجائے دینار کے مشتری سے درہم لے لیتا، اور کبھی درہم کے ذریعے بھاؤ کرتا، اور بجائے درہم کے دینار وصول کرتا، یعنی دینار کے بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار وصول کرتا، اور ادا کرتے وقت بھی درہم کے

بدلے درہم اور درہم کے بدلے دینار ادا کرتا ہوں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، اس طرح معاملہ کرنے میں کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ اسی روز کے بھاؤ کے برابر لو، اور تم دونوں کے درمیان اس حالت میں جدائی نہ ہو، کہ تمہارے درمیان کوئی لین وین باقی ہو۔^(۱)

اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے لئے اس چیز کو جائز قرار دیا کہ جب بیع دینار کے ذریعے ہو، تو ادائیگی کے روز دینار کی جو قیمت ہو، اس قیمت کے برابر درہم وصول کر لیں، جس روز ذمہ واجب ہوئے ہوں، اس روز کی قیمت کا اعتبار نہیں، مثلاً بیع میں ایک دینار طے ہوا، اور بیع کے روز ایک دینار کی قیمت دس درہم تھی، اور اس وقت مشتری نے ادا نہیں کی، کچھ روز بعد جب مشتری نے قیمت ادا کرنا چاہا تو اس وقت اس کے پاس درہم تو تھے مگر دینار نہیں تھے، اور اس روز ایک دینار کی قیمت گیارہ درہم ہو گئی، تو اب مشتری بائع کو گیارہ درہم ہی ادا کرے گا۔

قرآن و سنت کی روشنی میں یہ بات تمام فقہاء کے نزدیک مسلم ہے کہ قرض کی واپسی کے وقت مقدار میں یقینی مثلیت اور برابری شرط ہے، انکل اور اندازے سے واپس کرنا جائز نہیں حتیٰ کہ اگر ایک شخص نے ایک صاع گندم بطور قرض لئے اور یہ شرط ٹھہرائی کہ قرض دار مجھے بغیر ناپ کے صرف اندازے اور تخمین سے ایک صاع واپس کرے، تو قرض کا یہ معاملہ جائز نہیں، اس لئے کہ اموال ربویہ میں اندازے اور تخمین سے ایک صاع واپس کرنا جائز نہیں، اسی وجہ سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع مزابنہ کو حرام قرار دیا ہے، بیع مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگی ہوئی کھجور کو ٹوٹی ہوئی کھجور کے بدلے میں بیچا جائے اور اس کی حرمت کی وجہ یہی ہے کہ جو کھجور ٹوٹی ہوئی ہے، اس کی مقدار وزن کے ذریعے معلوم کی

(۱) سنن ابوداؤد کتاب البیوع۔

جاسکتی ہے، اور جو کچھ جو درخت پر لگی ہوئی ہے اس کی مقدار معلوم کرنے کا طریقہ اندازہ اور تخمین کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے، اس وجہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیج کو علی الاطلاق حرام قرار دے دیا، حالانکہ بعض اوقات اندازہ بالکل صحیح یا صحیح کے قریب ہوتا ہے، لہذا اموال ربویہ میں سے بعض کو بعض سے تبادلہ کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ دونوں میں تبادلہ عملی طور پر مقدار میں برابری کے ذریعے ہو، اندازہ اور تخمین کے ذریعے برابری کافی نہیں ہے۔

دوسری طرف اگر قرضوں کو قیمتوں کے اشاریے سے منسلک کیا جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قرض کی ادائیگی میں حقیقی مثلثیت کا اعتبار نہیں کیا گیا، بلکہ ایک تخمینی مثلثیت پر ادائیگی کی بنیاد رکھی گئی، اس لئے کہ قیمتوں کے اشاریے میں اشیاء کی قیمتوں میں کمی اور زیادتی کا جو تناسب نکالا جاتا ہے، وہ تقریبی اور تخمینی ہوتا ہے، جس کی بنیاد ایک ایسا مخصوص حسابی طریقہ ہے جو اندازے اور اٹکل ہی کے ذریعے کیا جاتا ہے۔

چنانچہ اس حسابی طریقے میں درج ذیل مقامات پر اٹکل اور اندازے سے کام لیا

جاتا ہے۔

۱- اشاریے میں درج شدہ اشیاء کی تعیین

یہ بات معلوم ہی ہے کہ ہر شخص کی اپنی خاص ضروریات ہوتی ہیں، اس لئے ایک شخص کی اشیاء ضرورت بھی دوسرے شخص سے مختلف ہوں گی، لہذا ایک شخص کی ”اشیاء کی ٹوکری“ دوسرے شخص کی ٹوکری سے مختلف ہوگی، لیکن اشاریے میں درج شدہ ٹوکری صرف ایک ہے، جس میں اشیاء کو اس کے استعمال کرنے والوں کی کثرت کی بنیاد پر درج کیا جاتا ہے، اس لئے بعض اوقات اس میں ایسی اشیاء بھی درج ہوتی ہیں، جن کی بعض لوگوں کو پوری زندگی میں کبھی ضرورت ہی پیش نہیں آتی، اس لئے ان بعض کے اعتبار سے یہ اشاریہ درست نہیں ہو سکتا، لہذا معلوم ہوا کہ اشاریے میں بعض اشیاء صرف اندازے اور تخمین سے درج کی جاتی ہیں۔

۲- اشیاء کے وزن (اہمیت) کی تعیین

دوسرے یہ کہ اشیاء کے وزن اور صارفین کے اعتبار سے اس کی اہمیت کے تعیین میں اندازے اور اٹکل سے کام لیا جاتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اشیاء کی اہمیت ایک اضافی چیز ہے، جو اشخاص کے اختلاف سے مختلف ہو جاتی ہے، بعض اوقات ایک چیز ایک شخص کے نزدیک بہت اہمیت کی حامل ہے، اور وہی چیز دوسرے شخص کے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتی، اشاریہ اس مفروضے پر بنایا جاتا ہے کہ ہر چیز کی جو اہمیت ہم نے فرض کی ہے، وہ تمام صارفین کے اعتبار سے ہے، اور یہ درمیانی اوسط کی بنیاد پر فرض کی جاتی ہے، جو صرف اندازے اور تخمین ہی سے نکالی جاتی ہے۔

۳- اشیاء کی قیمت کا تعیین

تیسرے یہ کہ مختلف سالوں میں اشیاء کی قیمتوں کا تعیین بھی اندازے اور اٹکل سے کیا جاتا ہے، اس لئے کہ ظاہر ہے کہ ایک ہی چیز کی قیمت مختلف شہروں اور جگہوں کے اعتبار سے مختلف ہوگی، اور اشاریے میں صرف ایک ہی جگہ کی قیمت کا اندراج ممکن ہے، اس لئے اگر ایک ملک کا اشاریہ بنانا ہو، تو صرف تمام جگہوں کی قیمتوں کا درمیانی اوسط نکال کر ہی بنایا جاسکتا ہے، ظاہر ہے کہ یہ اوسط اندازے اور تخمین ہی کے ذریعے نکالا جاسکے گا۔

مندرجہ بالا بحث سے معلوم ہو گیا کہ اشاریہ اپنے تمام مراحل میں اندازے اور تخمین پر مبنی ہے، اور اگر کسی جگہ پر حساب بہت باریک بینی اور پوری احتیاط سے بھی کیا جائے، تو بھی اس کے نتیجے کو زیادہ سے زیادہ تقریبی تو کہہ سکتے ہیں، یقینی اور واقعی پھر بھی نہیں کہہ سکتے، جبکہ اوپر احادیث کی روشنی میں یہ واضح ہو چکا ہے کہ قرضوں کی واپسی میں اٹکل اور اندازے کی شرط لگانا جائز نہیں، لہذا قرضوں کی ادائیگی کا قیمتوں کے اشاریے سے منسلک کر دینا کسی حال میں درست نہیں۔^(۱)

(۱) فقہی مقالات، عثمانی (جلس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مین اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۳ء
(۳۹/۱)۔

اسلامی فقہ اکیڈمی جدہ کی قرارداد درج ذیل ہے:-

ان مجلس مجمع الفقہ الاسلامی المنعقد فی دورۃ مؤتمرة
الخامس بالکویت من الی ۶ جمادی الاولی ۱۴۰۹ھ
- ۱۰ الی ۱۵ کانون الاول (دیسمبر) ۱۹۸۸م۔۔۔قرر مالی:
العبرة فی وفاء الديون الثابتة ما هی بالمثل وليس بالقيمة
لان الديون الثابتة تقضى بامثالها، فلا يجوز ربط الديون
الثابتة فی الذمة ایا كان مصدرها بمستوى الاسعار والله
اعلم۔

”اسلامی فقہ اکیڈمی کی مجلس جس کی پانچویں کانفرنس کویت میں یکم تا
۶ جمادی الاولیٰ ۱۴۰۹ھ۔ ۱۰ تا ۱۵ دسمبر ۱۹۸۸ء نے درج ذیل
قرارداد پیش کی: ”جو قرض ذمہ میں واجب ہوں، ان کی ادائیگی
میں مثل کا اعتبار ہے، اور قیمت کا اعتبار نہیں، کیونکہ قرض کی ادائیگی
میں مثل کا اعتبار ہوتا ہے، لہذا قرض اور دیون جو ذمہ میں واجب
ہوں، ان کو کسی حال میں اشاریے کے ساتھ منسلک نہیں کیا
جاسکتا۔“^(۱)

مزدوروں کی اجرتوں کو اشاریے کے ساتھ وابستہ کرنا

جہاں تک اجرتوں کی قیمتوں کے اشاریے سے ربط کا مسئلہ ہے، تو جب تک
اجرت قرض نہ بن جائے، اس وقت تک اس کا حکم ”قرضوں کے ربط“ سے مختلف ہوگا، البتہ
اجرت اگر قرض بن جائے، تو اس صورت میں اس کا حکم بھی وہی ہوگا، جو قرضوں کے ربط کا
حکم ہے۔

(۱) مجلة المجمع الفقہ الاسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ

۶۱۹۸۸/ص (۲۲۶)۔

تفصیل اس کی یہ ہے کہ اُجرتوں کو اِشاریے کے ساتھ مربوط کرنے کی تین صورتیں ممکن ہیں:-

پہلی صورت

پہلی صورت کہ اُجرتیں اور تنخواہیں نوٹوں کے ذریعے طے ہو جائیں، کہ اتنی اُجرت یا تنخواہ دی جائے گی، اور مالک اور مزدور کے درمیان یہ معاہدہ ہو جائے کہ یہ تنخواہ ہر سال قیمتوں کے اِشاریے کے زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، مثلاً حکومت ایک شخص کو تین ہزار روپے ماہوار تنخواہ ملازم رکھے، اور یہ معاہدہ کرے کہ یہ تنخواہ ہر سال کے شروع میں قیمتوں کے اِشاریے میں زیادتی کے تناسب سے بڑھتی رہے گی، اس صورت میں اس ملازم کو ہر سال کے آخر تک ہر ماہ تین ہزار روپے ہی قبول کرنے پڑیں گے، اور درمیان سال میں قیمتوں کے اِشاریے میں زیادتی کے تناسب کو نہیں دیکھا جائے گا، البتہ جب نیا سال شروع ہوگا، تو اس وقت اِشاریے کو دیکھا جائے گا، کہ ایک سال کے اندر اس میں کس تناسب سے زیادتی ہوئی، مثلاً قیمتوں کے اِشاریے میں ۵٪ کے تناسب سے زیادتی ہوئی تھی، تو اس ملازم کی تنخواہ میں بھی اسی تناسب سے زیادتی کرنی ہوگی، لہذا اب نئے سال سے اس کی تنخواہ تین ہزار ایک سو پچاس روپے ہو جائے گی۔

یہ طریقہ بہت سے ممالک مثلاً پاکستان وغیرہ میں رائج ہے، اور اس قسم کے ربط کی شریعت میں کوئی ممانعت نہیں ہے، اس لئے کہ اس صورت میں کا حاصل یہ ہے کہ دونوں فریق اُجرتوں اور تنخواہوں میں ہر سال یا ہر چھ ماہ بعد ایک متعین شرح تناسب سے زیادتی پر متفق ہو گئے ہیں، اور یہ زیادتی کا تناسب اگرچہ عقد کے وقت تو فریقین کے علم میں نہیں تھا، مگر وہ پیمانہ معلوم ہے جس کی بنیاد پر تناسب کا تعین ہوگا، اس لئے زیادتی کی مقدار میں جو جہالت کا شبہ تھا، وہ مرتفع ہو گیا، یا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر نئے سال کے شروع میں جس تناسب سے قیمتوں میں زیادتی ہوئی ہوگی، اسی تناسب سے اضافہ شدہ اُجرت پر اس عقدِ اجارہ کی

تجدید کی جائے گی، اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں ہے۔

دوسری صورت

اُجرتوں کے قیمتوں کے اشاریے سے ربط کی دوسری صورت یہ ہے کہ اُجرت کی تعیین نوٹوں کی ایک معلوم مقدار پر ہو جائے، لیکن عقد میں شرط کر لیں کہ مالک کے ذمہ یہ مقدار معلوم واجب نہیں، بلکہ اس کے ذمہ وہ مقدار واجب ہوگی جو قیمتوں کے اشاریے کی رُو سے مہینے کے آخر میں اس مقدار معلوم کے مساوی اور برابر ہوگی۔

مثلاً زید نے عمر کو ایک ماہ کے لئے ملازم رکھا اور یہ طے پایا کہ زید عمر کو مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کے لحاظ کرتے ہوئے اتنی رقم اُجرت میں دے گا، جو موجودہ ایک ہزار روپے کے مساوی ہوگی، چنانچہ قیمتوں کے اشاریے میں ایک ماہ کے اندر دو فیصد کے تناسب سے قیمتیں بڑھ گئیں، تو اب زید مہینے کے آخر میں عمر کو ایک ہزار بیس روپے ادا کرے گا، اس لئے کہ یہ ایک ہزار اور بیس روپے شروع مہینے کے ایک ہزار روپے کے مساوی ہیں۔

لیکن جب مہینے کے آخر میں یہ طے ہو گیا کہ تنخواہ ایک ہزار اور بیس روپے ہے، تو اب یہ تنخواہ ہمیشہ کے لئے ایک ہزار اور بیس روپے ہی رہے گی، زائد نہ ہوگی، لہذا اگر مالک مہینے کے آخر میں یہ تنخواہ ادا نہیں کر سکا حتیٰ کہ ایک مہینہ اور گزر گیا، یا ایک سال گزر گیا، اور اس نے تنخواہ ادا نہیں کی، تب بھی مالک کے ذمہ ایک ہزار اور بیس روپے واجب ہوں گے، قیمتوں کے اشاریے میں زیادتی سے اس میں زیادتی نہیں آئے گی، مثلاً اگر اس عرصے میں قیمتوں کے اشاریے میں دس فیصد کے تناسب سے اضافہ ہو چکا ہے، اس لئے اب مجھے ایک ہزار بیس روپے پر دس فیصد کے حساب سے اضافہ کر کے اُجرت دی جائے، اس لئے عقد کے وقت ہی آپس کے اتفاق سے اُجرت کے بارے میں یہ بات طے ہو چکی تھی کہ مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ہزار کے مساوی ہوں گے، وہ دیئے جائیں گے، اور

صرف تعین کے لئے قیمتوں کے اشاریے کو مد نظر رکھا جائے گا، لیکن جب مہینے کے آخر میں قیمتوں کے اشاریے کی بنیاد پر ایک مرتبہ اجرت طے ہوگئی، تو اب قیمتوں کے اشاریے کا کام مکمل ہو چکا، اب اس کی ضرورت نہیں رہی اور اب وہ معین اجرت مالک کے ذمہ قرض ہوگئی، جس میں آئندہ نہ تو زیادتی ہو سکتی ہے، اور نہ کمی واقع ہو سکتی ہے، قیمتوں کے اشاریے میں چاہے کتنے بھی تغیرات واقع ہو جائیں۔

جہاں تک اس صورت کی شرعی حیثیت کا تعلق ہے، اس میں جسٹس مفتی محمد تقی صاحب کی رائے یہ ہے کہ یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ قیمتوں کا اشاریہ اور اس کے حساب کا طریقہ فریقین کو اچھی طرح معلوم ہو، تاکہ بعد میں لاعلمی کی بناء پر آپس میں جھگڑا نہ ہو جائے، اس لئے کہ یہاں دونوں فریق اس بات پر متفق ہیں کہ طے شدہ اجرت ایک ہزار روپے نہیں، بلکہ قیمتوں کے اشاریے کے اعتبار سے مہینے کے آخر میں جتنے روپے موجودہ ایک ایک ہزار روپے کے مساوی ہوں گے، وہ مالک پر دینے واجب ہوں گے، جس کو حساب کے ذریعے نکالنے کا طریقہ دونوں فریق کو معلوم بھی ہو، لہذا اجرت کی مقدار میں اتنی جہالت جھگڑا کا سبب نہیں بنے گی، اور شرعاً اتنی جہالت متحمل ہوتی ہے۔

تیسری صورت

تیسری صورت کہ اجرت تو روپے کی معین مقدار کے ذریعے طے ہو جائے، اور فریقین کے درمیان یہ شرط ہو جائے کہ وہ اجرت مالک کے ذمہ واجب ہوگی، جو عقد اجارہ میں طے ہوئی ہے، لیکن جس دن یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اضافہ ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ اجرت میں بھی اضافہ کر کے ادا کرے گا۔

مثلاً ایک شخص نے کسی کو ایک ہزار روپے پر ملازم رکھا، اور دونوں کے درمیان یہ طے ہو گیا کہ اجرت ایک ہزار روپے ہے، لیکن مالک پر یہ ضروری نہیں ہوگا کہ جس دن وہ یہ اجرت ادا کرے گا، اس دن قیمتوں کے اشاریے میں جس تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں

إضافة ہوا ہوگا، اسی تناسب سے وہ بھی ایک ہزار روپے میں إضافة کر دے گا، لہذا مالک نے اگر یہ اجرت مہینے کے آخری دن میں ادا کی اور اس روز قیمتوں کے اشاریے میں دو فیصد کے تناسب سے إضافة ہو چکا تھا، تو اب مالک بھی دو فیصد کے تناسب سے إضافة کر کے ایک ہزار اور بیس روپے ادا کرے گا، اور اگر مالک نے یہ اجرت ایک سال کے بعد ادا کی، اور اس وقت تک قیمتوں میں دس فیصد کے تناسب سے اشیاء کی قیمتوں میں إضافة ہو چکا تھا، تو اب مالک بھی دس فیصد کے تناسب سے إضافة کر کے گیارہ سو روپے ادا کرے گا۔

یہ صورت شرعاً جائز نہیں، کیونکہ ”قرضوں کے قیمتوں کے اشاریے کے ساتھ ربط“ کی طرح ہے، جس کی تفصیل پیچھے گزر گئی ہے۔

تیسری اور دوسری صورت میں فرق

دوسری صورت میں اشاریہ سے صرف متفقہ اجرت کی تعیین کا کام لیا جاتا ہے، اور اشاریے کی بنیاد پر جب ایک مرتبہ اجرت متعین ہوگی، تو اشاریے کا کام ختم ہو چکا، اب ہمیشہ کے لئے یہی متعین اجرت مالک کے ذمہ واجب رہے گی، اس پر زیادتی نہ ہوگی، چاہے مالک جب بھی ادا کرے۔

بخلاف تیسری صورت کے کہ اس صورت میں اجرت ایک ہزار روپے متعین تھی، جو ادا نہ کرنے کی بنا پر مالک کے ذمہ قرض (دین) بن گئی تھی، اور پھر اس قرض کو اشاریے کے ساتھ ملا دیا گیا تھا، لہذا اس تیسری صورت کا بھی وہی حکم ہوگا، جو اس سلسلے میں قرضوں کا ہے۔^(۱)

فلوس کی قیمت میں تبدیلی اور اقوال فقہاء

اس مسئلے پر مفصل کلام ”افراط زرار اور تفریط زرار“ کے عنوان کے تحت ہوا ہے، مزید بحث کی ضرورت نہیں ہے۔

(۱) فقہی مقالات (۷۴/۱)، احکام الاوراق النقدية (ص ۲۷)، کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم۔

باب ہفتم

زَرِّ اعتباری یا زَرِّ تجارت (Credit Money)

اعتبار (Credit) کی حقیقت

”اعتبار“ انگلش لفظ "Credit" کا ترجمہ ہے، عربی میں کریڈٹ کو "اثمان"

کہتے ہیں، جس کے معنی اعتبار اور اعتماد کے ہیں۔

اصطلاحی تعریفات درج ذیل ہیں:-

برٹانیکا میں کریڈٹ کی تعریف یوں کی گئی ہے:-

Transaction between two parties in which one (the creditor or lender) supplies money , goods , services or securities in return for a promised future payment by the other (the debtor or borrower)(۱)

”کریڈٹ ایک ایسا معاملہ ہے، جس میں ایک پارٹی زَرِّ سامان،

خدمات یا سیکورٹیز مہیا کرتی ہے، جبکہ دوسری طرف سے مستقبل میں

موجود ادا کیگی ہوتی ہے۔“

مختصر الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:-

Present right to a future payment

آئندہ ادا کیگی پر حالیہ حق کا نام کریڈٹ ہے۔ (۲)

کریڈٹ کی ایک اور تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

Britannica V:3,P: 722(۱)

Footnotes on Introduction to Economics principles P: 341(۲)

”يعرف الائتمان بانه تنازل عن مال حاضر لقاء مال مستقبل واساسه الثقة“^(۱)

” کریڈٹ کی تعریف یہ کی جاتی ہے کہ آئندہ مال کے بدلے میں حالیہ مال سے دستبردار ہونا، اور اس کی بنیاد اعتماد ہے۔“

موسوعة المصطلحات الاقتصادية میں کریڈٹ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے:-

”منح حق استخدام او امتلاك السلم والخدمات دون دفع القيمة فوراً“^(۲)

اس تعریف کا بھی حاصل وہی ہے، جو سابقہ تعریفات کا ہے۔
اُردو کتابوں میں درج ذیل تعریف کی گئی ہے:-

”اعتبار سے مراد بھروسہ، یقین یا اعتماد ہے جو قارض اپنے کسی مقروض پر اسے قرضہ دیتے وقت یا ادھار مال دیتے وقت کرتا ہے، اور یہ سمجھتا ہے کہ مقروض اسے طے شدہ مدت کے بعد قرض کی رقم واپس کر دے گا، یا اس نے ادھار پر جو مال خریدا تھا، اس کی قیمت ادا کرے گا۔“^(۳)

حاصل یہ کہ ”کریڈٹ“ اعتماد، یقین، اور اعتبار کو کہتے ہیں، اور اس میں اسی اعتماد کی بنیاد پر ادھار معاملہ ہوتا ہے۔

(۱) القاموس الاقتصادي، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مديرية مطبعة الادارة المحلية ۱۹۷۷م (ص ۸۸)

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية والاحصائية، هيكل (الدكتور عبدالعزيز فهمي هيكل) بيروت، دار النهضة العربية ۱۹۸۰م (ص ۱۸۲)

(۳) تعارف ڈرو بیکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سیکلر اولو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع اول ۱۹۹۱ء (ص ۲۲۱)۔

زر اعتباری یا زر تجارت کی حقیقت

زر اعتباری یا زر تجارت کی تعریف یہ کی گئی ہے:-

صكوك مكتوبة بشكل قانوني محدد تتضمن التزاما بدفع مبلغ من النقود في وقت معين او قابل للتعيين ويمكن نقل الحق الثابت بطريق التظهير والمناولة^(۱)

لکھے ہوئے صکوک ہیں جو محدود ہوں، اور قانونی شکل میں ہوں، اور جن میں اس بات کی ضمانت ہو کہ ایک معین وقت میں زر کی کچھ مخصوص مقدار ان کی بنیاد پر دی جائے گی، اور جو حق واجب ہو اس کو دوسرے کی طرف تظہیر یا مناولہ کے طریقے سے منتقل کرنا ممکن ہو۔ ڈاکٹر محمد زکی شافعی اس سلسلے میں تحریر فرماتے ہیں:-

ومن هنا يطلق عليها اصطلاح النقود الائتمانية لان الائتمان عبارة عن الوعد بدفع مبلغ من النقود ومن هنا ايضا ليست النقود الائتمانية سوى ديون تترتب لصالح حاملها في ذمة الدولة او البنوك وتعتمد فيما تتمتع به من قبول عام في المعاملات على عنصر الثقة^(۲)

اسی وجہ سے ان پر زر اعتباری کی اصطلاح کا اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ "ائتمان" زر کی مخصوص مقدار کے دینے کے وعدے کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے زر اعتباری دیون ہی ہیں جو حکومت یا بنکوں کے ذمہ حاملین کے لئے واجب ہوتے ہیں، اور اعتماد کی بنیاد پر معاملات

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجميد (ص ۲۲۱)

(۲) مقدمة في النقود والبنوك، شافعی (محمد زکی) بیروت، دار النهضة العربية طبع ہفتم

(ص ۳۳)-

میں عام طور پر قبول کئے جاتے ہیں۔
 اُردو میں ذَرِّكَ اعتباری کی آسان الفاظ میں یہ تعریف کی گئی ہے:-
 قرض کی صورت میں لین دین کرنے یا ادھار پر مال کا لین دین
 کرنے کو اعتبار کہا جاتا ہے، اور اس مقصد کے لئے جو تحریری وعدہ
 بطور آلہ استعمال کیا جاتا ہے اسے اعتباری ذَرِّكَ نام دیا جاتا ہے۔^(۱)

ذَرِّكَ اعتباری کی چاری خصوصیات

- ۱- ان تعریفات سے معلوم ہوتا ہے کہ ذَرِّكَ اعتباری میں چار خصوصیات پائی جاتی ہیں:-
- ۱- ان میں لین دین تنظیم (Endorsment) کے طریقے سے ہوتا ہے۔
- ۲- ذین کا محل ذَرِّكَ کی مخصوص مقدار ہے۔
- ۳- معاملات میں ذَرِّكَ کا وظیفہ ادا کرتا ہے۔
- ۴- خاص شکل میں لکھے ہوئے دستاویزات ہیں (یعنی محدود اور قانونی شکل میں)۔

ذَرِّكَ اعتباری کی مشہور قسمیں

ذَرِّكَ اعتباری کی مشہور قسمیں درج ذیل ہیں:-

- ۱- ہندی (Bill of Exchange)
 - ۲- بانڈز (Bonds)
 - ۳- چیک (Cheque)
 - ۴- پرامیسری نوٹ (Promissory Note)
 - ۵- ڈرافٹ (Draft)
- بعض مصنفین نے کمی بیشی کے ساتھ ذَرِّكَ اعتباری کی مذکورہ قسمیں بیان کی ہیں۔

(۱) تعارف ڈرو بکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکا لراوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع اول
 ۱۹۹۱ء (ص ۲۲۱)۔

اس عنوان کے تحت صرف ذرّ اعتباری کی موٹی موٹی قسمیں بیان کرنی ہیں، ان اقسام کی مختلف اقسام اور احکام اور دیگر مختلف مالی دستاویزات کی تفصیل باب ہشتم میں ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

نوٹ

یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سارے مصنفین نے کرنسی نوٹ کو بھی ذرّ اعتباری کی اقسام میں ذکر کیا ہے، لیکن کرنسی نوٹ کی حیثیت اور تفصیلات گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کرنسی نوٹ بحالات موجودہ بذات خود ”شمن“ ہے، لہذا قانونی اور شرعی لحاظ سے کرنسی نوٹ کی وہ حیثیت نہیں ہوگی جو دیگر آلات مثلاً چیک وغیرہ کی ہے۔

ذرّ اعتباری کی اقسام سے متعلق بطور نمونہ چند حوالہ جات ملاحظہ ہوں:-
الجعید فرماتے ہیں:-

تستقسم الاوراق التجارية الى ثلاثة انواع:

اولا: الكمبيالة

ثانيا: السند

ثالثا: الشيك..... (۱)

ذرّ تجارتی کی تین قسمیں ہیں: ہنڈی، بانڈ، چیک۔

ڈاکٹر اے، این آگروال کہتے ہیں:-

We shall now discuss the chief forms of credit instruments :

Promissory notes Bank Notes and currency notes , Bill of exchange ...Cheque ..Bank Draft.

اب ہم ذرّ اعتباری کی کچھ موٹی قسمیں بیان کرتے ہیں: پرومیسری

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجعید (ص ۲۲۱)

نوٹ، بینک نوٹ، کرنسی نوٹ، ہنڈی، چیک اور بینک ڈرافٹ۔^(۱)
حسن نجفی کہتے ہیں:-

وادوات الائتمان هي الاوراق التجارية الممثلة بالسفتجة
والسند الاذنى والشيك وهي اوراق قابلة للتحويل
وتستخدم في عمليات الائتمان لاجال قصيرة، اوراق
البنكوت، الاوراق المالية وهي الاسهم والسندات۔^(۲)
انہوں نے شیمرز اور مختلف سٹیٹیکٹس کو بھی زر اعتباری میں شامل کیا ہے۔
ابراہیم صالح عمر کہتے ہیں:-

فالنقود الورقية هي نقود ائتمانية لكونها ائتماناً يمنحه من
يملك هذه النقود للجهة التي اصدرتها اي انها دين
والتزام في ذمة المصرف المصدر لها۔^(۳)
انہوں نے کرنسی نوٹوں کو بھی زر اعتباری میں شمار کیا ہے۔
شیخ مبارک علی کہتے ہیں:-

آلات اعتبار کی مختلف اقسام کو ذیل میں بیان کیا جاتا ہے: چیک
(Cheque) مبادلتی بل یا مبادلتی ہنڈی (Bill of Exchange)
اقرار نامہ (Promissory Notes) مطالباتی بینک ڈرافٹ
(Bank Draft)۔^(۴)

Introduction to Economics principles P: 352(۱)

(۲) القاموس الاقتصادي، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مديرية مطبعة الادارة
المحلية ۱۹۷۷م (ص ۸۸)

(۳) النقود الائتمانية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دار العاصمة ۱۴۱۳ھ،

(۴) تعارف زر و بکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ کالر اوسلو یونیورسٹی ناروے، رہبر پبلشرز کراچی طبع

اول ۱۹۹۱ء (ص ۲۶۳)۔

ذَرِّعَاتِ اِعتِبَارِي كَا اِرْتِقَاء

اس میں شک نہیں کہ ہنڈی، چیک وغیرہ کا ارتقاء بینکنگ کے ارتقاء کے ساتھ ہی ہوا ہے، اور ہو رہا ہے، اس سلسلے میں کچھ مختصر جائزہ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے:-

بعض ماہرینِ اقتصاد کا خیال ہے کہ ہنڈی بصورتِ موجودہ قرونِ وسطیٰ میں متعارف ہوئی ہے، ان میں بعض نے اس کی تحدید بھی کی ہے کہ ہنڈی اٹھارویں صدی عیسوی میں متعارف ہوئی ہے، اور اس کی ابتداء اس طرح ہوئی کہ یہ عقدِ صرف کے لئے بطورِ آلہ استعمال ہوتی تھی، یعنی ایک ملک کے زر کے دوسرے ملک کے زر کے تبادلے میں ہنڈی کا طریقہ کار بطورِ آلہ استعمال ہوتا تھا۔

چیک اُنیسویں صدی کی نصف میں متعارف ہوا ہے، اور اس کے متعارف ہونے کا منشاء کمرشل بنکوں کا وجود میں آنا ہی ہے۔

لیکن اس میں شک نہیں کہ ذَرِّعَاتِ اِعتِبَارِي كِي جڑیں بہت پرانی ہیں، چنانچہ دیکھئے فقہائے کرام نے ”سفحہ“ (جس کا تفصیلی تذکرہ گزشتہ ابواب میں ہو چکا ہے) اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے، اسی طرح ”حوالہ“ فقہ کی ہر کتاب میں مذکور ہے، اور اس کے بڑے تفصیلی احکام کتبِ فقہ میں مذکور ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یورپی تعامل کی اصل یہی چیزیں ہیں۔

چنانچہ بعض مستشرقین نے اس کی تصریح بھی کی ہے، جوزیف شاخت، ڈاکٹر ہولملین، اور روبسون سے وضاحت کے ساتھ یہ بات منقول ہے۔

جوزیف کے کلام میں ہے کہ Chaque یہ فرانسیسی لفظ ہے جو ”حوالہ“ کی بگڑی ہوئی شکل ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ چیک ”سک“ کی بگڑی ہوئی شکل ہو۔

روبنسون کہتے ہیں کہ اہل عرب کو تجارت کے میدان میں فضیلت و سبقت حاصل ہے، اہل عرب نے تجارت کو دفتری شکل دی، کفالہ کی وضاحت کی، فقراء کے لئے بیت

المال قائم کیا، ”سفتجہ“ کو رواج دیا۔^(۱)

نیز یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ شروع زمانے میں بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے زمانے میں ”صکوک“ موجود تھے، صحابہ کرامؓ نے ان صکوک کے لین دین پر ٹکیر بھی فرمائی، کیونکہ یہ صکوک طعام کے ہوتے تھے، اور طعام کی بیع (خرید و فروخت) قبضے سے قبل ناجائز ہے۔

جاء فی الموطاء للامام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ :-

وحدثنی عن مالک انه بلغه ان صکوکا خرجت للناس فی زمان مروان بن الحکم من طعام الجار، فتبايع الناس تلك الصکوک بینهم قبل ان یستوفوها فدخل زید بن ثابت ورجل من اصحاب النبی ﷺ علی مروان بن الحکم فقالا: اتحل الربایا مروان؟ فقال: اعوذ بالله وماذک؟ فقال: هذه الصکوک تبايعها الناس ثم باعوها قبل ان یستوفوها فبعث مروان بن الحکم الحرس یتتبعونها ینزعونها من ایدی الناس ویردونها الی اهلها۔

یقول الشیخ الکاندھلوی رحمہ اللہ تعالیٰ تحتہ:-

صکوک جمع صک وهو الورقة المكتوبة بدین۔۔ والمراد ههنا الورقة التي یکتب فیها ولی الامر برزق من الطعام لمستحقیه بان لفلان کذا وکذا من الطعام وغیره۔^(۲)
موطا امام مالک میں ہے: امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية للجمعید۔

(۲) اوجز المسائل، الکاندھلوی (شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا) ملتان، اداره تالیفات

اشرفیہ (۲۰۲/۱۱)

”مروان بن الحکم کے زمانے میں لوگوں میں طعام کے صلکوک ظاہر ہوئے، تو لوگ ان کا معاملہ قبل القبض کرنے لگے، چنانچہ زید بن ثابتؓ اور ایک اور صحابیؓ مروان بن حکم کے پاس تشریف لے آئے، اور کہا کہ آپ رباً کو جائز قرار دے رہے ہیں؟ مروان بن حکم نے کہا کہ اللہ کی پناہ، یہ کس طرح؟ انہوں نے کہا کہ یہ صلکوک ہیں، لوگ ان کی خرید و فروخت قبل القبض کر رہے ہیں، چنانچہ مروان بن حکم نے پہداروں کو بھیجا کہ صلکوک ضبط کریں، اور اصل مالکوں کو واپس کریں۔

اس کے تحت حضرت شیخ الحدیثؒ تحریر فرماتے ہیں:-

”صلکوک“ ”صک“ کی جمع ہے، اس سے مراد وہ کاغذ (دستاویز) ہے، جس میں دین لکھا ہوا ہوتا تھا،..... اور یہاں اس سے مراد وہ دستاویز ہے، جس میں حاکم مستحق افراد کے لئے راشن وغیرہ لکھ کر دیتا تھا کہ فلاں کا اتنا حصہ ہے، اور فلاں کا اتنا حصہ۔“

اس روایت سے یہ بات بالکل واضح اور صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ زَرِّ اعتباری کا رواج بہت پرانا ہے، البتہ اس کی نئی اور ترقی یافتہ شکلیں بعد میں وجود میں آئیں۔

زَرِّ اعتباری اور اس کے وظائف

زَرِّ اعتباری کے بہت سے معاشی اور اقتصادی فوائد ہیں، اور یہ کئی وظائف ادا کرتا ہے، ذیل میں ہم چند اہم وظائف کا ذکر کرتے ہیں:-

۱- نقل زَرِّ سے استغناء:- یعنی زَرِّ اعتباری کا ایک اہم فائدہ یہ ہے کہ اس کی بدولت آدمی کو نقد ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی، یہ بات معلوم ہے کہ باہمی معاملات کے لئے آدمی کو نقل رقم کی ضرورت پڑتی ہے، مثلاً کوئی چیز خریدنی ہو،

یا کسی کا قرضہ ادا کرنا ہو وغیرہ، تو اس کے لئے پیسہ ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانا پڑتا ہے، ذَرِّعَاتِ اعتباری کی وجہ سے آدمی اس مشقت سے محفوظ رہتا ہے، جس کی وجہ سے چوری وغیرہ کا خوف بھی نہیں رہتا؛ چنانچہ مبادلاتی بل (Bill of Exchange) اسی مقصد کے لئے ایجاد ہوا ہے، اور یہی وظیفہ چیک بھی ادا کرتا ہے۔

۲- ادائیگی کا آلہ (Instrument of Payment):- ذَرِّعَاتِ اعتباری ادائیگی کا

آلہ ہے، اور اس کی وجہ سے ادائیگیوں میں بڑی سہولت ہو جاتی ہے، جس میں چیک سرفہرست ہے۔

۳- اعتماد کا آلہ ہے (Instrument of Credit):- ذَرِّعَاتِ اعتباری کو اعتباری

اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس سے اعتماد اور اعتبار پیدا ہوتا ہے، چنانچہ اسی اعتماد کی بنیاد پر ذَرِّعَاتِ اعتباری کے ذریعے باہمی لین دین ہوتا ہے، ”اعتماد“ ذَرِّعَاتِ اعتباری کا اہم وظیفہ ہے۔

اب مبادلاتی بلوں اور چیکوں کے الگ الگ فوائد ملاحظہ ہوں:-

چیکوں کے نظام کے فوائد

چیکوں کے ذریعے لین دین کا نظام بہت سے فوائد کا حامل ہے، مثلاً:-

۱- سہل اور کم خرچ:- چیک ادائیگی اور وصولی دونوں کا انتہائی سہل اور کم خرچ

ذریعہ ہوتا ہے، چھوٹی سے چھوٹی رقم سے لے کر بڑی سے بڑی رقم کی ادائیگی اور وصولی کا غنڈ کے ایک حقیر پُرزے کی بدولت بلا خوف و خطر اور کوئی وقت ضائع کئے بغیر عمل میں آ جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں بڑے بڑے کاروباری اور صنعتی ادارے نقد رقموں کی بجائے چیکوں کے ذریعے لین دین کو زیادہ محفوظ، سہل اور با کفایت سمجھتے ہوئے انہیں ادائیگیوں اور وصولیوں کے ذریعے کے طور پر بے روک ٹوک قبول کرتے ہیں۔

۲- ادائیگیوں کا محفوظ ذریعہ:- چیک کو ادائیگیوں کے لئے محفوظ ترین ذریعے

کے طور پر بھی بخوبی استعمال کیا جاتا ہے، کاروباری ادارے اور تاجر لوگ باہمی ادائیگیوں

کے لئے عموماً کراس چیک جاری کرتے ہیں، ایسے چیک چونکہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کئے جائیں، وہ صرف ان کے کھاتوں میں جمع ہونے کے بعد ہی قابل وصول ہوتے ہیں، اس لئے ان کے چوری یا ضائع ہو جانے کے باوجود ان میں مندرجہ رقم کے ضائع ہونے خطرہ نہیں ہوتا، اس کے علاوہ ادائیگیوں کی رسید کا قانونی تقاضا بھی پورا کرتے ہیں۔

۳۔ باکفایت عمل پیرائی:۔ چیکوں کے استعمال سے نقد زر کا استعمال کم ہو جاتا ہے، اس سے نقد زر کے لین دین کی بچت ہو جاتی ہے، بڑی بڑی ادائیگیوں اور وصولیوں کا تصفیہ کھاتوں میں اندراج سے ہو جاتا ہے، اور اس عمل میں نقد زر کے باہمی لین دین اس کے گننے، ادھر ادھر لے جانے اور پھر اس کی حفاظت کرنے جیسے اقدامات کی ضرورت نہیں پڑتی، اس طرح چیک ادائیگیوں اور وصولیوں کا انتہائی باکفایت عمل ثابت ہوتا ہے، جس کی بدولت کاروباری سرگرمیوں کو خوب پھلنے پھولنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع حاصل ہو جاتے ہیں۔

مبادلاتی بلوں (Bill of Exchange) کے فوائد

مبادلاتی بل اعتبار کے کاروبار کے لین دین میں متعدد فوائد انجام دیتا ہے، مثلاً:۔
 ۱۔ بطور وسیلہ مبادلہ:۔ یہ بل ملکی اور بین الاقوامی تجارت میں بطور وسیلہ مبادلہ (Medium of Exchange) کے فوائد کا حامل ہوتا ہے، اور تجارتی لین دین میں ادائیگی کے لئے موثر اور اہم ذریعہ ادائیگی تصور کیا جاتا ہے۔

۲۔ فریقین کے لئے فائدے کا باعث:۔ مبادلاتی بل کی صورت میں ایک طرف ادھار پر مال فروخت کرنے والے فریق کو اپنی رقم کی عدم وصولی کا خطرہ کم سے کم رہ جاتا ہے، تو دوسری طرف مال کے خریدار کو اس کی بدولت یہ سہولت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ رقم ادا کئے بغیر مطلوبہ مال خرید سکتا ہے، اور بل کی ادائیگی اس کی مدت ختم ہونے پر کر سکتا ہے، اس وقت تک اشیاء فروخت ہو چکی ہوتی ہیں، اس طرح مبادلاتی بل فروخت کار اور

خریدار کے درمیان اُدھار کاروباری لین دین میں ایک اہم وسیلہ ادا ایگی بن کر دونوں فریقین کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

۳۔ ادا ایگیوں کا محفوظ ذریعہ:- مبادلاتی بل ادا ایگی کے ایک محفوظ ذریعے کے فرائض بھی بخوبی انجام دیتا ہے، کیونکہ عدم ادا ایگی کی صورت میں بل کا حامل شخص عدالتی چارہ جوئی کے ذریعے باسانی بل کی رقم وصول کر سکتا ہے۔

۴۔ بل پر کٹوتی کا فائدہ:- مبادلاتی بل مدت پوری ہونے سے پہلے بھی کیش ہو سکتا ہے، جس کے لئے اسے بنک میں کٹوتی کے لئے پیش کیا جاسکتا ہے، کٹوتی کی صورت میں بنک بل کی بقیہ مدت کا سود مقررہ شرح سے کاٹ کر باقی نقد رقم ادا کر دیتا ہے۔

زَرِّ اعتباری کے معتبر ہونے کی شرطیں

اہل قانون کے نزدیک ”زَرِّ اعتباری“ کے معتبر ہونے کی کچھ شرطیں ہیں، جن کے بغیر زَرِّ اعتباری نہ رہی نہیں، اور قانونا اس کے ساتھ زَرِّ معاملہ نہیں کیا جاتا، ذیل میں ہم ان شرطوں کا خلاصہ بیان کرتے ہیں:-

۱۔ باہمی رضامندی:- اس شرط کا پایا جانا مرتب (Drawer) اور مرتب الیہ (Drawee) دونوں میں ضروری ہے، مرتب کی طرف سے اس پر دستخط، اور مرتب الیہ کا اس کو وصول کرنا ہی ان دونوں کی رضامندی اور خوشی کی علامت ہے۔

۲۔ سبب:- یعنی جس کی وجہ سے یہ دستاویز یا کاغذ تیار کیا جاتا ہے۔ جس کو ”باعث“ اور ”داعی“ بھی کہتے ہیں۔ لہذا سبب سے مراد باعث تحریر ہے۔

۳۔ محل:- جس کی بدولت زَرِّ اعتباری زَرِّ ہو، اور وہ نقد ہی ہے، یعنی زَرِّ اعتباری کا محل ”نقد“ ہے، چنانچہ سامان وغیرہ پر مشتمل کاغذ زَرِّ اعتباری نہیں ہو سکتا۔

۴۔ اہلیت:- اہلیت کا پایا جانا ایک ایسی شرط ہے جس کا پایا جانا ہر چیز کے لئے ضروری ہے، اہلیت کے بغیر کوئی چیز قانوناً و شرعاً معتبر نہیں، بعض اہل قانون نے اہلیت کے

لئے عمر کی قید بھی لگائی ہے، یعنی اکیس سال، اکیس سال سے کم عمر والا شخص ذریعہ اعتباری کے ساتھ لین دین نہیں کر سکتا الا یہ کہ محکمے کی طرف سے اس کو اس کی اجازت حاصل ہو۔ جیسا کہ ستر بن ثواب الجعید اپنی کتاب میں تحریر کرتے ہیں:-

واهل القانون يحددون سنا معينة للاهلية وهي احدى

وعشرين سنة-

اہل قانون اہلیت کے لئے عمر کی حد بندی کرتے ہیں، اور وہ اکیس سال ہے۔^(۱)

۵- مرتب (Drawer) کے دستخط:- ذریعہ اعتباری پر مرتب کے دستخط

ضروری ہیں۔

۶- مرتب الیہ (Drawee):- وہ شخص جس کے نام حکم نامہ لکھا جاتا ہے، اس کا

نام دستاویز پر لکھنا ضروری ہے۔

۷- وصول کنندہ (Payee):- حکم نامہ پر وصول کنندہ کا نام کا ہونا بھی

ضروری ہے۔

۸- جاری کرنے کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا ضروری ہے۔

۹- ادائیگی کی تاریخ اور جگہ کا نام لکھنا بھی ضروری ہے۔

۱۰- رقم کا اندراج اور مقدار کی تعیین بھی ضروری ہے۔

۱۱- ”مالیت وصول شدہ“ یا ”برائے مالیت وصول شدہ“ کے الفاظ کا اندراج بھی

ضروری ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ عام طور پر مبادلاتی بل (ہنڈی) اور چیک کے تین فریق

ہوتے ہیں:-

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجعید (ستر بن ثواب) السعودية، الطائف، مكتبة

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۲۳۹)۔

الف:- مرتب (Drawer)

ب:- مرتب الیہ (Drawee)

ج:- وصول کنندہ (Payee)

اور بانڈز کے عام طور پر دو فریق ہوتے ہیں: مرتب اور مرتب الیہ۔

اسی وجہ سے مبادلاتی بل (ہنڈی) اور چیک کو عربی میں ”ثلاثیة الاطراف“

اور بانڈز کو ”ذو طرفین“ کہا جاتا ہے۔^(۱)

زَر اعتباری میں لین دین کے طریقے

زَر اعتباری میں لین دین کا اہم طریقہ ”تظہیر“ (Endorsement) ہے، تظہیر سے مراد قابل منتقلی آلات اعتبار یعنی چیکوں، وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں وغیرہ کی رقم کی وصولی کے لئے کسی دوسرے شخص کو اختیار دینا ہے، آلات اعتبار خصوصاً وعدے ناموں اور مبادلاتی بلوں کی ادائیگی کے لئے مدت دی ہوئی ہوتی ہے جو ملکی آلات اعتبار میں کم سے کم ایک ماہ اور زیادہ سے زیادہ تین ماہ اور غیر ملکی بلوں کی صورت میں چھ ماہ تک ہوتی ہے، اس مدت کے دوران آلات اعتبار ایک دوسرے اور دوسرے سے تیسرے شخص کو منتقل ہوتے رہتے ہیں، تاہم اس کے لئے تحریری تظہیر ضروری ہوتی ہے، اور یہ اسی صورت میں درست قرار دی جاسکتی ہے جبکہ متعلقہ شخص اس کا مجاز ہو، اور اس میں وہ ساری شرائط پائی جاتی ہوں، جن کا تذکرہ گزشتہ صفحات میں آچکا ہے۔

تظہیر (Endorsement) کے قانونی تقاضے

تظہیر کو قانونی طور پر مندرجہ ذیل تقاضوں کو پورا کرنا چاہئے:-

۱- تظہیر کو مبادلاتی بل پر درج کیا جانا چاہئے، اور اس مقصد کے لئے سپرد کرنے

(۱) احکام الاوراق النقدية والتجارية الجعید (ستر بن ثواب) السعودية، الطائف، مکتبۃ

الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص ۲۵۰)۔

والے کے دستخط بھی کافی سمجھے جاتے ہیں۔

۲- تطہیر کے لئے ضروری ہے کہ وہ بل کو مکمل طور پر سپرد کئے جانے کے لئے ہونی چاہئے، یعنی بل کو جزوی طور پر کسی کے سپرد نہیں کیا جاسکتا، اور نہ ہی ایک بل کو ایک ہی وقت میں مختلف اشخاص کے سپرد کیا جاسکتا ہے۔

۳- اگر بل کی ادائیگی دو یا دو سے زیادہ افراد کے حکم سے مشروط ہو، تو ایسی صورت میں فرداً فرداً ان تمام مجاز کی طرف سے ادا کی جانی چاہئے۔

۴- جب بل حسب حکم ادا کیا جانے والا ہو، اور اس میں سپرد کنندہ کا نام غلطی سے لکھا گیا ہو، تو ایسے شخص کو بل کسی دوسرے شخص کو سپرد کرتے وقت وہی نام لکھنا چاہئے جو بل پر لکھا گیا ہو، تاہم اگر وہ چاہے تو سپردگی (تطہیر) کے ساتھ اپنا صحیح نام لکھ دے، وہ بل میں لکھے گئے نام کی تصدیق بھی کرنے کا مجاز ہوتا ہے۔

۵- اگر بل کئی بار تطہیر کے ذریعے منتقل کیا جاتا رہا ہو، تو اس صورت میں سپردگی کی اہمیت اور اصلیت اس کی ترتیب کے ذریعے ظاہر کی جاتی ہے، مثلاً ایک بل یکم جنوری کو انور کے نام سپرد کیا گیا، اور وہی بل تیس جنوری کو اکبر کے نام اور اکبر نے وہی بل تیس جنوری کو حامد کے نام کر دیا، تو ایسی صورت میں انور، اکبر اور حامد کا حق بل پر اسی ترتیب سے قائم کیا جائے گا۔

تطہیر (Endorsement) کی اقسام

تطہیر کو مندرجہ ذیل سات اقسام میں تقسیم کیا گیا ہے:-

- ۱- تطہیر محض (Blank Endorsement):- محض تطہیر بل کی پشت پر مجاز سپرد کار کے محض دستخطوں پر مشتمل ہوتی ہے، اس قسم کی تطہیر اگر کسی بل کے یا بند (Payee) یا سپرد کنندہ (Endorsee) کی طرف سے کی گئی ہو، تو پھر وہ بل ایک عام حامل بل کی طرح قابل ادا ہوگا یعنی اسے جو شخص بھی پیش کرے گا، وہ اسے ادا کر دیا جائے گا۔

۲- خصوصی تظہیر (Special Endorsement):- خصوصی تظہیر یا سپردگی وہ ہے جو اس شخص کے نام مخصوص کر دے جسے یا جس کے حکم سے بل قابل ادا ہو، اس قسم کی تظہیر میں سپرد کار بل کی پشت پر اپنے دستخطوں کے ساتھ اس شخص کا نام بھی درج کر دیتا ہے، جسے یا جس کے حکم سے وہ بل قابل ادا ہوتا ہے۔

۳- مشروط تظہیر (Conditional Endorsement):- مشروط تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط کر دیا جاتا ہے، مثلاً اکرم کو اس بل کی رقم بل آف لینڈنگ (Bill of Landing) کی حوالگی پر ادا کر دی جائے، تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اکرم مذکورہ بل آف لینڈنگ کی حوالگی کے بعد ہی بل کی رقم وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

۴- جزوی تظہیر (Partial Endorsement):- جزوی تظہیر کی صورت میں بل کی کل رقم کا کچھ حصہ کسی اور شخص کو ادا کرنے لئے کہا جاتا ہے مثلاً ایک ہزار روپے کے اس بل میں سے سات سو روپے اکرم کو ادا کر دیئے جائیں، جزوی تظہیر کی صورت میں اکرم اس بل میں سات سو روپے کی رقم وصول کرنے کا مجاز تو بن جاتا ہے، مگر بل اس کے نام منتقل نہیں ہو سکتا ہے۔

۵- پابند تظہیر (Restrictive Endorsement):- پابند تظہیر کی صورت میں بل کی ادائیگی کسی خاص شخص کے لئے مخصوص کر دی جاتی ہے مثلاً اس بل کی رقم صرف اکرم کو ادا کر دی جائے، یا اس بل کی رقم صرف اس کھاتہ نمبر میں جمع کی جائے وغیرہ۔

۶- منفی تظہیر (Negative Endorsement):- جب سپرد کار اپنے دستخطوں کے ساتھ ان الفاظ کا اضافہ کر دے ”بلا رجوع یا عدم ادائیگی کی ذمہ داری میری نہیں ہوگی“ (Sans Recourse or Without Recourse to Me) تو اس حوالگی کے تحت منتقل کرنے والے پر زیادہ ذمہ داری عائد نہیں ہوتی، اور اگر وہ بلا اخراجات (Sans Frains) یا (No Charges) کے الفاظ لکھ دے، تو اس سے وہ دیگر قسم کے اخراجات کی

ذمہ داری سے مستثنیٰ ہو جائے گا۔

۷۔ مجاز تظہیر (Facultative Endorsement): - مجاز سپردگی وہ ہے جس میں سپردکار اپنے کچھ یا سارے حقوق سے دستبردار ہو جائے، مثلاً کسی شخص کے نام ایک بل کی عدم ادائیگی کے نوٹس کو واپس لے لینا مجاز سپردگی ہوگی۔



باب ہشتم

مالیاتی دستاویزات

چونکہ مالیاتی دستاویزات کے شرعی حکم بیان کرنے میں ”بیع الدین“ اور ”حوالہ“ کی بحث بکثرت آئے گی، اور مالی دستاویزات میں سے اکثر کا شرعی حکم اسی بحث پر موقوف ہے، اس لئے ضروری ہے کہ مالی دستاویزات پر گفتگو کرنے سے پہلے ”بیع الدین“ اور ”حوالہ“ سے بحث کی جائے، اس کی مختلف صورتیں بیان کی جائیں، اور ہر صورت کا شرعی حکم بیان کیا جائے۔

آج کل کے سرمایہ دارانہ نظام (Capitalism) میں ”بیع الدین“ کا لین دین بکثرت ہونے لگا ہے، اور بہت سارے مالی دستاویزات میں اس کا رواج ہونے لگا ہے، کبھی قیمت اسمیہ (Face Value) سے کم پر مالی دستاویز بیچا جاتا ہے، اور کبھی قیمت اسمیہ سے زیادہ پر۔

”بیع الدین“ ترکیب اضافی ہے، جو دو اجزا پر مشتمل ہے، یعنی بیع اور دین، بیع کے معنی فروخت (Sale) کرنے کے ہیں، اور دین کے معنی ادھار (Debt) کے ہیں، تو اس مرکب کے معنی ہوئے ادھار کو فروخت کرنا۔

بیع الدین کی بہت ساری صورتیں ہیں، جو تین قسم میں منحصر کی گئی ہیں:-

- ۱- بیع الدین بالدین
- ۲- بیع الدین ممن علیہ الدین
- ۳- بیع الدین من غیر من علیہ الدین

۱- بیع الدین بالدین

اس کو ”بیع الکالی بالکالی“ بھی کہتے ہیں، ”کالی“ بھی اُدھار کو کہتے ہیں۔ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں کہ معاملہ خود مدیون کے ساتھ ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معاملہ کسی تیسرے شخص کے ساتھ ہو۔ مثلاً زید عمرو سے کہتا ہے کہ میں نے تم سے ایک ٹن گندم دو ہزار روپے میں خریدی، لیکن میں گندم پر اور تم دو ہزار روپے پر ایک ماہ بعد قبضہ کریں گے، اس مثال میں دو ہزار روپے زید کے ذمہ دین ہے، اور ایک ٹن گندم عمرو کے ذمہ دین ہے، یہ بیع الدین بالدین ہے، اس لئے کہ دونوں طرف معاملہ اُدھار پر ہوا۔

یا مثلاً زید نے بیع سلم کے طریقے سے ایک ٹن گندم بیچی، لیکن جب وقت مقررہ آ گیا، تو وہ ایک ٹن گندم دینے سے عاجز رہا، تو اس نے خریدنے والے سے کہا کہ میرے ذمہ جو تمہارا ایک ٹن گندم ہے، وہ مجھے تین ہزار روپے میں بیچو، لیکن میں تین ہزار روپے ایک ماہ بعد ادا کروں گا، یہ بیع الدین بالدین ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

یہ قسم جمہور علمائے کرام کے نزدیک ناجائز ہے، اور اس میں ان کی دلیل مشہور حدیث ہے جو درج ذیل ہے:-

ان النبى صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع الكالى
بالكالى-

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُدھار بمقابلہ اُدھار فروخت کرنے سے منع فرمایا ہے۔^(۱)

(۱) هذا الحديث مروى عن عبد الله بن عمر رضی اللہ عنہما فیما اخرجہ الحاکم فی المستدرک ۲: ۶۵ رقم الحدیث: ۲۳۳۲ طبع بیروت ۱۴۱۱ھ والدارقطنی فی سننہ ۳: ۷۱ رقم الحدیث: ۲۶۹ من کتاب البیوع، والبیہقی فی سننہ الکبریٰ ۵: ۲۶۰ باب ما جاء فی النهی عن بیع الدین بالدین، وعبدالرزاق فی مصنفہ ۸: ۹۰ رقم الحدیث: ۱۳۳۳ وغیرہ۔

اس حدیث شریف پر بعض علماء نے کچھ کلام کیا ہے، لیکن اُصول حدیث کے پیش نظر یہ حدیث قابل استدلال ہے، اور اُمت نے اس حدیث کو قبول کیا ہے، اور علماء نے اس حدیث سے اس باب میں استدلال کیا ہے، اس کو ”تلقی بالقبول“ کہتے ہیں، اس سے حدیث کے ضعف کی تلافی ہو جاتی ہے، چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

و کذا ما اعتضد بتلقى العلماء له بالقبول قال بعضهم:
 يحكم للحدیث بالصحة إذا تلقاه الناس بالقبول وإن لم
 یکن له اسناد صحیح، قال ابن عبد البر فی الاستذکار: لما
 حکى عن الترمذی ان البخاری صحح حدیث البحر: هو
 الطهور ماء، واهل الحدیث لا یصححون مثل اسناده،
 لكن الحدیث عندی صحیح لأن العلماء تلقوه بالقبول
 وقال فی التمهید: روى عن جابر عن النبی صلی الله علیه
 وسلم: الدینار أربعة وعشرون قبراطًا، قال: وفي قول
 جماعة العلماء وإجماع الناس علی معناه غنی عن الاسناد
 (۱) فیہ۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کے اس کلام کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ اگر کوئی حدیث ضعیف ہو، لیکن اس کو تلقی بالقبول حاصل ہو جائے تو اس حدیث کا ضعف ختم ہو جاتا ہے۔ بہر حال جمہور فقہائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ”بیع الکالی بالکالی“ ناجائز ہے، بلکہ بعض علمائے کرام نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔

۲- بیع الدین ممن علیہ الدین

یعنی جس پر دین ہو، اسی کو دین بیجا جائے، مثلاً زید کے ذمہ عمر و کا دین ہے، تو زید مدیون ہے اور عمر و اُس ہے، تو زید عمر و سے کہتا ہے کہ تمہارا جو قرضہ میرے ذمہ ہے، اس

(۱) تدریب الراوی للسیوطی ص: ۲۵، طبع المدینة المنورة۔

کے بدلے میں مجھ سے یہ کیڑا خریدو، یا عمر و کہے کہ جو قرضہ میرا تمہارے ذمہ ہے، اس کو میں تمہیں اس کیڑے کے بدلے میں بیچ دیتا ہوں، یہ صورت جمہور فقہائے کرام کے نزدیک جائز ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:-

ويجوز بيعه (يعنى الدين) ممن عليه لأن المانع هو العجز
عن التسليم ولا حاجة إلى التسليم هنا ونظيرة: بيع
المغصوب انه يصح من الغاصب ولا يصح من غيره إذا
كان الغاصب منكراً ولا بيعة للمالك-

جس پر دین ہے، اس پر دین فروخت کرنا جائز ہے، کیونکہ مانع عجز عن
التسليم ہے، اور یہاں تسلیم کی ضرورت ہی نہیں الخ^(۱)

لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ جتنی شرطیں عام بیع کے معتبر ہونے کے لئے ضروری ہے،
وہ تمام شرطوں کا متحقق ہونا یہاں بھی ضروری ہے، مثلاً عام بیع میں یہ شرط ہے کہ بیع بائع کے
قبضے میں ہو، یہ شرط بیع الدین کی مذکورہ صورت میں ہونا بھی ضروری ہے، اور اسی وجہ سے
مسلم فیہ (بیع) کو مسلم الیہ کو قبضے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، جیسا کہ علامہ کاسانی نے
اس کی تصریح فرمائی ہے:-

ولا يجوز بيع المسلم فيه لأن المسلم فيه مبيع ولا يجوز
المبيع قبل القبض-

مسلم فیہ کو فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ مسلم فیہ بیع ہے، اور بیع کو قبضے
سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں۔^(۲)

اسی طرح اگر دین اور اس کا عوض دونوں ربوی ہوں، تو اس کے جواز کے لئے

(۱) بدائع الصنائع (۱۳۸/۵)۔

(۲) ایضاً۔

ریویات کی شرائط پوری کرنا ضروری ہے، اسی وجہ سے اکثر فقہائے کرام نے منع فرمایا ہے کہ دینِ مؤجل کو معجل کیا جائے بشرطیکہ بعض دین کو معاف کیا جائے، جسے "ضع وتعجل" کا مسئلہ کہتے ہیں، اور انگریزی میں اس کو "Rebat" کہتے ہیں، جس پر علمائے کرام نے متعلقہ مقام پر مفصل بحث کی ہے۔

اسی طرح اگر مدیون نے اپنا دین دائن سے دین کی مقدار سے زائد شمن مؤجل پر خریدا، تو یہ بھی عین ربا ہے، اور یہ "اتقضى أم تربي" کے اندر داخل ہے، جس کی حرمت قرآن و سنت میں موجود ہے، مثلاً:-

زید کے عمر کے ذمہ ایک ہزار روپے دین واجب الاداء ہے، اب عمر زید سے یہ ایک ہزار روپے ڈپڑھ ہزار روپے میں ایک ماہ کی تا جیل پر خرید رہا ہے، تو اس کا ربا ہونا بالکل ظاہر ہے۔

۳- بیع الدین من غیر من علیہ الدین

یہ بیع الدین کی تیسری صورت ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ دائن اپنا دین کسی تیسرے شخص (Third Person) کو فروخت کرتا ہے، اس کے حکم میں اختلاف ہے۔ حضرات حنفیہ اور حنابلہ کا موقف یہ ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، چنانچہ امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

لا ینبغی للرجل إذا کان له دین أن یبیعہ حتی یتوفیہ

لأنه غرر فلا یدری ایخرب أم لا یخرب۔

جب تک کوئی شخص اپنا دین وصول نہ کرے، اس کے لئے اس کو

فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ اس میں غرر ہے، کچھ پتہ نہیں کہ وہ

دین وصول ہو یا نہ ہو۔^(۱)

(۱) الموطا للإمام مالک رحمہ اللہ، باب الرجل یكون له العطايا أو الدین علی الرجل فیبیعہ (ص: ۳۵۳)۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

ولا ینعقد بیع الدین من غیر من علیہ الدین لأن الدین
إما أن یرکون عبارة عن مال حکمی فی الذمہ وإما أن
یرکون عبارة عن فعل تملیک المال وتسليمه وکل ذلك
غیر مقدور التسليم فی حق البائع ولو شرط التسليم علی
المدیون لا یصح ایضاً لأنه شرط التسليم علی غیر البائع
فیكون شرطاً فاسداً فیفسد البیع۔

غیر مدیون کے ساتھ بیع الدین کا عقد منعقد نہیں ہوتا، کیونکہ یا تو دین
مال حکمی فی الذمہ سے عبارت ہے، اور یا تملیک المال کے فعل سے
عبارت ہے، اور دونوں صورتیں بائع کے حق میں غیر مقدور التسليم
ہیں، اور اگر مدیون پر تسلیم کو شرط قرار دیا جائے، تو یہ بھی درست
نہیں، کیونکہ یہ شرط غیر بائع کی طرف متوجہ ہے، تو یہ شرط فاسد ہوگی،
جس سے بیع فاسد ہو جائے گی۔^(۱)

قاضی ابویعلیٰ جنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

واختلف فی بیع الدین ممن هو علیہ فنقل ابو طالب المنع
ونقل منه جواز ذلك ولا تختلف الروایة انه لا یجوز بیعه
من غیر من هو فی ذمہ الخ۔

دین کو فروخت کرنا ممن علیہ الدین میں اختلاف ہے، چنانچہ
ابو طالب نے منع نقل فرمایا ہے، لیکن جواز بھی منقول ہے، اور دین
کو ممن لیس علیہ الدین کے ناجائز ہونے میں کوئی اختلاف
روایت نہیں۔^(۲)

(۱) بدائع الصنائع (۵/۱۳۸)۔

(۲) کتاب الروایتین والوجهین لأبی یعلیٰ (۱/۳۵۷)۔

علامہ مرداوی جناب رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :-

لا يجوز بيع الدين المستقر لغير من هو في ذمته وهو
الصحيح من المذهب وعليه الأصحاب الغر-
دين كوفروخت کرنا ممن لیس علیہ الدین کو جائز نہیں، یہی صحیح مذہب
ہے، اور اسی کو اصحاب نے اختیار کیا ہے۔^(۱)

اہم نوٹ

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ بیع الدین ممن لیس علیہ الدین بیع کے طریقے سے ممنوع ہے، اگر یہ حوالے کے طریقے سے ہو، تو سب کے نزدیک جائز ہے، بیع اور حوالہ میں یہ فرق ہے کہ حوالہ میں اگر محال علیہ مفلس ہو جائے، یا انکار کرے، اور گواہ موجود نہ ہوں، تو اس صورت میں محال (اصل دائن) اپنا دین وصول کرنے کے لئے محیل (اصل مدیون) کی طرف رجوع کر سکتا ہے، لیکن بیع کی صورت حال یہ ہے کہ جب مدیون اپنا دین فروخت کرے، تو گویا کہ دین خریدنے والا تمام حقوق میں مدیون کا قائم مقام بن جاتا ہے، لہذا جب مدیون مفلس ہو جائے یا دین کا انکار کرے، تو اس کے لئے جائز نہیں کہ دین فروخت کرنے والے کی طرف رجوع کرے، یہیں سے یہ بات معلوم ہوگئی کہ بیع کی صورت میں غرر ہے، اور حوالہ کی صورت میں غرر نہیں ہے، اس لئے کہ دائن محیل کی طرف رجوع کر سکتا ہے، کما مر۔

بہر حال حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک بیع الدین ممن لیس علیہ الدین ناجائز ہے، جہاں تک مالکی اور شافعی مذہب کا تعلق ہے تو وہ درج ذیل ہے :-

مذہب مالکی

ان کے نزدیک بھی اصل یہی ہے کہ یہ صورت ناجائز ہے، لیکن چند شرائط کے

(۱) الانصاف للمرداوی (۵/۱۱۲)، وراجع ایضاً الفروع لابن مفلح (۳/۱۸۵)۔

ساتھ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے، جن کا خلاصہ درج ذیل ہے:-

- ۱- مدیون حاضر ہو۔
 - ۲- مدیون دین کا اقرار کرتا ہو۔
 - ۳- دین اس قبیل سے ہو کہ اس کی بیع قبل القبض جائز ہو، لہذا دین اگر طعام کی شکل میں ہو، تو اس کی بیع جائز نہیں، کیونکہ طعام کی بیع قبل القبض جائز نہیں۔
 - ۴- دین کا تبادلہ غیر جنس کے ساتھ ہو۔
 - ۵- یہ معاملہ سونے و چاندی کا نہ ہو۔
 - ۶- مدیون اور دین خریدنے والے کے درمیان عداوت نہ ہو۔
- اس سلسلے میں علامہ زرقانی مالکی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

ومنع بیع الدین علی الغائب ولو قربت غيبته أو ثبت
بیئنه وعلم ملاءة بخلاف الحوالة علیہ فإنها جائزة
ومنع بیع دین علی حاضر ولو بیئنه إلا أن یقرّ والدین
مما یباع قبل قبضه وبيع غیر جنسه وليس ذهباً بفضة ولا
عکسه وليس بین مشتریہ ومن علیہ عداوة ولا قصد
اعناتہ فلا بد من هذه الخمسة شروط لجواز بیعه زیادة
علی قوله یقرّ۔^(۱)

اس عبارت کا حاصل وہی شرائط ہیں جو اوپر مذکور ہوئیں۔

مذہب شافعی

ان کے ہاں اس سلسلے میں روایات مختلف ہیں، علامہ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:-

اعلم ان الاستبدال بیع لمن علیہ دین، فاما بیعه لغيره
کمن له علی انسان مائة فاشتری من آخر عبداً بتلك

(۱) شرح الزرقانی علی مختصر خليل (۸۳/۳)۔

المائة فلا يصح على الأظهر لعدم القدرة على التسليم
وعلى الثاني يصح بشرط ان يقبض مشتري الدين ممن
عليه وان يقبض بائع الدين العوض في المجلس فإن تفرقا
قبل قبض احدهما بطل العقد، قلت: الأظهر الصحة (۱)
وفى شرح المهذب: فاما بيعه لغيره كمن له على رجل مائة
فاشتري من آخر عبداً بتلك المائة ففي صحته قولان
مشهوران اصحهما: لا يصح لعدم القدرة على التسليم
والثاني: يصح بشرط ان يقبض مشتري الدين ممن هو
عليه وان يقبض بائع الدين العوض في المجلس فإن تفرقا
قبل قبض احدهما بطل العقد- (۲)

ان نصوص کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ بیع الدین من غیر المدیون شافعیہ کے ہاں جائز
نہیں، البتہ اگر مشتری مجلس عقد میں دین پر قبضہ کر لے، لیکن ظاہر ہے کہ اس شرط کی وجہ سے
دین دین ہی نہیں رہا، تو حاصل یہی رہا کہ بیع الدین من لیس علیہ ان کے ہاں جائز نہیں۔
اسی وجہ سے علامہ نووی رحمہ اللہ تعالیٰ نے منہاج الطالبین میں عدم جواز کا قول ہی ذکر کیا
ہے، چنانچہ فرمایا:-

وبيع الدين لغير من عليه باطل في الأظهر بأن اشترى
عبد زيد بمائة له على عمرو- (۳)

ان عبارات سے معلوم ہوتا ہے کہ اکثر شافعیہ مطلقاً بیع الدین من لیس علیہ کو
ناجائز کہتے ہیں۔

(۱) روضة الطالبین للنووی (۵۱۳/۳)۔

(۲) المجموع شرح المهذب (۳۰۰/۹)۔

(۳) منہاج النووی مع مغنی المحتاج (۷۱/۲)۔

خلاصہ

خلاصہ بحث یہ کہ بیع الدین کی تین صورتیں ہیں، پہلی صورت جمہور علماء کے نزدیک ناجائز ہے، دوسری صورت جائز ہے، اور تیسری صورت حنفیہ، حنابلہ اور اکثر شافعیہ کے نزدیک ناجائز ہے، البتہ مالکیہ کے نزدیک چند شرائط کے ساتھ یہ صورت جائز ہے، لیکن ان تمام شرائط کو پورا کرنا آسان کام نہیں، اس لئے ظاہر یہی ہے کہ ان کے مذہب کا حاصل بھی عدم جواز ہی نکلتا ہے۔^(۱)

حوالہ

دوسری بحث جس کا تذکرہ مالیاتی دستاویزات میں بکثرت ہوتا ہے، وہ حوالہ کی بحث ہے، لہذا حوالہ کی تعریف و حقیقت، چند مخصوص اصطلاحات، حوالہ کی شرائط اور احکام کا خلاصہ ذیل میں پیش کیا جاتا ہے۔

حوالہ کی تعریف

حوالہ لغت میں ”نقل“ کو کہتے ہیں، یعنی منتقل ہونا یا منتقل کرنا، اور اصطلاح شرع میں اس کی تعریف درج ذیل ہے:-

نقل الدین من ذمۃ المحیل الی ذمۃ المحتال علیہ۔

دین محیل کے ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جائے۔^(۲)

یعنی دین (Debt) محیل کے ذمہ واجب ہوتا ہے، لیکن حوالہ کے بعد اس کے

(۱) من اراد ان یطالع هذا البحث الأنیق بالاستیعاب فله ان یراجع کتاب ”بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة“ المجلد الثانی، للشیخ المفتی محمد تقی العثماني، مکتبہ دارالعلوم کراتشي، طبع ربیع الأول ۱۴۲۶ من الهجرة النبویة علی صاحبها الصلاة والسلام۔

(۲) الدر المختار، کتاب الحوالة، اور ہندیہ کے الفاظ یہ ہیں: نقل الدین من ذمۃ الی ذمۃ ہو الصحیح کذا فی النہر الخائق (۹۵/۳)۔

ذمہ سے محتال علیہ کے ذمہ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے، اور مجیل کا ذمہ فارغ ہو جاتا ہے، جس کی تفصیل آگے آرہی ہے، اور یہی فرق ہے حوالہ اور کفالہ میں کہ حوالہ میں ”انتقال“ پایا جاتا ہے، اور کفالہ میں ”ضم“ پایا جاتا ہے، یعنی کفالہ میں اصل مدیون کے ساتھ کفیل کا ذمہ بھی مشغول ہو جاتا ہے، اور اصل مدیون بری عن الدین نہیں ہوتا۔

اصطلاحات

مجیل :- اصل مدیون (Debter) کو کہتے ہیں۔

محتال/محال/محتال لہ/محال لہ :- اصل دائن (Creditor) کو کہتے ہیں۔

محتال علیہ/محال علیہ :- تیسرے شخص (Third Person) کو کہتے ہیں، یعنی

جو قرضے کی ادائیگی اپنے ذمہ لے لیتا ہے۔

محال بہ :- ذین (Debt) کو کہتے ہیں۔

توی :- لغت میں ہلاک المال کو کہتے ہیں، اور شریعت میں اس کی دو

صورتیں ہیں :-

۱- محال علیہ حوالہ کا انکار کرے، اور قسم بھی کھائے کہ میں نے حوالہ قبول نہیں کیا

ہے، اور محتال کے پاس شرعی گواہ نہیں ہیں۔

۲- محال علیہ مُفلس ہونے کی حالت میں مرجائے۔

ان دونوں صورتوں میں اگر دائن اصل مدیون سے اپنے ذین کا مطالبہ نہ کرے، تو

اس کا مال ہلاک یعنی ضائع ہو جائے گا، اس کو ”توی“ کہتے ہیں۔

رکن حوالہ

حوالہ کا رکن صرف ایجاب و قبول ہے، یعنی مجیل کی طرف سے ایجاب ہو، اور

محال علیہ اور محال دونوں کی طرف سے قبول ہو، جیسا کہ علامہ کا سانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :-

امارکن الحوالة فهو الإيجاب والقبول، إلا إيجاب من

المحیل والقبول من المحال عليه والمحال جميعاً الغر۔^(۱)

شرائطِ حوالہ

حوالہ میں اطرافِ ثلاثہ یعنی محیل، محال لہ، اور محال تینوں کا عاقل ہونا، بالغ ہونا، اور تینوں کی رضا مندی کا پایا جانا ضروری ہے، لہذا اطرافِ ثلاثہ میں سے کسی بھی طرف کو مجبور نہیں کیا جاسکتا۔ نیز محال بہ کا دین ہونا بھی ضروری ہے، لہذا اعمیان کا حوالہ درست نہیں۔ نیز دین وغیرہ کا معلوم ہونا ضروری ہے، لہذا حوالہ بالجمہول جائز نہیں۔ چنانچہ معایر شرعیہ میں لکھا ہے:-

يشترط أن يكون كل من الدّين المحال به والدّين المحال عليه معلوماً صحيحاً قابلاً للنقل۔^(۲)

اقسامِ حوالہ

حوالہ کی درج ذیل چار قسمیں ہیں:-

۱۔ حوالہ مقیدہ، ۲۔ حوالہ مطلقہ، ۳۔ حوالہ حالہ، ۴۔ حوالہ مؤجلہ۔

حوالہ مقیدہ:- اس میں محیل کا محتال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب ہوتا ہے، اور حوالہ میں یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ محتال علیہ اسی میں سے محیل کا دین ادا کرے گا، اس صورت میں محتال علیہ کو دین کی ادائیگی کی صورت میں محیل کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں۔

حوالہ مطلقہ:- اس میں محیل کا محتال علیہ کے ذمہ کوئی دین یا عین واجب الادا نہیں ہوتا، بلکہ مذکورہ بالا شرائط کے مطابق محتال علیہ اپنے مال میں سے محیل کی طرف سے دین ادا کر دیتا ہے، اور پھر محیل کی طرف رجوع کر لیتا ہے کہ میری رقم دے دو۔

(۱) بدائع الصنائع للکاسانی کتاب الحوالة (۱۵/۶)۔

(۲) المعاییر الشرعیة (ص: ۱۰۱)۔

حوالہ حالہ:- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں ذین محال علیہ کے ذمہ فی الحال واجب ہو، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے مؤجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کو ساقط کر دیا گیا ہو۔

حوالہ مؤجلہ:- یہ وہ حوالہ ہے کہ جس میں ذین محال علیہ کے ذمہ مؤجل طریقے سے واجب ہوتا ہے، خواہ پہلے سے اس طرح ہو، یا پہلے سے معجل ہو، لیکن حوالہ میں اجل کی قید لگائی گئی ہو۔^(۱)

احکام حوالہ

- ۱- حوالہ میں مجیل اپنے ذین سے بری ہو جاتا ہے۔
- ۲- اس میں محال کو محال علیہ سے ذین کے مطالبے کی ولایت حاصل ہو جاتی ہے۔
- ۳- اگر محال محال علیہ کا تعاقب شروع کرے، تو محال علیہ کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مجیل کا تعاقب کرے۔

محال علیہ حوالہ سے کس طرح خارج ہوگا؟ اس کی صورتیں

- ۱- حوالہ نسخ ہو جائے۔
- ۲- تومی کی صورت میں، جس کی تفصیل اصطلاحات کے ذیل میں گزر گئی۔
- ۳- محال علیہ ذین کو ادا کرے۔
- ۴- محال ذین محال علیہ کو ہبہ کرے۔
- ۵- محال ذین محال علیہ کو صدقہ کرے۔
- ۶- محال مرجائے، اور محال علیہ اس کا وارث ہو۔^(۲)

(۱) المعاییر الشرعية (ص: ۱۰۱)۔

(۲) کل ذلك مأخوذ من بدائع الصنائع للعلامة الكاساني كتاب الحوالة، كذا في الكتب العامة للفقہ۔

چیک (Bank Cheque)

بیچ الدین اور حوالہ کی بحث کا خلاصہ ذکر کرنے کے بعد اب ہم اللہ تعالیٰ کے نام سے مالیاتی دستاویزات کا مختصر جائزہ لے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہر مرحلے پر اپنی مدد شامل حال رکھے۔

چیک کی تعریف

چیک ایک قسم کا تحریری اور دستخط شدہ حکم نامہ ہوتا ہے جس میں بینک کا کوئی کھاتہ دار سے اس کے کھاتے سے ایک مخصوص رقم کسی دوسرے شخص کو ادا یا منتقل کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔^(۱)

ڈاکٹر محمد عثمان شبیر ”چیک“ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

الشیك مأخوذ من الصك وهو وثيقة بمال أو نحوه
والشيك محرر يتضمن أمراً مكتوباً يطلب به الساحب من
المسحوب عليه (المصرف) ان يدفع بمجرد الإطلاع عليه
مبلغاً معيناً من النقود لشخص معين أو لإذنه أو لحامله۔

چیک صک سے لیا گیا ہے، صک مال وغیرہ کے وثیقے کو کہتے ہیں، اور چیک ایک مکتوب ہے جس میں ایسا حکم لکھا ہوا ہوتا ہے جس سے لکھنے والا بینک سے مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس پر مطلع ہونے کے بعد ایک خاص مقدار رقم کی کسی خاص شخص یا اس کے اذن سے یا حامل (Bearer) کو ادا کرے۔^(۲)

(۱) تعارف زر و بنکاری (ص: ۲۲۳)۔

(۲) المعاملات المالية العصرية في الفقه الإسلامي (شبیر) محمد عثمان شبیر، اردن، دار

النفاس، طبع ثالث ۱۳۱۹ھ۔

ڈاکٹر جمعیہ نے یوں تعریف کی ہے:-

هو امر مكتوب وفقا لأوضاع حددها العرف يطلب به الأمر (الساحب) من المسحوب عليه ويكون بنكا غالباً ان يدفع بمقتضاه وبمجرد الإطلاع مبلغاً معيناً لإذن شخص معين أو لحامله۔^(۱)

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔
آگرہ وال نے یوں چیک کی تعریف کی ہے:-

A cheque is an instrument containing an unconditional order, signed by the depositor, directing his banker to pay on demand a definite sum of money to himself or to the person named therein or the bearer of the cheque.

چیک ایک ایسا آلہ ہے جو غیر مشروط حکم پر مشتمل ہو، اور اس پر ڈپازٹر کے دستخط ہوں، جس میں وہ اپنے بنکر کو ہدایت دیتا ہے کہ مطالبے پر ایک خاص رقم اس کو، یا جس کا اس میں نام ہو، یا حامل ہو ادا کرے۔^(۲)

چیک کے اطراف

کسی بھی چیک کے عموماً تین فریق ہوتے ہیں:-

الف:- مرتب/ساحب (Drawer)

ب:- مرتب الیہ/مسحوب علیہ (Drawee) جو عموماً بینک ہی ہوتا ہے۔

ج:- وصول کنندہ/مستفید (Payee)۔

”الف“ سے مراد وہ شخص ہے جو چیک جاری کرتا ہے اور اس پر دستخط کرتا ہے،

(۱) احکام الأوراق النقدية والتجارية، الجعید (ستر بن ثواب) السعودية، الطائف،

مکتبۃ الصدیق، طبع اول ۱۹۹۳ء (ص: ۳۶۰)۔

Introduction to Economic Principles. Dr. A.N.Agrawal (۲)

”ب“ سے مراد وہ فریق ہے جس کو چیک پیش کیا جاتا ہے، جو عموماً بنک ہی ہوتا ہے، اور ”ج“ سے مراد وہ شخص ہے جس کو چیک میں درج شدہ رقم مل جائے۔

چیک اور مبادلاتی بل (Bill of Exchange) میں چند نمایاں فروق

۱- مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف متعلقہ بنک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲- مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت ضروری ہے، جبکہ چیک میں بنک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳- مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴- مبادلاتی بل کر اس نہیں کیا جاسکتا، جبکہ چیک کو کر اس کیا جاسکتا ہے۔

۵- مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں

کیا جاسکتا۔

۶- مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا، وغیرہ۔

چیک کی چند مشہور اقسام

بنک چیک کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں چند مشہور اقسام کو ذکر کیا جاتا ہے:-

۱- حامل چیک (Bearer Cheque):- یہ چیک کی ایک عام اور سادہ

ترین قسم ہے، اس قسم کا چیک بنک میں جو شخص بھی پیش کرتا ہے، بنک اس کی بلا حیل و حجت

ادائیگی کرتا ہے، اس قسم کے چیک کی ادائیگی کا بنک ہرگز ذمہ دار نہیں ہوتا، کیونکہ اس پر اس

قسم کی کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی کہ وہ اس امر کی لازمی تصدیق کرے کہ اس کے کھاتہ

دار نے وہ چیک جس شخص کے نام جاری کیا ہے، آیا اسے کیش کرانے والا واقعی وہی شخص

ہے یا کوئی دوسرا، جو شخص بھی اسے پیش کرے بنک اسے ادائیگی کرتا ہے، بشرطیکہ چیک کے ضروری مندرجات میں کوئی غلطی نہ ہو۔

۲- ہدایتی چیک (Order Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا ہے جو جس شخص کے نام جاری کیا گیا ہو، بنک اس شخص کے نام کی ضروری تصدیق اور تسلی کے بعد ہی اس کی ادائیگی کرتا ہے، نام کی تصدیق کرانا اس شخص کی ذمہ داری ہوتا ہے جس کے نام پر وہ چیک جاری کیا گیا ہو، تصدیق کے بعد یہ ذمہ داری بنک کی بن جاتی ہے کہ جس کے نام چیک جاری کیا گیا ہے یہ چیک مجاز شخص کے علاوہ کوئی دوسرا شخص کیش نہیں کر سکتا۔

۳- خط کشیدہ چیک (Cross Cheque):- یہ محفوظ ترین چیک ہوتا ہے، کیونکہ وہ جس شخص یا ادارے کے نام جاری کیا گیا ہو، وہی اسے کیش کرانے کا مجاز ہوتا ہے، اس میں جعل سازی کے امکانات بہت کم ہوتے ہیں، نیز یہ چیک اکاؤنٹ میں جمع کیا جاتا ہے، براہ راست کیش نہیں ہوتا، اور اس کی کسی چوری وغیرہ کا بھی اندیشہ نہیں ہوتا۔

۴- پوسٹ تاریخی چیک (Post Dated Cheque):- یہ وہ چیک ہوتا ہے جو آئندہ کی کسی تاریخ کے لئے جاری کیا گیا ہو، مثلاً آج تیس ستمبر ۲۰۰۶ء کو ایک تاجر کسی ادائیگی کے سلسلے میں کسی دوسرے تاجر کو پندرہ دسمبر ۲۰۰۶ء کی تاریخ کا چیک دیتا ہے، اس چیک کا مقصد تاخیر سے ادائیگی کرنا ہوتا ہے تاکہ ادائیگی کرانے والے کو اس دوران اپنے کھاتے میں مطلوبہ رقم جمع کرانے کی سہولت حاصل ہو جائے، اور چیک وصول کرنے والے کو یہ تسلی رہے کہ اسے دی گئی تاریخ پر وصولی ہو جائے گی، ایسا چیک مقررہ تاریخ سے قبل کیش نہیں کیا جاسکتا۔

چیک کو مسترد (Dishonour) کرنے کی وجوہات

بنک درج ذیل قسم کی وجوہات کی بناء پر چیک کو مسترد کر سکتا ہے:-

۱- دستخطوں میں فرق ہو۔

- ۲- مقررہ تاریخ سے پہلے پیش کیا جائے۔
- ۳- مقررہ تاریخ کے بعد پیش کیا جائے۔
- ۴- اکاؤنٹ میں مطلوبہ رقم ناکافی ہو۔
- ۵- اکاؤنٹ ہولڈر کا انتقال ہو جائے۔
- ۶- بینک دیوالیہ ہو جائے۔
- ۷- عدالت اس سے متعلق حکم جاری کرے۔
- ۸- چیک میں کوئی تبدیلی ہوئی ہو۔
- ۹- مقدار رقم میں فرق ہو۔
- ۱۰- دستخطوں میں دھوکے سے کام لیا گیا ہو۔

چیک کی شرعی تکلیف www.KitaboSunnat.com

چیک کی شرعی تکلیف میں مختلف اقسام اور مختلف حالات کی وجہ سے علماء کے مختلف اقوال سامنے آتے ہیں، کہ چیک حوالہ ہے یا وکالہ ہے، یا کیا ہے، ہم یہاں صرف اس کے ضروری خلاصے کے ذکر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

سید محمد باقر الصدر نے چیک کی شرعی تکلیف کے بارے میں جو بحث کی ہے، اس

کا حاصل درج ذیل ہے:-

چیک میں چیک لکھنے والا عام طور پر مدیون (Debtor) ہوتا ہے، اور مستفید (Beneficiary) دائن (Creditor) ہوتا ہے، لہذا مدیون بینک کے لئے چیک لکھتا ہے، اور اس کو دائن کو دیتا ہے، تاکہ اس کا قرضہ چک جائے، پھر کبھی مدیون کا بینک میں بیلنس ہوتا ہے، اور کبھی نہیں ہوتا، بلکہ اوور ڈرافٹ کا معاملہ ہوتا ہے لہذا ان دونوں حالتوں کا حکم لکھا جاتا ہے:-

پہلی حالت :- اگر چیک لکھنے والا خود اپنے اکاؤنٹ سے رقم نکلواتا ہے، تو یہ محض اپنا قرض وصول کرنا ہے، جسے ”استیفاءِ دین“ کہتے ہیں، لہذا اس صورت میں اگر محرر چیک مستفید کا مدیون ہو، اور وہ چیک لکھ کر مستفید کو دیدے، تو یہ حوالہ ہے، اور یہ دائن کا حوالہ ہے، بمقابلہ مدیون، یہ شرعاً درست ہے، اور اس سے مدیون کا ذمہ فارغ سمجھا جائے گا۔

دوسری حالت :- کہ محرر کا بنک میں کوئی بیلنس نہ ہو، اور یہ ”سحب علی الملکشف“ (Overdraft) ہو، اور محرر مستفید کا مدیون ہو، دائن یعنی مستفید یہ چیک بنک کو پیش کرتا ہے تاکہ وہ اپنی قیمت وصول کرے، تو یہ صورت بھی حوالہ کی ہے، لیکن اس میں مختال علیہ محیل کا مدیون نہیں ہے، اسی وجہ سے فقہاء کی اصطلاح کے مطابق اس کو ”حوالہ علی البری“ کہتے ہیں، اور یہ بھی جائز ہے، بنک اگر چیک قبول کرے، تو گویا کہ اس نے حوالہ کو قبول کر لیا، تو اس کا ذمہ محال کے لئے مشغول ہو جائے گا اس رقم کے ساتھ جو محال کا محول کے ذمہ واجب ہے، اور محول بنک کا مدیون ہو جائے گا۔^(۱)

اس کا حاصل یہ ہوا کہ :-

- ۱- اگر محرر کا بنک میں بیلنس ہے، اور وہ خود اپنے لئے بنک سے چیک کے ذریعے پیسے نکلواتا ہے، تو یہ محض استیفاءِ دین ہے۔
- ۲- اور اگر محرر کا بنک میں بیلنس موجود ہے، اور محرر کسی اور کو چیک دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے، تو یہ دائن کا حوالہ ہے مدیون کے مقابلے میں۔

(۱) البنك الاربوی فی الإسلام، الصددر (السید محمد باقر الصددر) بیروت لبنان، دار التعارف للمطبوعات، طبع ششم ۱۴۱۰ھ۔

- ۳- اور اگر محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر اپنے لئے بینک سے رقم نکلاتا ہے تو یہ قرض کا معاملہ ہے کہ بینک مقرض ہے، اور محرر مستقرض ہے۔
- ۴- اور محرر کا بینک میں بیلنس نہیں، اور محرر کسی اور کو چیک لکھ کر دیتا ہے، اور وہ محرر کا دائن ہے، تو یہ بھی حوالہ ہے، جس کی تفصیل دوسری حالت میں گزر گئی۔
- اور "Shari'a Standards" میں چیک کی شرعی تکلیف کے بارے میں جو خلاصہ لکھا گیا ہے، وہ اسی کے الفاظ میں ذیل میں ملاحظہ ہو:-

An issuance a cheque against a current account is a form of hawala if the beneficiary is a creditor of the issuer or the account holder for the amount of the cheque, in which case the issuer, the bank and the beneficiary are the transferor, the payer and the transferee respectively.

If the beneficiary is not a creditor to the issuer of the cheque, then this is not a hawala transaction because there can be no hawala transaction without an existing debt. In the absence of a debt, the transaction becomes an agency contract for recovery of the amount of the debt on behalf of the transferor, which is lawful in Sharia.

If the beneficiary of the amount of a cheque is a creditor to the issuer, then issuing a cheque against the account of the issuer without a balance is unrestricted transfer of debt if the bank accepts the overdraft. If the bank rejects the overdraft, then this is not considered a transfer of debt, in which case the potential beneficiary may have recourse to the issuer.

The holder of a traveler's cheque, the value of which has been paid by him to the issuing institution, is a creditor to such an institution. If the holder of the traveler's cheque endorses the cheque in favour of his creditor, it becomes a transfer of debt in favour of a third party against the issuing institution that is a debtor to the holder

of the traveler's cheque. This is a restricted transfer of debt and the amount of the debt is the value of the cheque for which the institution received payment.⁽¹⁾

اس کا حاصل یہ ہے کہ:-

- ۱- کرنٹ اکاؤنٹ کے لئے چیک کو جاری کرنا حوالہ ہے، جبکہ مستفید محرر کا دائن ہو، تو محرر محیل ہے، بنک محال علیہ ہے، اور مستفید محال ہے۔
- ۲- اور جب محرر مستفید کا مدیون نہ ہو، تو یہ حوالہ نہیں، کیونکہ حوالہ بغیر دین کے نہیں ہوتا، بلکہ یہ وکالہ بالقبض ہے، جو شرعاً جائز ہے۔
- ۳- جب محرر مستفید کا مدیون ہوا، اور محرر کا بنک میں بیلنس نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلقہ ہے جب بنک اس کو قبول کرے، اور اگر بنک اس کو قبول نہ کرے، تو یہ حوالہ نہیں، اور حامل کو محرر کی طرف رجوع درست ہے۔

- ۴- سفری چیک کا حامل جو اس کی قیمت ادارے کو ادا کرتا ہے، حامل اس ادارے کا دائن سمجھا جائے گا، اور اگر حامل اس کو اپنے دائن کے حق میں انڈورس کرے، تو یہ حوالہ بن جائے گا، اور یہ حوالہ مقیدہ ہے، حوالہ مطلقہ اور حوالہ مقیدہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔
- مولانا محمد تقی عثمانی صاحب تاملہ فتح الملہم میں چیک اور اس کے احکام کے بارے میں فرماتے ہیں:-

فالصحيح ان الشيك المصرفي سند يدل على ان الذی
 وقع عليه قد وُكِّل حامله لقبض دينه من البنك ومقاصة
 دينه منه فليس ذلك من الاثمان في شيء فلا يعتبر القبض
 عليه قبضًا على مبلغه حتى ينقده البنك ولا يتنادى باداءه
 الزكوة حتى ينقده الفقير ولا يجوز اشتراء الذهب

(1) Shari'a Standards 1423 AH, 2002 Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions.

والقبضة به لفقدان التقابض في المجلس ويجوز لموقعه ان يعزل حامله عن الوكالة قبل ان يبلغ به الى البنك۔
صحیح یہ ہے کہ بینک چیک ایک سند ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس نے اس پر دستخط کئے ہیں، وہ حامل کو وکیل بناتا ہے تاکہ وہ اس کا دین وہاں سے وصول کرے، اور پھر مقاصد ہو جائے، لہذا چیک شمن نہیں، اس لئے چیک پر قبضہ اس کے اندر درج شدہ رقم پر قبضہ تصور نہیں ہوگا جب تک اس کو کیش نہ کرایا جائے، جب تک فقیر اس کو کیش نہ کرائے، اس وقت تک اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، نیز چیک سے سونا چاندی کی خریداری بھی جائز نہیں، کیونکہ مجلس کے اندر تقابض نہیں پایا جاتا، اور اس کے دستخط کنندہ کے لئے جائز ہے کہ اس کے حامل کو وکالت سے معزول کرے، جب تک وہ اس کو لے کر بینک نہ پہنچ جائے۔^(۱)

کتاب البنك اللاروی اور شرعیہ اسٹینڈرڈز کی مذکورہ عبارات کی روشنی میں بندے کا خیال یہ ہے کہ بعض صورتوں میں چیک کا معاملہ ضرور حوالہ کے ذمے میں آجاتا ہے، اس لئے علی الاطلاق چیک میں حوالہ کی نفی بظاہر درست نہیں، اور اس کو ہر حال میں محض رسید قرار دینا اور اس معاملے کو وکالت قرار دینا محل نظر ہے، نیز خط کشیدہ حکم بظاہر اس وقت ہے جبکہ سونے یا چاندی پر بھی مجلس عقد میں قبضہ نہ ہو، ورنہ اگر سونے یا چاندی پر مجلس عقد میں قبضہ پایا جائے، تو میرے خیال میں یہ معاملہ درست ہونا چاہئے، کیونکہ چیک میں درج شدہ رقم کوئی کرنسی ہوگی، اور کرنسی کے ساتھ سونے چاندی کا ادھار معاملہ درست ہے، کیونکہ یہ بیع صرف میں داخل نہیں۔

(۱) تکملة فتح الملهم شرح الصحيح لمسلم، العثمانی (محمد تقی العثمانی) کراتشی،

مکتبۃ دارالعلوم کراتشی، (۵۱۵/۱)۔

ہنڈی (Bill of Exchange)

"Bill of Exchange" کی حقیقت اور تعریف

اس کی حقیقت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب اپنی مشہور اُردو تصنیف ”اسلام اور

جدید معیشت و تجارت“ میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

بل آف ایکسچینج ایک خاص قسم کی دستاویز ہے، جب کوئی تاجر اپنا مال فروخت کرتا ہے، تو خریدار کے نام بل بناتا ہے، بعض اوقات اس بل کی ادائیگی کسی آئندہ تاریخ میں واجب ہوتی ہے، اس بل کو دستاویزی شکل دینے کے لئے مدیون اس کو منظور کر کے اس پر دستخط کر دیتا ہے کہ میرے ذمہ فلاں تاریخ کو اس بل کی ادائیگی واجب ہے، اس کو عربی میں ”کمبیالہ“، اُردو میں ”ہنڈی“ اور انگریزی میں ”Bill of Exchange“ کہتے ہیں، اور اس کو ”مبادلاتی بل“ بھی کہتے ہیں، اس دستاویز میں ادائیگی کی جو تاریخ لکھی ہوئی ہوتی ہے، اس تاریخ کے آجانے کو عربی میں ”نضجہ الکمبیالہ“ اور انگریزی میں ”Maturity“ کہتے ہیں، اس تاریخ ادائیگی کو ”Maturity Date“ کہتے ہیں۔ ہنڈی میں لکھا ہوا دین تو مدیون سے تاریخ ادائیگی آنے پر ہی لیا جاسکتا ہے، مگر دائن کو فوری طور پر رقم کی ضرورت ہوتی ہے، تو کسی تیسرے شخص کو وہ بل دے کر لکھی ہوئی رقم لے لیتا ہے، اور بل کی پشت پر دستخط کر کے اس کے حقوق اس تیسرے شخص کی طرف منتقل کر دیتا ہے، تیسرا شخص اس پر لکھی ہوئی رقم میں کٹوتی بھی کر دیتا ہے، مثلاً ہنڈی پر ایک ہزار روپے لکھے ہوئے ہیں تو وہ نو سو پچاس روپے دیتا ہے، اس عمل کو عربی میں ”خصم

"Discounting of the Bill of" اور انگریزی میں "Exchange" اور اردو میں "بٹہ لگانا" کہتے ہیں۔ اور ہنڈی کی پشت پر جو دستخط کئے جاتے ہیں اس کو عربی میں "تظہیر" اور انگریزی میں "Endorsement" کہتے ہیں، اور اردو میں "عبارت ظہری لکھنا" کہتے ہیں۔ ہنڈی پر بٹہ لگانے کی شرح "Maturity" کو مد نظر رکھ کر طے ہوتی ہے، تاریخ ادائیگی جتنی قریب ہوتی جائے، بٹہ لگانے کی شرح کم ہوتی جاتی ہے۔ بینک بھی عموماً ہنڈی کی ڈسکاؤنٹنگ کرتے ہیں، اور یہ بھی بینکوں کے قصیر المیعاد قرضوں میں داخل ہے، اس لئے کہ بل کی ادائیگی "Maturity" عموماً تین ماہ میں ہوتی ہے۔^(۱)

اسی کو مولانا محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف "بحوث" میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ ذکر فرمایا ہے:-

النوع الثانی من الأوراق المالية التي تتداول في السوق اليوم تسمى كمبيالة وهي عبارة عن الوثيقة التي يكتبها المشتري للبائع في بيع مؤجل ويعترف فيها بانه وجب في ذمته ثمن المبيع، وانه يلتزم بأداء في تاريخ آجل، وان البائع حامل الكمبيالة ربما يريد استعجال الحصول على مبلغها فلا ينتظر إلى تاريخ نضج الكمبيالة بل يبيعها إلى طرف ثالث بأقل من قيمتها الاسمية ويسمى حسم الكمبيالة أو خصم الكمبيالة "Discounting" والعادة في

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت، عثمانی (محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبہ معارف القرآن کراچی، طبع جدید ۱۴۲۳ھ (ص: ۱۲۲)۔

سوق الأوراق ان مقدار لهذا الحسم نسبة مبلغ الكمبيالة
تحدد على اساس مدة نضجها فكلما كانت مدة نضجها
اكثر كانت نسبة الحسم اكثر وكلما كانت المدة اقل
كانت نسبة الحسم اقل۔^(۱)

اس کا حاصل بھی وہی ہے جو آرڈر مٹن میں بیان ہوا۔

ڈاکٹر عبدالعزیز فہمی ہیکل نے اس کی تعریف یوں کی ہے:-

هي نوع من السندات الاذنية التي تستخدم في التجارة
الخارجية في الدول الغربية يعتهد بموجبها الساحب
(The Drawer) وبدون شروط ان يدفع للمسحوب
لصاحبه (The Drawee) مبلغاً من المال في تاريخ معين۔
یہ ان دستاویزات میں سے ہے جو بیرونی تجارت میں مغربی ممالک
میں استعمال ہوتا ہے، اس کی بموجب لکھنے والا ذمہ داری لیتا ہے بغیر
کسی شرط کے کہ وہ مستفید کو کسی خاص تاریخ میں مال کی ایک مقدار
وے گا۔^(۲)

آگر وہ وال نے اس کی یوں تعریف کی ہے:-

A bill of exchange is an order from a creditor to
the debtor to pay a certain sum of money to
himself or to the bearer.

بل آف ایکسچینج دائن کی طرف سے مدیون کے لئے ایک حکم نامہ ہے

(۱) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ
دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۳۲۶ھ (۱۱۲/۲)۔

(۲) موسوعة المصطلحات الاقتصادية الإحصائية، هیکل (الدکتور عبدالعزیز فہمی
هیکل) بیروت، دار النهضة العربية (ص: ۷۵)۔

کہ مدیون دائن کو یا حامل کو خاص مقدار پیسوں کی ادا کرے۔^(۱)
بل آف ایکسچینج ایکٹ مجریہ ۱۸۸۲ء میں اس کی تعریف ان لفظوں میں بیان کی

گئی ہے:-

An unconditional order in writing, addressed by one person to another signed by the person giving it, requiring the person to whom it is addressed to pay on demand or at a fixed or determinable future time a sum certain in money or to the order of a specified person, or to bearer.

مبادلاتی بل ایک غیر مشروط تحریری حکم نامہ ہے جو حکم دینے والے شخص یا فریق کے دستخطوں سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام جاری کیا جاتا ہے، جس میں ایک مخصوص رقم اس میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے شخص یا حامل بل کو اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا کسی قابل تعیین تاریخ کو ادا کرنے کے لئے کہا گیا ہوتا ہے۔^(۲)

ہنڈی کی شرائط

ہنڈی یا مبادلاتی بل میں مندرجہ ذیل شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

- ۱- یہ ایک حکم نامے کی صورت میں ہونا چاہئے، درخواست یا گزارش وغیرہ کی صورت میں نہیں ہونا چاہئے۔
- ۲- یہ حکم نامہ غیر مشروط ہونا چاہئے، یعنی اس میں درج رقم کی ادائیگی کو کسی شرط کے پورا ہونے سے مشروط نہیں ہونا چاہئے۔
- ۳- یہ حکم نامہ تحریری شکل میں ہونا ضروری ہے۔

Intrudaction to Economic Principles. Dr. A.N. Agarwal (۱)

(۲) بحوالہ تعارف زر و بکاری، شیخ مبارک علی (ص: ۲۳۳)۔

۴- یہ حکم نامہ ایک شخص یا فریق کی طرف سے کسی دوسرے شخص یا فریق کے نام ہونا چاہئے، اگر بل مرتب کرنے والا اور جس کے نام مرتب کیا گیا ہو، دونوں ایک ہی شخص ہوں، تو اس کا شمار مستند بل میں نہیں ہوگا۔

۵- بل مرتب کرنے والے پر اس کے دستخط ہونے چاہئیں، اگر اس شخص کا تعلق کسی کمپنی سے ہو، تو وہ لازماً بااختیار شخص ہونا چاہئے۔

۶- بل میں لکھی ہوئی مخصوص رقم کی ادائیگی اس کے مطالبے پر یا آئندہ کی کسی مقررہ تاریخ کو یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ کو ہونی چاہئے۔

۷- بل میں قابل ادائیگی مخصوص رقم کا اندراج ہونا چاہئے، اگر قابل ادائیگی مخصوص رقم کا اندراج نہیں ہوگا، تو اس بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوگی۔

۸- بل کی رقم بل میں مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی دوسرے مخصوص شخص کو یا حامل کو ادا ہونی چاہئے۔^(۱)

بل آف آپیکس کی چند مشہور قسمیں

اس بل کو اس کی نوعیت کے اعتبار سے ان تین اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:-

①- بلحاظ مقام ②- بلحاظ مقاصد ③- بلحاظ ادائیگی قیمت

بلحاظ مقام

بلحاظ مقام بل کی دو قسمیں ہیں:-

ملکی بل (Inland Bill):- یہ وہ بل ہے جسے اندرون ملک ہی تجارتی لین دین میں استعمال کیا جاسکتا ہے، دوسرے لفظوں میں بل کے فریقین کا تعلق ایک ہی ملک سے ہوتا ہے، اور اس بل کے عوض رقم کا لین دین بھی اندرون ملک ہی ہوگا۔

غیر ملکی بل (Foreign Bill):- یہ وہ بل ہوتا ہے جس کے فریقین میں ملکی

(۱) تعارفِ ذر و بکار، شیخ مبارک علی۔

تاجر کے علاوہ غیر ملکی تاجر بھی شامل ہو، مثلاً اگر پاکستان کے کسی تاجر نے سنگاپور کے کسی تاجر کے نام کوئی بل بنایا ہے، اور اس نے اس کی ادائیگی تحریری طور پر قبول کر لی ہے، تو یہ بل غیر ملکی بل کہلائے گا، کیونکہ اس بل کی ادائیگی سنگاپور میں ہوگی۔

بلحاظ مقاصد

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:-

تجارتی بل (Commercial Bill):- وہ بل جو تجارتی لین دین کے تصفیے کے لئے بنایا جائے، اسے تجارتی بل کہتے ہیں، کاروباری دنیا میں اکثر و بیشتر یہ ہوتا ہے کہ کسی شے کا خریدار اس کی رقم فروخت کنندہ کو نقد ادا کرنے کے بجائے اس سے مستقبل میں ادائیگی کے لئے بل بنو لیتا ہے، اور اس پر اس امر کی اپنی قبولیت ثبت کر دیتا ہے کہ وہ بل میں درج رقم اس کی ہدایت کے مطابق دی گئی مقررہ تاریخ کو ادا کرے گا۔

اعانتی بل (Accommodation Bill):- یہ بل تجارتی ادھار کے لین دین کے تصفیے کے لئے نہیں، بلکہ کسی کی مالی اعانت کے لئے بنائے جاتے ہیں، ایسے بلوں کا مقصد کسی شخص کو بل کی کٹوتی کا موقع فراہم کر کے کچھ عرصے کے لئے اس کی مالی اعانت کرنا ہوتا ہے۔

بلحاظ ادائیگی وقت

اس لحاظ سے بھی بل کی دو قسمیں ہیں:-

عند الطلب (On Demand Bill):- وہ بل جو پیش کرنے یا دکھانے پر قابل ادائیگی ہو، اسے عند الطلب بل کا نام دیا جاتا ہے۔

مدتی بل (Time Bill):- یہ وہ بل ہوتا ہے جو مستقبل میں کسی مخصوص تاریخ یا کسی معینہ مدت کے بعد قابل ادائیگی ہو، یہ مدت یا تو بل کی اجرائی تاریخ سے شروع ہوتی ہے، یا پھر قبولیت کی تاریخ سے۔

بل کی تیاری کا طریقہ کار

بل کی تیاری میں مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہوتا ہے:-

۱- ریونیوٹکٹ چپکانا:- بل کو قانونی آلہ مبادلہ کی حیثیت دینے کے لئے مرتب یا جاری کنندہ کو اس کے عوض ایک مخصوص رقم کا سرکاری ٹیکس ادا کرنا ہوتا ہے، جسے بل کے اوپر ایک کونے پر ٹکٹ کی شکل میں چپکانا پڑتا ہے۔

۲- رقم کا اندراج:- بل میں مندرجہ قابل ادا رقم کو ہندسوں اور الفاظ دونوں میں صاف اور واضح طور پر لکھا جاتا ہے۔

۳- تاریخ کا اندراج:- بل جس تاریخ کو مرتب یا تیار کیا جائے، وہ واضح اور صاف طور پر تحریر کی جانی چاہئے، تاریخ عام طور پر بل کے اوپر ٹکٹ کے مخالف کونے پر درج کی جاتی ہے۔

۴- وصول کنندہ کا نام:- بل جس شخص یا فریق کو ادا کیا جانا مقصود ہو، اس میں اس کا نام بھی اس کے متن میں صاف اور واضح طور پر تحریر کیا جانا چاہئے۔

۵- مالیت وصول شدہ:- بل ہمیشہ ایک مخصوص قدر یا مالیت کے لئے لکھا جاتا ہے، لہذا بل میں یہ الفاظ ”مالیت وصول شدہ ہے“ یا برائے مالیت وصول شدہ (For Value Received) ضرور تحریر کئے جانے چاہئیں۔

۶- مرتب کے دستخط مثبت ہوں:- بل میں اس کے مرتب کے دستخط مثبت ہونا بھی لازمی ہے، دستخط کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں۔

۷- مرتب الیہ کا نام اور پتہ:- بل کے آخر میں اس کے مرتب الیہ کا نام اور پتہ نچلے سرے پر دستخط کی مخالف سمت میں درج کیا جانا ضروری ہے۔

۸- بل کی قبولیت:- صرف بل کی تیاری کے بعد اس میں مندرجہ رقم کسی شخص پر واجب الاداء نہیں ہو جاتی، بلکہ اس کے لئے ضروری ہے کہ مرتب الیہ یا اس کی

طرف سے کوئی مجاز شخص اپنی تحریری قبولیت کا اندراج بل پر کر دے، اس کے بغیر بل کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہوتی۔

بل کی کٹوتی (Discounting of Bill of Exchange)

تجارتی دُنیا میں ادھار لین دین میں سہولت کے پیش نظر مدتی بل عموماً زیادہ استعمال کئے جاتے ہیں، مدتی بل کی ادائیگی کے لئے مستقبل کی کوئی تاریخ مقرر ہوتی ہے، چنانچہ اگر حامل کو بل میں لکھی ہوئی رقم کی مقررہ مدت سے ضرورت پڑ جائے، تو اسے کٹوتی کے لئے کسی بنک میں پیش کرتا ہے، آج کے ترقی یافتہ دور کے تقریباً تمام تجارتی بنک اس قسم کے بلوں پر کٹوتی کی سہولت مہیا کر کے کاروباری لوگوں کو مالیات فراہم کرنے کے کاروبار میں سرگرم عمل ہیں، دراصل بنک ایسے بل کو خریدتے ہیں، اور اس کے عوض بل میں درج شدہ رقم سے کچھ کم رقم ادا کرتے ہیں، کٹوتی کا تعین بنک کی مرؤجہ شرح سود کے مطابق کیا جاتا ہے، اس قسم کی کٹوتی کو بنک کی طرف سے حامل بل کے لئے ایک قسم کا قلیل مدتی قرضہ بھی کہا جاسکتا ہے جس پر بنک کٹوتی کی صورت میں پیشگی سود کی وصولی کر لیتا ہے۔

ہنڈی (Bill of Exchange) کی شرعی تکلیف

اگر مرتب (ساحب) مستفید کا مدیون ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ ہے، مرتب محیل ہوگا، مرتب الیہ محال علیہ ہوگا، اور مستفید محال ہوگا، اور اگر مرتب مستفید کا مدیون نہ ہو، تو اس صورت میں ہنڈی از قبیل حوالہ نہیں ہوگا، بلکہ یہ وکالہ ہوگا۔

پھر جاننا چاہئے کہ اگر مرتب اور مرتب الیہ میں مدیونیت کا علاقہ نہ ہو، تو یہ حوالہ مطلقہ ہے۔

فی المعاییر الشرعية: تعتبر الكمبالة من قبیل الحوالة
إذا كان الشخص المستفید الذی سحبت لأمره دائناً
للساحب، ویكون الساحب هو المحیل الذی یصدر أمراً

للمسحوب عليه بدفع مبلغ معين من النقود في تاريخ معين للمستفيد المحدد۔

أما الجهة الملتزمة بدفع المبلغ المعين (المسحوب عليه) فهي المحال عليه، والمستفيد حامل الكمبيالة هو المحال، فإن لم يكن المستفيد دائناً للساحب كان إصدار الكمبيالة توكيلاً من الساحب للشخص في قبض واستيفاء مبلغ الكمبيالة۔

تعتبر الكمبيالة في حال عدم وجود مديونية بين الساحب والمسحوب عليه من قبيل الحوالة المطلقة۔^(۱)
اس عبارت کا حاصل وہی ہے، جو ہم نے اوپر بیان کیا۔

وفي تكملة فتح الملهم: فاما البون والكمبيالة والوثائق الأخرى التي يكتب عليها مبلغ الدين منذ يوم إجرائها، فإن التعامل بها حوالة صحيحة بلا ريب لأن الذي أصدرها قد كتب عليها إني مدين لكل من يحملها بهذا المبلغ المعلوم فكلما سلمها حاملها إلى رجل آخر، فقد أحال دينه عليه، وقد وجد رضا المحيل والمحتال صريحاً ورضاً المحتال عليه معني لأن المحتال عليه هو الذي اجري هذه الأوراق أول مرة وقد رضى بأداء مبلغها إلى كل من يحملها فرضاها عام لكل من يحملها وأما تلفظ الإيجاب والقبول فلا يشترط في الحوالة بل تنعقد الحوالة بالتعاطي كما ينعقد البيع۔

(۱) المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ۱۳۲۳ھ۔

بانڈ، ہنڈیاں اور دیگر مالی دستاویزات جن پر خاص مقدار لکھی ہوئی ہوتی ہے، جاری کرنے کے دن سے، ان کے ساتھ تعامل بلاشبہ حوالہ صحیح ہے، کیونکہ جس نے اس کو جاری کیا ہے، اس نے اس پر لکھا ہے کہ میں ہر اس شخص کا مدیون ہوں جس کے پاس یہ بل موجود ہو، پس جب وہ یہ بل کسی اور آدمی کو دیتا ہے تو وہ حوالہ کر رہا ہے، اس میں محیل اور محتمل کی رضامندی صراحتاً پائی جاتی ہے، اور محتمل علیہ کی رضامندی معنی پائی جاتی ہے، کیونکہ وہ جاری کرتے وقت اس بات پر راضی ہے کہ وہ اس میں لکھی ہوئی رقم ہر اس شخص کو ادا کرے گا، جس کے پاس یہ بل موجود ہو، جہاں تک ایجاب و قبول کے تلفظ کا تعلق ہے تو وہ حوالہ میں شرط نہیں، (یعنی تلفظ شرط نہیں ہے) بلکہ یہ تعاطی سے بھی منعقد ہوتا ہے، جیسا کہ بیع تعاطی سے منعقد ہو جاتی ہے۔^(۱)

کٹوتی (Discounting) کا حکم

جمہور علمائے معاصرین نے کہا ہے کہ یہ ”بيع الدین من غیر من علیہ باقل منہ“ جو ناجائز ہے، بیع الدین کی پوری تفصیل شروع میں ذکر ہو چکی ہے۔ فقہائے کرام نے ایک پیپر کا ذکر کیا ہے، جو ہنڈی کے مشابہ ہے، اور اس کو ”جا مکیہ“ کا نام دیا ہے، یہ اس دستاویز کو کہتے ہیں جس کو بیت المال یا متولی وقف کسی ایسے شخص کے لئے جاری کرتا ہے، جس کا بیت المال یا وقف میں مالی حق موجود ہو، اور اس کو پیسوں کی فی الحال ضرورت ہے، تو وہ کسی آدمی سے کہتا ہے کہ جا مکیہ میں جو رقم لکھی ہوئی ہے، اس سے کم مجھے دو، تو یہ ناجائز ہے کیونکہ یہ بیع الدین میں داخل ہے، علامہ حکفی رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس طرح ذکر کیا ہے:-

(۱) تکملة فتح الملہم شرح الصحیح لمسلم، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشي، مکتبہ دارالعلوم کراتشي (۱/۵۱۵)۔

وأفتى المصنف (أى صاحب تنوير الأبصار) ببطلان بيع
الجامكية لما فى الاشباه: بيع الدين إنما يجوز من
المديون-

وقال ابن عابدين تحته: عبارة المصنف فى فتاواه: سئل
عن بيع الجامكية وهو أن يكون لرجل جامكية فى بيت
المال ويحتاج إلى دراهم معجلة قبل أن تخرج الجامكية،
فيقول له رجل: بعنى جامكيتك التى قدرها كذا بكذا
انقص من حقه فى الجامكية، فيقول: بعتك- فهل البيع
المذكور صحيح أم لا؟ لكونه بيع الدين بنقد، اجاب: إذا
باع الدين من غير من هو عليه كما ذكر لا يصح- قال
مولانا فى فوائده: وبيع الدين لا يجوز ولو باعه المديون
أو وهبه-^(۱)

اور حنابلہ کی کتابوں میں یہ عبارت ہے:-

ولا يصح بيع العطاء قبل قبضه لأن العطاء مغيب فيكون
من بيع الغرر وهو أن العطاء قسطه فى الديوان، ولا يصح
بيع رقعة به أى بالعطاء لأن المقصود بيع العطاء لاهى-
عطا کو قبض کرنے سے پہلے فروخت کرنا جائز نہیں، کیونکہ عطا حاضر
نہیں، لہذا اس میں غرر ہے کیونکہ عطا کی قسط دیوان میں ہے، اور اس
کی دستاویز بیچنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہاں مقصود عطا ہی کو فروخت
کرنا ہے، نہ کہ دستاویز۔^(۲)

(۱) الدد المختار مع رد المحتار، مطلب فى بيع الجامكية-

(۲) كشف القناع للبهوتى (۱۵۶/۳)-

یاد رکھنا چاہئے کہ حنفیہ اور حنابلہ کی اصل کے مطابق بیع الدین من غیر من علیہ الدین مطلقاً ناجائز ہے، لہذا اس مسئلہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہنڈی ڈسکاؤنٹ کے بغیر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، کیونکہ یہ بیع الدین من غیر من علیہ الدین ہے، جو علی الاطلاق ناجائز ہے۔

البتہ مالکیہ کی اصل کے مطابق ہنڈی کاٹمن یا تو نقد میں سے نہ ہو، یا پھر ٹمن اس کی قیمت کے برابر ہو، اور شواہع کا مذہب بھی اس طرح معلوم ہو رہا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کٹوتی تو بہر حال کسی کے نزدیک بھی جائز نہیں۔

اس سلسلے میں مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کی قرارداد کے الفاظ درج ذیل ہیں:-

إن حسم الأوراق التجارية غیر جائز شرعاً لأنه یؤل الی ربا
النسیئة المحرم۔

مالیاتی دستاویزات کی کٹوتی بہر حال ناجائز ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ ربا
النسیئہ کی شکل میں نکلتا ہے، جو حرام ہے۔^(۱)

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مذکورہ موقف سے متفق نہیں، وہ اس معاملے کو بیع الدین

قرار نہیں دیتے، بلکہ اس کو حوالہ قرار دے رہے ہیں، چنانچہ ان کے الفاظ ملاحظہ ہوں:-

ڈسکاؤنٹنگ کی فقہی حیثیت یہ ہے کہ دائن جس کے ہاتھ میں بل ہے،

وہ دین کا بڑے لگانے والے (Discounter) کی طرف حوالہ کر دیتا

ہے۔ اور یہ حوالہ بانقص من الدین ہے جو ناجائز ہے، اس لئے

کہ یہ ربا الفضل ہے۔ ڈسکاؤنٹنگ کے اس معاملے کو بیع الدین

نہیں کہا جاسکتا، اس لئے کہ بیع اور حوالہ میں یہ فرق ہوتا ہے کہ بیع کے

بعد دائن بری الذمہ ہو جاتا ہے، اور دین کے تمام حقوق اس شخص کی

(۱) مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی، العدد السابع ۲/۲۱، قرار رقم ۲۶/۲/۳۵، فقرہ ۳، بحوالہ

”بحوث فی قضایا فقہیہ معاصرہ“ المجلد الثانی۔

طرف راجع ہو جاتے ہیں جس سے دین خریدنا ہوتا ہے۔ اور حوالہ میں محیل ہی دائن رہتا ہے، وہ بری الذمہ نہیں ہوتا، اگر محیل کو دین نہ ملے تو وہ محیل کی طرف رُجوع کا حق دار ہوتا ہے، اور آج کل ڈسکاؤنٹنگ میں صورتِ حال یہی ہوتی ہے کہ اگر بیٹہ لگانے والے (Discounter) کو بل وصول نہ ہو تو وہ اصل دائن سے رُجوع کرتا ہے، لہذا یہ ”بیع الدین من غیر من علیہ الدین“ نہیں، بلکہ ”حوالۃ الدین بانقاص من الدین“ ہے۔^(۱)

اسی کو حضرت مفتی صاحب اپنی عربی تصنیف میں اس طرح بیان فرماتے ہیں:-

والذی يظهر لى أن حسم الكمبيالة ليس بيعاً فى الحقيقة وإنما هو إقراض وحوالة، فالذی يحسم الكمبيالة يقرض إلى حاملها مبلغاً ثم يحيل الحامل المقرض إياه على مصدر الكمبيالة والدليل على ذلك أن فى قوانين معظم البلاد لا يتحمل الحاسم خطر عدم التسديد بل يحق له أن يرجع على حامل الكمبيالة إذا لم يقع التسديد من مصدر الكمبيالة وهذا شأن الحوالة على مذهب الحنفية۔^(۲)

Bill of Exchange کی کٹوتی کا شرعی متبادل (Alternative)

اس کی کئی جائز صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے ایک صورت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ تاجر اس بل کو فروخت کرنے کی بجائے بنک کو اپنا قرض وصول کرنے کا وکیل بنائے، اور

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۱۵۰۔

(۲) بحوث فى قضايا فقهية معاصرة، العثمانى (محمد تقى العثمانى) كراتشى، مكتبه

دارالعلوم كراتشى، طبع جديد ۱۴۲۶ھ۔

اس کے لئے وکالہ فیس مقرر کر دے، پھر اس بنک سے بل پر درج شدہ رقم کے برابر قرض لے لے، بنک تاجر کے وکیل کی حیثیت سے قرضہ وصول کرنے کے بعد تاجر کو دیئے ہوئے قرض کے بدلے میں اپنا قرض وصول کرے۔

مثلاً: زید کے پاس ایک بل ہے جس پر ایک لاکھ روپے کا مبلغ درج ہے، تو زید بنک کو وکیل بناتا ہے کہ وہ اس رقم کو بل کے جاری کرنے والے سے ایک ہزار روپے کے عوض وصول کرے، پھر بنک زید کو عقد مستقل کے ساتھ ننانوے ہزار روپے قرض دیتا ہے، پھر جب بنک ایک لاکھ روپے اصل آدی سے وصول کر لے گا، تو مقاصد واقع ہو جائے گا، تو بنک اس میں سے ننانوے ہزار روپے اپنے قرض کے طور پر رکھ لے، اور ایک ہزار روپے وکالہ فیس کے طور کے رکھ لے۔

لیکن یہ معاملہ درست ہونے کے لئے چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے:-

الاول: ان یکون کل واحد من العقدین منفصلاً عن

الآخر فلا تشترط الوكالة فی القرض والقرض فی الوكالة۔

الثانی: ان لا تكون اجرة الوكالة مرتبطة بمدّة نضج

الکمیالیة بحيث تكون الأجرة زائدة إن كانت المدّة

طویلة وتكون اقل إن كانت قصيرة۔

الثالث: ان لا یزاد فی اجرة الوكالة بسبب القرض الذی

اقرضه البنك فإنه یکون حينئذ قرضاً جراً منفعة۔

۱- قرض اور وکالہ کے دونوں عقد بالکل ایک دوسرے سے الگ الگ ہوں،

وکالہ عقد قرض کے لئے شرط نہ ہو، اور عقد قرض وکالہ کے لئے شرط نہ ہو۔

۲- وکالہ فیس (Maturity) کی مدت کے ساتھ مربوط نہ ہو کہ اگر مدت لمبی ہو، تو

اجرت زیادہ ہو، اور اگر مدت کم ہو، تو اجرت بھی کم ہو۔

۳- قرض کی وجہ سے وکالہ فیس میں اضافہ نہ ہو، ورنہ یہ "کل قرض جراً

منفعة" میں داخل ہو جائے گا، جو ناجائز ہے۔^(۱)

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب تحریر فرماتے ہیں:-

لیکن اس تجویز میں دو باتیں قابلِ غور ہیں۔ ایک یہ کہ عموماً وکالت کی اُجرت کو بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کیا جائے گا، بل کی رقم زیادہ ہو، تو اُجرت بھی زیادہ ہوگی، اور رقم کم ہو، تو اُجرت بھی کم ہوگی۔ دوسری بات یہ کہ اُجرت کو مدت کے ساتھ بھی مربوط کیا جائے گا، بل کی پختگی زیادہ مدت کے بعد ہونی ہو، تو اُجرت زیادہ ہوگی، اور پختگی کم مدت میں ہونی ہو، تو اُجرت کم ہوگی۔ اب یہاں یہ بات قابلِ غور ہے کہ اُجرت کو رقم کی تعداد اور مدتِ پختگی کے ساتھ مربوط کرنا درست ہے یا نہیں؟

اُجرت کو رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ دَلَالِی (سَمَرَة) کی اُجرت کو مالیت کے ساتھ وابستہ کرنے میں اختلاف ہے، لیکن علامہ شامی رحمہ اللہ نے جواز کو ترجیح دی ہے۔ یعنی دلال نے زیادہ مالیت کی چیز بیچی ہے تو زیادہ اُجرت لینا، اور کم مالیت کی چیز میں دلال بنا ہے، تو کم اُجرت لینا جائز ہے۔ اس کی جو وجہ علامہ شامی رحمہ اللہ نے لکھی ہے، اس کا حاصل یہ ہے کہ گو یہاں مالیت کم یا زیادہ ہونے کی صورت میں دلال کی محنت اور عمل برابر ہے، مگر اُجرت مقرر کرتے ہوئے صرف عمل اور محنت کو نہیں دیکھا جاتا، بلکہ اُجرت مقرر ہونے میں عمل کی قدر اور نوعیت کا بھی دخل ہوتا ہے، کم مالیت کی چیز کی دلالی کی قدر کم ہے، اور زیادہ

(۱) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشي، مکتبہ

دارالعلوم کراتشي، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔

مالیت کی چیز کی قدر زیادہ ہے، لہذا اس کی بنا پر اجرت میں بھی کمی بیشی ہو سکتی ہے۔ اس پر قیاس کرتے ہوئے وکالت کی اجرت کو مقدار رقم کے ساتھ وابستہ کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، مگر اجرت کو مدت اور زمانے کے ساتھ مربوط کرنے کا کوئی جواز سمجھ میں نہیں آتا۔ اس لئے کہ یہ عینہ والی شکل ہے کہ بلا سود قرض لے کر قرض کی مدت کے حساب سے وکالت کی اجرت وصول کر لی گئی یعنی جو سود قرض پر نہیں لیا جاسکا، وہ وکالت کی اجرت بردھا کر وصول کر لیا گیا^(۱)۔ حاصل یہ کہ وکالت فیس کو مذکورہ معاملے میں :-

۱- بل کی رقم کی تعداد کے ساتھ مربوط کرنے کی گنجائش ہے۔

۲- لیکن بل کی پختگی کی مدت کے ساتھ مربوط کرنا جائز نہیں۔

مالیاتی دستاویزات کی تطہیر (Endorsement) کی فقہی تکلیف

تطہیر کی دو قسمیں ہیں :-

تطہیر تملیکی، اور تطہیر توکیلی۔

پہلی قسم میں مظہر (Endorser) دستاویز کی قیمت کو مظہر الیہ (Beneficiary)

کو منتقل کرتا ہے، اب اگر مظہر مظہر الیہ کا دیون ہو، تو یہ حوالہ ہے، اور اگر ایسا نہ ہو، تو یہ توکیلی بالقبض ہے۔

دوسری قسم میں کلائنٹ تطہیر کے ذریعے ادارے سے دستاویز کی قیمت وصول

کرنا چاہتا ہے، یہ حوالہ نہیں، بلکہ یہ وکالت ہے، جو جائز ہے، خواہ اجرت کے ساتھ ہو، یا بدون

اجرت ہو۔

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۱۵۱۔

بنکی تحویلات (Remittances / Transfer of Money) کی

شرعی تکلیف

اگر کلائنٹ / بنک / ادارہ سے کہے کہ میرے کرنٹ اکاؤنٹ سے اسی کرنسی میں فلاں شخص کو رقم بھیج دے، تو یہ حوالہ ہے، اور اس پر ادارہ جو اجرت لیتا ہے، وہ جائز ہے، کیونکہ یہ پہنچانے کی اجرت ہے۔ بقیہ تفصیلات اس مسئلے کی گزشتہ ابواب میں ذکر ہو چکی ہیں^(۱)۔

پرومیسری نوٹ / اقرارنامہ (Promissory Note)

An unconditional promise in writing made by one person to another signed by the maker engaging to pay on demand or at a fixed or determinable future time, a sum certain in money to or to the order of a specified person, or to bearer.

اقرارنامہ ایک شخص کا اپنے دستخط کے ساتھ کسی دوسرے شخص کے نام ایک غیر مشروط تحریری وعدہ ہوتا ہے، جس میں اقرارنامہ تیار کرنے والا یہ وعدہ کرتا ہے کہ وہ اس میں تحریر کردہ رقم کو جب وہ طلب کی جائے یا مستقبل کی کسی مقررہ قابل تعین مدت پر اسے یا اس کے حکم کے مطابق کسی دوسرے شخص کو یا اس کے اقرارنامے کے حامل یا قابض شخص کو ادا کرے گا۔^(۲)

ایک اقرارنامے کی لازمی شرائط یہ ہوتی ہیں:-

۱- غیر مشروط۔

۲- تحریری۔

۳- ایک خاص رقم کی ادائیگی۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعايير الشرعية بالعربية، و Sharia Standards۔

(۲) تعارف ڈروبنکاری ص: ۲۵۸۔

شرعی نقطہ نظر سے

۴- ادائیگی کسی مذکورہ شخص کو یا اس کے حکم پر کسی اور شخص کو یا اس کے حامل یا

قابل کو۔

۵- ادائیگی مطالبے پر، یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر۔

۶- وعدہ کرنے والے کے دستخط۔

Promissory Note: a financial instrument containing an unconditional undertaking signed by the maker to pay on demand, or at a fixed or determinable time in future, a certain sum of money to the holder or to the bearer of the instrument, or to the order of a designated party.(1)

اس تعریف کا حاصل بھی وہی ہے جو اوپر مذکور ہوا۔

حکم شرعی

اس نوٹ پر قبضہ اس میں درج رقم پر قبضہ نہیں لہذا اس کے ساتھ ان معاملات میں تعامل درست نہیں، جن میں قبضہ شرط ہے، مثلاً بیع صرف میں، یا بیع سلم، یعنی صرف میں اس کو بدل صرف اور سلم میں اس کو راس المال بنانا جائز نہیں۔

اسی طرح اس کو فیس ویلیو سے زیادہ پر فروخت کرنا بھی جائز نہیں، وغیرہ۔^(۲)

بل آف ایکسچینج، چیک اور پرامیسری نوٹ کے آپس میں ایک

دوسرے کے ساتھ کچھ اہم فرق

چیک اور بل (Bill of Exchange) میں فرق

۱- مبادلاتی بل کسی بھی شخص کے نام جاری کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک صرف

(1) Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

(۲) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: المعاییر الشرعیة۔

متعلقہ بینک کے نام ہی جاری کیا جاسکتا ہے۔

۲- مبادلاتی بل جس کے نام جاری کیا جائے، اس کی طرف سے اس کی قبولیت

ضروری ہے، جبکہ چیک میں بینک کی طرف سے قبولیت ضروری نہیں۔

۳- مبادلاتی بل کی ادائیگی مطالبے یا مستقبل کی کسی قابل تعین تاریخ پر ہوتی

ہے، جبکہ چیک کی ادائیگی اس پر لکھی ہوئی تاریخ کے مطابق مطالبے پر ہوتی ہے۔

۴- مبادلاتی بل کو اس نہیں کیا جاسکتا ہے، جبکہ چیک کو اس کیا جاسکتا ہے۔

۵- مبادلاتی بل میں ڈسکاؤنٹ ہو سکتا ہے، جبکہ چیک میں کوئی ڈسکاؤنٹ نہیں

کیا جاسکتا۔

۶- مبادلاتی بل میں درج رقم قسطوں میں ادا کی جاسکتی ہے، جبکہ چیک میں

درج شدہ رقم کو قسطوں میں ادا نہیں کیا جاسکتا، وغیرہ۔

بل اور پرامیسری نوٹ میں فرق

۱- بل جب قبول کر لیا جاتا ہے، تو اس کے مرتب ایہ کی ذمہ داری ثانوی نوعیت

کی رہ جاتی ہے، جبکہ پرامیسری نوٹ تیار کرنے والا اوّل مقروض ہوتا ہے، اور وہی اس کو

قبول کرنے والے سے خط و کتابت کرتا ہے۔

۲- بل کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط حکم نامہ ہے، جبکہ نوٹ کسی

مخصوص رقم کی ادائیگی کا ایک غیر مشروط وعدہ ہے۔

۳- بل کے لئے قبولیت درکار ہوتی ہے، جبکہ نوٹ کے لئے قبولیت درکار نہیں

ہوتی، کیونکہ اقرار نامہ رقم ادا کرنے والا خط لکھ کر دیتا ہے۔

۴- غیر ملکی بل کے دو تین سیٹس میں بھی تیار ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامہ کسی سیٹ کی

صورت میں تیار نہیں ہوتا۔

۵- بل کو تیار کرنے والوں کی ذمہ داری مشترکہ ہوتی ہے، جبکہ اقرار نامہ تیار

کرنے والے مشتری کہ طور پر یہ اقرار نامے کے الفاظ کے مطابق مشتری کہ یا انفرادی طور پر رقم کی ادائیگی کے ذمہ دار ہوتے ہیں۔

۶۔ بل کا وسیع پیمانے پر عام لین دین ہوتا ہے، جبکہ اقرار نامے کا محدود طور پر

لین دین ہوتا ہے۔

۷۔ بل غیر ملکی بھی ہو سکتا ہے، جبکہ اقرار نامہ صرف ملکی ہی ہو سکتا ہے۔

پرائمیسری نوٹ اور چیک میں فرق

۱۔ پرائمیسری نوٹ کسی مخصوص رقم کی ادائیگی کے لئے غیر مشروط وعدہ ہوتا ہے،

جبکہ چیک بنک کے نام حکم نامہ ہوتا ہے۔

۲۔ نوٹ کے صرف دو فریق ہوتے ہیں، اقرار کرنے والا، اور رقم پانے والا،

جبکہ چیک میں تین فریق بھی ہو سکتے ہیں۔

۳۔ نوٹ میں ادائیگی کے لئے کوئی خاص مدت مقرر ہوتی ہے، جبکہ چیک ہمیشہ

عند الطلب واجب الاداء ہوتا ہے۔

۴۔ نوٹ کا استعمال محدود ہے، جبکہ چیک کا استعمال غیر محدود ہے۔

۵۔ نوٹ کی ادائیگی اسے بنانے والے شخص کو ہی کرنا ہوتی ہے، تاہم اسے

بنانے والے اگر مشتری کہ کاروبار سے وابستہ ہیں، تو ادائیگی ان کی مشتری کہ ذمہ داری ہوتی ہے،

جبکہ چیک کی ادائیگی صرف متعلقہ مخصوص بنک اور اس کی مخصوص شاخ سے ہی ہو سکتی ہے۔

کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

آج کل تین قسم کے کارڈ رائج ہیں، جن کے نام درج ذیل ہیں:-

۱۔ کریڈٹ کارڈ

۲۔ ڈیبٹ کارڈ

۳۔ چارج کارڈ

① کریڈٹ کارڈ (Credit Card)

اس کارڈ کے حامل کا ادارے میں کوئی اکاؤنٹ نہیں ہوتا، بلکہ وہ معاہدہ ہی اُدھار پر سودے کا کرتا ہے، اس معاہدے میں اگرچہ ادارہ ایک متعین مدت فراہم کرتا ہے کہ جس میں اگر حامل کارڈ ادائیگی کر دے، تو اس کو سود ادا نہیں کرنا پڑتا، لیکن اصلاً معاہدہ سود کی بنیاد ہی پر ہوتا ہے، اور اس کی ادائیگی کا وعدہ ہوتا ہے، اس کے علاوہ اس میں تجدید مدت (Rescheduling) کی سہولت بھی موجود ہوتی ہے، جس سے ادائیگی کی مدت بڑھ جاتی ہے، البتہ اس کے ساتھ ساتھ شرح سود میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے، اور بعض صورتوں میں اضافی رقم لی جاتی ہے۔

② ڈیبٹ کارڈ (Debit Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارے میں اکاؤنٹ موجود ہوتا ہے، جس ادارے کا اس نے کارڈ حاصل کیا ہے، حامل کارڈ یعنی کارڈ ہولڈر اس کارڈ کو جب بھی استعمال کرتا ہے، ادارہ اس کے اکاؤنٹ میں موجود رقم سے اس کی ادائیگی کر دیتا ہے، اس میں کارڈ ہولڈر کو اُدھار کی سہولت حاصل نہیں ہوتی ہے، بلکہ وہ صرف اس وقت تک کارڈ کو استعمال کر سکتا ہے، جب تک اس کے اکاؤنٹ میں رقم موجود رہتی ہے۔
ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

③ چارج کارڈ (Charge Card)

اس کارڈ کے حامل کا پہلے سے ادارے میں اکاؤنٹ نہیں ہوتا ہے، بلکہ ادارہ کارڈ ہولڈر کو اُدھار کی سہولت فراہم کرتا ہے، کارڈ ہولڈر کو ایک متعین ایام کی اُدھار کی سہولت میسر ہوتی ہے، جس میں اس کو ادارے کو ادائیگی کرنا ضروری ہوتا ہے، اگر اس مدت میں ادائیگی ہو جائے، تو سود نہیں لگتا، البتہ اگر حامل کارڈ نے وقت پر ادائیگی نہ کی، تو پھر اس کو سود کے ساتھ ادائیگی کرنا پڑتی ہے۔

ادارہ اس کارڈ کو جاری کرنے کی فیس وصول کرتا ہے۔

شرعی احکام

ڈیبٹ کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کو استعمال کرنا بلاشبہ جائز ہے، اور اس کے ذریعے خرید و فروخت کرنا درست ہے، کیونکہ اس میں نہ قرض کی صورت ہے، نہ سود کی، البتہ کارڈ ہولڈر کی یہ ذمہ داری ہوگی کہ وہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

چارج کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کو مندرجہ ذیل شرائط کے ساتھ استعمال کرنا جائز ہے:-

- ۱- حامل کارڈ اس بات کا پورا انتظام کرے کہ وہ معین مدت سے پہلے پہلے ادائیگی کر دے اور کسی بھی وقت سود عائد ہونے کا کوئی امکان باقی نہ رہے۔
- ۲- حامل کارڈ کی یہ ذمہ داری ہو کہ اس کارڈ کو غیر شرعی امور میں استعمال نہ کرے۔

- ۳- اگر ضرورت ڈیبٹ کارڈ سے پوری ہو رہی ہو، تو بہتر ہے کہ اس کارڈ کو استعمال نہ کرے۔

کریڈٹ کارڈ کا شرعی حکم

اس کارڈ کا استعمال جائز نہیں، الا یہ کہ ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ الگ سے مہیا نہ ہو، اور اس کو ڈیبٹ کارڈ یا چارج کارڈ کی طرح مذکورہ بالا شرائط کے ساتھ استعمال کیا جائے۔

ان تمام کارڈز کو کریڈٹ کارڈ کہا جاتا ہے، لیکن اصلاً کریڈٹ کارڈ وہی ہے جس کی تفصیل اوپر مذکور ہوئی، اور اس کا استعمال اصلاً جائز نہیں، البتہ کریڈٹ کارڈ کا اطلاق مذکورہ بالا دو قسموں پر کیا جائے، تو ان کا استعمال جائز ہے۔

اے ٹی ایم کارڈ (Automated Transfer Machine (ATM)

یہ رقم نکالنے کا کارڈ ہوتا ہے، اور آج کل بہت عام ہو چکا ہے، اس کے ذریعے
بنک سے رقم نکالی جاتی ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔

اس کارڈ کا شرعی حکم یہ ہے کہ اس کارڈ کو استعمال کرنے پر اگر متعین رقم مشین کے
استعمال کی اجرت کے طور پر ادارہ وصول کرے، جو مقدار رقم سے قطع نظر ہو، تو یہ جائز ہے،
لیکن اگر ادارہ رقم کو بنیاد بنا کر اس پر کچھ وصول کرے، تو یہ جائز نہیں بلکہ سود ہوگا، البتہ
ادارہ کارڈ جاری کرنے کی فیس وصول کر سکتا ہے۔

فی المعاییر الشرعية: بطاقة الحسم الفوری (Debit
Card) تصدر هذه البطاقة من المؤسسة لمن له رصيد في
حسابه، تخول هذه البطاقة لحاملها السحب او تسديد
اثمان السلع والخدمات بقدر رصيده المتاح، ويتم الحسم
منه فوراً، ولا تخوله الحصول على ائتمان، لا يتحمل
العميل رسوماً مقابل استخدامه هذه البطاقة غالباً إلا في
حال سحب العميل نقداً او شراء عملة اخرى عن طريق
مؤسسة اخرى غير المؤسسة المصدرة للبطاقة، تصدر هذه
البطاقة برسم او بدونه، تتقاضى بعض المؤسسات من
قابل البطاقة نسبة من اثمان المشتريات او الخدمات۔

بطاقة الائتمان والحسم الآجل (Charge Card): هذه
البطاقة اداة ائتمان في حدود سقف معين لفترة محددة
وهي اداة وفاء ايضاً، تستعمل هذه البطاقة في تسديد
اثمان السلع والخدمات وفي الحصول على النقد، لا يتيح

نظام هذه البطاقة تسهيلات ائتمانية متجددة لحاملها حيث يتعين عليه المبادرة بسداد ثمن مشترياته خلال الفترة المحددة عند تسلمه الكشوف المرسله إليه من المؤسسة، إذا تأخر حامل البطاقة في تسديد ما عليه بعد الفترة المسموح بها يترتب عليه فوائد ربوية اما المؤسسات فلا تترتب فوائد ربوية، لا تتقاضى المؤسسة المصدرة للبطاقة اية نسبة من حامل البطاقة على المشتريات والخدمات ولكنها تحصل على نسبة معينة (عمولة) من قابل البطاقة على مبيعاته أو خدماته التي تمت بالبطاقة- تلتزم المؤسسة في حدود سقف الائتمان (وبالزيادة الموافق عليها) للجهة القابلة للبطاقة بسداد ائمان السلع والخدمات وهذا الإلتزام بتسديد ائمان المبيعات والخدمات شخصي ومباشر بعيداً عن علاقة الجهة القابلة للبطاقة بحامل البطاقة، للمؤسسة المصدرة للبطاقة حق شخصي ومباشر قبل حامل البطاقة في استرداد ما دفعته عنه وحقها في ذلك حق مجرد ومستقل عن العلاقة الناشئة بين حامل البطاقة والجهة القابلة لها بموجب العقد المبرم بينهما-

بطاقة الائتمان المتجدد (Credit Card): هذه البطاقة اداة ائتمان في حدود سقف متجدد على فترات يحددها مصدر البطاقة وهي اداة وفاء أيضاً، يستطيع حاملها تسديد ائتمان السلع والخدمات والسحب نقداً في حدود

سقف الائتمان الممنوع، فی حالة الشراء للسلع أو الحصول على الخدمات یمنح حاملها فترة سماح یسدّد خلالها المستحق علیه بدون فوائد، كما تسمح له تأجيل السداد خلال فترة محددة مع ترتب فوائد علیه، اما فی حالة السحب النقدي فلا یمنح حاملها فترة سماح، ینطبق علی هذه البطاقة ما جاء فی البند ۲/۲ هـ، و، ز۔

الحکم الشرعی لأنواع البطاقات: بطاقة الحسم الفوری: یجوز للمؤسسات إصدار بطاقة الحسم الفوری ما دام حاملها یسحب من رصيده ولا یترتب علی التعامل بها فائدة ربویة۔ بطاقة الائتمان والحسم الآجل: یجوز إصدارها بالشروط الآتية:

الا یشرط علی حامل البطاقة فوائد ربویة فی حال تأخره عن سداد المبالغ المستحقة علیه۔

فی حالة الزام المؤسسة حامل البطاقة بإيداع مبلغ نقدي ضماناً لا یمکن لحامل البطاقة التصرف فيه یجب النص علی أنها تستثمره لصالحه علی وجه المضاربة مع اقتسام الربح بینة وبين المؤسسة بحسب النسبة المحددة۔

ان لا یشرط المؤسسة علی حامل البطاقة عدم التعامل بها فیما حرّمته الشریعة وانه یحق للمؤسسة سحب البطاقة فی تلك الحالة۔

بطاقة الائتمان المتجدد: لا یجوز للمؤسسات إصدار بطاقات الائتمان ذات الدين المتجدد الذی یسدده

حامل البطاقة على اقساط آجلة بفوائد ربوية۔^(۱)

بنک ڈرافٹ (Bank Draft)

A bill of exchange payable on demand, usually drawn by one bank on another or by on branch on another, a popular means of transfer of funds.

یہ ایک بل ہے جو طلب کرنے پر واجب الاداء ہوتا ہے، جو بالعموم ایک بینک سے دوسرے بینک کو یا ایک شاخ سے دوسری شاخ کو واجب الاداء ہوتی ہے، یہ رقوم منتقل کرنے کا ایک مقبول عام طریقہ ہے۔^(۲)

آگروال بینک ڈرافٹ کی یوں تعریف کر رہے ہیں:-

A bank draft is a cheque drawn by one bank upon another bank or its own branch situated at a different place, requiring it to pay a certain sum of money to a specified person or to his order to the bearer. A bank draft may be inland or foreign. Usually persons who have to make payment to distant creditors go to their bank to obtain a bank draft. They have to deposit with the bankers the amount to be remitted a small commissions. Draft is then issued which is sent to the creditor concerned who gets it encashed.

اس تعریف کا حاصل بھی تقریباً وہی ہے، جو اوپر مذکور ہوا، البتہ اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ بینک ڈرافٹ اندرون ملک بھی ہو سکتا ہے، اور بیرون ملک بھی ہو سکتا ہے، اور

(۱) المعايير الشرعية، هيئة المحاسبة والمراجعة للمؤسسات المالية الإسلامية ۱۴۲۲ھ
مذکورہ تفصیل اگر انگریزی میں جانتا ہے، تو اس کے لئے Sharia Standards کا مطالعہ فرمائیں، جو
بہت مفید ہے۔

(۲) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers.

اس پر کمیشن بھی وصول کیا جاتا ہے۔^(۱)

پے آرڈر (Pay Order)

It is a cheque like instruments issued by bank on the request of its customers or in payment of its own expenses or dues, drawn on itself, to pay a specified sum of money to the order of specified person. Payment orders are usually issued by the banks on receipt of full amounts involved, which means that it would not be returned unpaid due to lack of funds, it is also called Bankers Cheques or Cashiers Cheques.

یہ چیک کی طرح آلہ ہے جو بینک سے اس کے گاہکوں کی درخواست پر یا اس کے اپنے اخراجات یا بقایا جات کے لئے خود اس پر جاری کئے جائیں، تاکہ ایک معینہ رقم مذکورہ شخص کو ادا کی جائے، ادائیگی کے احکامات عام طور پر بینکوں کی جانب سے پوری متعلقہ رقم وصول ہو جانے کے بعد ہی جاری کئے جاتے ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ فنڈ کی کمی کے عذر پر بغیر ادا کئے واپس نہ کر دیئے جائیں، انہیں بینکاروں کے چیک یا کیشرز چیک بھی کہا جاتا ہے۔^(۲)

بنک ڈرافٹ اور پے آرڈر میں شرعی نقطہ نظر سے کوئی خاص پیچیدگی نہیں، البتہ بینک ان دونوں پر حق الخدمت وصول کرتا ہے، جو شرعاً جائز ہے۔

بانڈ (Bond)

Bond is an interest bearing government or corporate security, obligating the bond issuer under an agreement called bond indenture to pay

(1) Intrudaction to Economic Principles. Dr. A.N. Agarwal. p:352.

(2) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

the bond holder a principal amount on the date of maturity and periodic payment of interest over the life of the bond, bonds are long term debt instrument and are a preferred mode of raising long term funds without selling shares, bond enables the bond issuer to convert non liquid or less liquid assets into marketable instruments, the market value, or the price of the bond in the market differs from the face value or par value of the bond at the maturity by a discount factor based primarily on the current interest rate and the bond rating generally, if interest rate rises bond price fall and vice versa.

بانڈ، یہ حکومت یا کسی مشترکہ کمپنی کا ایک سودی تمسک ہے، جو بانڈ کے اجراء کرنے والے کو اس معاہدے کے تحت، جسے بانڈ کا اقرار نامہ کہا جاتا ہے، پابند کرتا ہے کہ وہ حامل بانڈ چھٹگی کی تاریخ پر اس کی اصل رقم واپس کرے، اور بانڈ کی زندگی تک عرصہ دار سود کی ادائیگی کرے۔ بانڈ قرض حاصل کرنے کا طویل مدتی آلہ ہے، اور حصص کو فروخت کئے بغیر طویل مدتی فنڈ حاصل کرنے کا ایک ترجیحی طریقہ ہے، یہ غیر سیال یا کم سیال اثاثوں کو قابل فروخت آلات میں تبدیل کرنے کا ایک ذریعہ بھی ہے، بازار کی مالیت یا بازار میں قیمت میچورٹی کے لحاظ سے اس کی فیس ویلیو سے مختلف ہوتی ہے، اس کی وجہ یہ وہ عنصر ہے جو خاص طور پر سود کی موجودہ شرح اور بانڈ کی درجہ بندی پر مبنی ہوتا ہے، عام طور پر اگر سود بڑھ جائے، تو بانڈ کی قیمتیں گرنے لگتی ہیں، یا دوسری صورت اس کے برعکس ہوتی ہے۔^(۱)

(1) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب بانڈ کی تعریف اور حقیقت یوں بیان فرماتے ہیں:-

السند (Bond) فی الاصطلاح المعاصر وثيقة يصدرها المديون لمقرضه إعتراضاً منه بأنه استقرض من حاملها مبلغاً معلوماً يتلزم بأداءه في وقت معلوم وإن هذه السندات تصدرها عادة لعرضها على الجمهور ليحصلوا عليها بأداء المبلغ المكتوب على وجهها حتى يصيروا مقرضين ذلك المبلغ لمصدر السند وان هذه السندات ربما تصدرها الشركات المساهمة التجارية أو الصناعية حينما تحتاج إلى اقتراض مبالغ كبيرة من المال لإنجاز مشاريعها ولا تجد أفراداً أو مؤسسات تقرضها الأموال بالحجم المطلوب، فتعرض هذه السندات على الجمهور وربما تصدر هذه السندات من قبل الحكومات التي تريد ان تمول عجز ميزانيتها فتتقرض من الجمهور وان هذه السندات سواء اصدرتها الشركات او اصدرتها الحكومة إنما تلتزم بأداء فوائد ربوية إلى من يحملها فالسند الذي قيمته الاسمية مائة روبية مثلاً تستحق ان يدفع لحاملها مائة وخمس عشرة بعد سنة، ويحق له ان يبيع هذا السند في السوق وإنها تباع وتشتري بثمان يتراضى عليه الفريقان فمن حصل على هذا السند بمائة فإنه يبيعه إلى آخر بمائة وخمسة ويشتره ذلك الآخر بهذا الثمن لأنه يرجو ان يحصل على مائة وخمس عشرة روبية في نهاية المدّة۔

وہناك سندات أُخرى تصدر من قبل الحكومة وتعرض عادة على البنوك والمؤسسات المالية الأخرى، وتسمى سندات الخزينة ومقصود هذه السندات نفس المقصد الذي من أجله تصدر السندات الحكومية الأخرى، غير أن هذه السندات تعرض على البنوك لتشتريها على أساس المزايدة، فالسند الذي قيمته الف روبية مثلاً يتضمن التزام الحكومة بأداء الف روبية إلى حامله عند حلول أجله فتجری في شراء المزايدة فيما بين البنوك وتأتي العروض من قبلها إلى البنك المركزي فتباع هذه السندات إلى من عرضه أكثر، ومعنى بيع هذه السندات أن مشتريها اقترض مبلغ الثمن إلى الحكومة واستحق من خلال هذا الإقراض أن يحصل على قيمة السند الإسمية عند حلول الأجل^(۱)۔

اس عبارت کا حاصل یہ ہے کہ:-

- ۱- بانڈ آج کل کی اصطلاح میں اس سند کو کہتے ہیں، جس کو مقروض جاری کرتا ہے اس اعتراض میں کہ اس نے اس کے حامل سے متعین رقم بطور قرض لی ہے۔
- ۲- یہ بانڈز عام طور پر عوام پر پیش کئے جاتے ہیں، تاکہ عوام ان کو خریدیں اس قیمت پر جو ان پر لکھی ہوئی ہے، تو گویا کہ انہوں نے یہ قیمت جاری کنندہ کو قرض کے طور پر دی۔
- ۳- یہ بانڈز بسا اوقات کمپنیوں کی طرف سے جاری ہوتے ہیں، جن کو بڑی

(۱) بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثمانی، (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۴۲۶ھ۔

رقوم کی ضرورت ہوتی ہے۔

۴۔ بعض اوقات حکومت بھی ان بانڈز کو اپنے بجٹ کے خسارے کو پورا کرنے کے لئے جاری کرتی ہیں۔

۵۔ بانڈز خواہ کمپنی جاری کرے یا حکومت جاری کرے، ان پر حاملین کو سود دیا جاتا ہے۔

۶۔ بانڈز قابل تبادلہ آلہ ہے، مارکیٹ میں اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے کی بیشی کے ساتھ۔

۷۔ حکومت ایک خاص قسم کے بانڈز بھی جاری کرتی ہے، جن کو سندرات الخزینہ (Treasury Bills) کہتے ہیں، یہ بانڈز بنکوں اور دیگر مالیاتی اداروں پر پیش کئے جاتے ہیں، ان کا مقصد بھی وہی ہوتا ہے جو عام بانڈز کا ہوتا ہے، البتہ یہ بنکوں پر پیش کئے جاتے ہیں، اور پھر بنک آپس میں ان کا لین دین کرتے ہیں۔

کمپنیوں کے بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات کمپنیاں جاری کرتی ہیں، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کمپنیوں کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو ان کو منصوبوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول کرتی ہیں۔

کمپنیاں جو بانڈز جاری کرتی ہیں، ان کی بہت ساری قسمیں ہیں، یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ تفصیل کے لئے درج ذیل کتابیں ملاحظہ ہوں:-

المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامی: ڈاکٹر محمد عثمان شہیر

احکام الأسواق المالية: الدكتور صبري بارون

گلو سری: اسٹیٹ بنک آف پاکستان

قابل تحویل بانڈز (Bonds Convertible into Shares)

بانڈز کی دو قسمیں ہیں:-

۱. غیر قابل تحویل بانڈز (Non.Convertible into Shares) اور

۲. قابل تحویل بانڈز۔

اصل یہ ہے کہ بانڈز قابل تحویل نہ ہوں، لیکن بعض اوقات بانڈز قابل تحویل بھی ہوتے ہیں، جن کے بارے میں باقاعدہ جاری کرنے کے عقد میں تصریح کی جاتی ہے کہ ان کے حامل کو یہ حق حاصل ہے کہ اتنی مدت کے اندر اندر وہ ان بانڈز کو عام حصص یا حصص ممتاز میں تبدیل کرے، اسی طرح یہ بانڈز دوسری مالی دستاویزات میں بھی تبدیل ہو سکتے ہیں۔ قابل تحویل بانڈز کے بارے میں گلوبل اسٹیٹ بینک آف پاکستان میں بہت

اچھی بحث ہے، جو درج ذیل ہے:- www.KitaboSunnat.com

A bond that can be converted into a common stock at a conversion ratio specified at the time of bond issue, it has all the factors of a regular bond, namely the par value, the coupon rate, maturity period the interest payment period, but additionally, the bond issuer pays dividend and offers the option to the investor to convert the bond into a number of common stocks as per conversion ratio of the conversion price of the stock, as a result the market price of the bond is affected both by the interest rate movements as well as stock market movements, the cost of conversion option is usually gauged by the premium paid for the bond in the secondary market trading, convertible bonds proved a potential gain to the investor if the bond price goes up, while at the same time offer an attractive bond yield, specially for corporate bond whose price is likely to materially increase over the maturity period, the market value of the option attached to

convertible bond is zero or insignificant at the time bond starts selling initially in the secondary market, but the value of the option increases as the bond price climbs up, it is also possible that bond price may fall instead of rising with disastrous consequences for the option holder, therefore convertible bond can also be risky in addition to being potentially rewarding.

یہ وہ بانڈز ہیں جنہیں عام حصص میں تبدیل کیا جاسکے، اور تبدیل کے اس تناسب سے جس کی صراحت بانڈ کے اجراء کے وقت کی گئی ہو، اس میں وہ تمام فیچرز ہوتے ہیں، جو کسی باضابطہ بانڈز میں ملتے ہیں، جیسے مساوی مالیت، کوپن شرح، مچرٹی، عرصہ دار اور سودی ادائیگی، لیکن اس کے علاوہ بانڈ کا جاری کنندہ نفع ادا کرتا ہے، اور سرمایہ کار کو اختیار دیتا ہے کہ وہ بانڈ کو عام حصص کی ایک تعداد میں تبدیلی کے تناسب سے یا تبدیلی کی قیمت پر بدلوا سکتے ہیں، اس وجہ سے قابل تحویل بانڈ کی بازاری قیمت شرح سود کے علاوہ اسٹاک مارکیٹ کے اتار چڑھاؤ سے بھی متاثر ہوتی ہے، تبدیل کے اس اختیار کی لاگت کا اندازہ اس پر یکم سے کیا جاسکتا ہے جو کہ بانڈ کی ثانوی بازار میں اجرت پر دینا پڑے، قابل تحویل اس کے سرمایہ کار کو ایک احتمالی نفع پہنچاتے ہیں، اگر اس کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بانڈ کی مچرٹی میں اضافہ ہوا، اور ساتھ ہی ساتھ ایک پُرکشش بانڈ کا نفع بھی، خاص طور پر ان کارپوریشنوں کے ضمن میں جن کے اسٹاک مارکیٹ کی قیمت میں خاطر خواہ اضافے کا امکان ہو، کسی قابل تحویل بانڈ سے منسلک اس آپشن کی بازاری قیمت یا تو صفر ہوتی ہے، یا برائے نام، اس کی ثانوی بازار میں تجارت شروع ہوتے وقت آپشن کی مالیت

میں اس کی اسٹاک مارکیٹ کی قیمت بڑھنے پر اضافہ ہونا شروع ہو جاتے ہیں، لیکن یہ بھی ممکن ہے کہ اسٹاک مارکیٹ کی قیمت کے بجائے اضافے کے کمی ہو، جس کے بانڈ کی مالیت پر تباہ کن اثرات بھی ہو سکتے ہیں، اس لئے قابل تحویل بانڈ احتمالی طور پر خطر بھی ہو سکتا ہے، یا نفع بخش بھی ہو سکتا ہے۔^(۱)

سرکاری بانڈز

بانڈ کی تعریف اور حقیقت میں یہ بات ابھی مذکور ہوئی ہے کہ بانڈز کو بعض اوقات حکومت جاری کرتی ہے، جن کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ حکومت کے پاس سیال اثاثہ کم ہوتا ہے، تو اس کو بجٹ کے خسارے کے لئے رقم کی ضرورت ہوتی ہے، اور ویسے کوئی ان کو قرض یا رقم دیتا نہیں، تو وہ یہ بانڈز جاری کر کے ان کے ذریعے عوام سے قرض وصول کرتی ہے۔

سرکاری بانڈز بھی تقریباً کمپنیوں یا سادہ بانڈز کی طرح ہوتے ہیں، اور ان کے وہی فیچر ہوتے ہیں، جو عام بانڈز کے ہوتے ہیں، البتہ یہ کہ سرکاری بانڈز دوسرے بانڈز کے مقابلے میں زیادہ قابل اعتماد ہوتے ہیں، اور ان میں رسک نسبتاً کم ہوتا ہے۔

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں

سرکاری بانڈز کی نمایاں قسمیں درج ذیل ہیں:-

۱- سندرات الخزینہ (Treasury Bills)

۲- شہادات الخزانہ (Treasury Certificates)

۳- سندرات البلدیہ (Municipal Bonds)

(۱) Glossary; Banking and finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

بانڈز کا حکم شرعی

بانڈز کی اور بھی بہت ساری قسمیں ہیں، جن سے یہاں بحث کرنا مقصود نہیں، گزشتہ صفحات میں ہم نے جن کتابوں کا ذکر کیا ہے، تفصیل کے لئے ان کتابوں کا مطالعہ فرمائیں، تاہم بانڈ خواہ کسی بھی قسم کا ہو، یہ سودی ہوتا ہے، اور اس کا لینا قیمتِ اسمیہ کے علاوہ کئی بیشی کے ساتھ ناجائز ہے، نیز اس پر انعام کے نام سے جو اضافی رقم ملتی ہے، وہ بھی سود ہے، اور ناجائز ہے، جسے حاصل کرنا جائز نہیں۔ یہی جمہور علمائے اُمت کا موقف ہے، اور یہی دُرسرست موقف ہے، مجمع الفقہ الاسلام جده کی قرارداد اور دیگر بعض عبارات ذیل میں ملاحظہ ہوں:-

مجمع الفقہ الاسلامی جده کی قرارداد

ان مجلس مجمع الفقہ الاسلامی المنعقد فی دورۃ مؤتمر السادس بجدة فی المملكة العربية السعودية من ۱۷ إلى ۲۳ شعبان ۱۴۱۰ھ الموافق ۱۳-۲۰ آذار (مارس) ۱۹۹۰م۔

بعد اطلاعه علی الابحاث والتوصيات والنتائج المقدمة فی ندوة الأسواق المالية المنعقدة فی الرباط ۲۰-۲۳ ربيع الثاني ۱۴۱۰ھ، ۲۰-۲۳/۱۰/۱۹۸۹م بالتعاون بين هذا المجمع والمعهد الإسلامي للبحوث والتدريب بالبنك الإسلامي للتنمية وباستضافة وزارة الأوقاف والشؤون الإسلامية بالمملكة الغربية۔

وبعد الاطلاع علی ان السند شهادة يلتزم المصدر بموجبها ان يدفع لحاملها القيمة الاسمية عند الاستحقاق

مع دفع فائده متفق علیها منسوبة إلى القيمة الإسمية للسند
أو ترتيب نفع مشروط سواء كان جوائز توزع بالقرعة أم
مبلغاً مقطوعاً أم خصماً قرر:-

۱- ان السندات التي تمثل التزاما بدفع مبلغها مع فائدة
منسوبة إليه أو نفع مشروط محرمة شرعاً من حيث
الإصدار والشراء والتداول لأنها قروض ربوية سواء كانت
الجهة المصدرة لها خاصة أو عامة ترتبط بالدولة ولا اثر
تسميتها شهادات أو صكوكا استثمارية أو ادخارية أو تسمية
الفائدة الربوية الملتزم بها ربحاً او ربعا او عمولة او
عائدا-

۲- كما تحرم ايضاً السندات ذات الجوائز باعتبارها
قروضاً اشترط فيها نفع أو زيادة بالنسبة لمجموع
المقرضين أو لبعضهم لا على التعيين فضلاً عن شبهة
القمار-

مجمع الفقه الإسلامي جدة (اسلامک فقہ اکیڈمک جده) کی اس قرارداد کا
حاصل یہ ہے کہ بانڈز خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، وہ چونکہ سودی قرضوں کی نمائندگی کرتے
ہیں، اس لئے ان کے ساتھ لین دین کرنا، یا ان پر انعام حاصل کرنا بالکل حرام ہے، نیز ان
میں بعض صورتوں میں شہ قمار بھی ہے۔^(۱)

ذهب غالبية العلماء المعاصرين إلى عدم جواز تعامل
بالسندات وشهادات الإستثمار دون تفریق بين أنواعها

(۱) مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص: ۱۷۵

ومن هؤلاء الشيخ الشلتوت، والدكتور عبدالعزيز الخياط
والدكتور على السالوس والدكتور صالح المرزوقي.....
والدكتور يوسف القرضاوى، لأن السند قرض على
الشركة والمؤسسة التي اصدرته لأجل فائدة مشروطة
وثابتة فهو من ربا النسيئة الذي نزل بحرمة القرآن
الكریم... الخ۔

اکثر علمائے معاصرین کا موقف یہ ہے کہ بانڈز اور سرٹیفکیٹ کے
ساتھ لین دین ناجائز ہے، خواہ کسی بھی قسم کے ہوں، ان میں سے شیخ
شلتوت، ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ، ڈاکٹر یوسف قرضاوی، ڈاکٹر
عبدالعزیز الخياط، ڈاکٹر علی السالوس، ڈاکٹر صالح المرزوقی بھی ہیں،
کیونکہ بانڈ کمپنی یا ادارے کے ذمہ قرض ہے جس نے اس کو جاری کیا
ہے، اور اس پر مشروط نفع ملتا ہے، لہذا یہ ربا النسیئہ میں سے ہے،
جس کو قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔^(۱)

ان هذه السندات كلها ربوية من اصلها حيث أن المقرض
يلتزم فيها بإداء مبلغ القرض وزيادة فلا يخفى حرمة
تداولها لأنها تؤدي إلى تعامل ربوي حرام.... الخ۔
یہ سارے بانڈز اصلاً سودی ہیں، کیونکہ ان میں مقرض یہ التزام کرتا
ہے کہ وہ بانڈ کی رقم اور کچھ اضافہ دے گا، اور اس لین دین کا حرام
ہونا ظاہر ہے، کیونکہ یہ ربوی معاملہ ہے۔^(۲)

(۱) المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، (شبير) محمد عثمانی شبیر، اردن،
دار النفائس، طبع ثالث ۱۳۱۹ھ۔

(۲) بحوث في قضايا فقهية معاصرة، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشی، مکتبہ
دارالعلوم کراتشی، طبع جدید ۱۳۲۶ھ۔

سریٹیلیٹس

ان سندات القروض صکوک تمثیل قروضاً تحصل علیہا
الشركة من عامة الناس علی أساس الفائدة الربویة
المحددة وتكون هذه الصکوک فی التعامل المعاصر قابلة
للتداول وغير قابلة للتجزئة۔

وإنما تضطر الشركات فی بعض الأحيان إلى اصدار هذه
السندات لأنها قد تحتاج فی اثناء مزوالة اعمالها إلى مبالغ
اکثر مما حصلت علیہ عن طریق اصدار الأسهم لتزید
من قدراتها علی انجاز مشاريعها والتوسع فیها او لتواجه
ازمة مالية طرأت علیها ولا ترغب الشركة فی عرض
اکتتاب بالأسهم الجديدة علی الجمهور لئلا تتضائل
انصبة الشركاء فتضطر إلى أن تقترض هذه المبالغ ممن
يمكن الاقتراض منه۔

وفی جانب آخر تكون عند الناس مبالغ افروزوها من
حاجاتهم اليومية ورصدها لحاجاتهم المتوقعة فی
المستقبل وان هذه المبالغ فی بیوت اصحابها أو فی
حسابهم الجاری فی البنوک فلا يمكن ان تستغل هذه
المبالغ لصالح الوطنی الابان تدفع المنتجین أو التجار
قرضاً فیستعملونها فی اعمالهم الإنتاجية أو التجارية فجاءت
فكرة إصدار سندات الخ۔

قرضوں کے سریٹیلیٹس ایسے صکوک ہیں، جو قرضوں کی نمائندگی
کرتے ہیں، جن کو کمپنیاں عام لوگوں سے ایک متعین سووی فائدے

کی بنیاد پر حاصل کرتی ہے، یہ سکوک آج کے لین دین میں قابلِ تداول ہیں، یعنی قابلِ خرید و فروخت ہیں، اور قابلِ تجزی نہیں ہیں۔ بعض اوقات کمپنیاں مجبور ہو جاتی ہیں کہ یہ سکوک جاری کریں، کیونکہ اپنے منصوبوں کی تکمیل کی انجام دہی کے سلسلے میں ان کو فنڈ کی ضرورت ہوتی ہے، حصص سے جو فنڈ حاصل ہوتا ہے، وہ ناکافی ہوتا ہے، یا بعض اوقات مالی بحران سے یہ کمپنیاں دوچار ہو جاتی ہیں، اور یہ نہیں چاہتیں کہ مزید حصص کی پیش کش کریں، کیونکہ اس سے شیئرز ہولڈرز کے حصص کم ہو جائیں گے، تو وہ یہ طریقہ اختیار کرتی ہیں۔

دوسری طرف اکثر لوگوں کے پاس بچتیں ہوتی ہیں، یہ بچتیں یا ان کے گھروں میں رکھی ہوئی ہوتی ہیں، یا پھر کرنٹ اکاؤنٹ میں ہوتی ہیں، لہذا ان سے ان کو کچھ نفع نہیں ملتا، البتہ نفع کی صورت یہ ہے کہ وہ یہ بچتیں تاجروں کو یا صنعت کاروں کو دے دیں، اس طریقے سے ان کو بھی نفع حاصل ہو جائے گا، اور تاجروں اور صنعت کاروں کو بھی فائدہ ہوگا، یہیں سے ان سرٹیفکیٹس کا تصور اجاگر ہو گیا۔

اس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ سرٹیفکیٹس بھی بانڈز کی طرح سودی سکوک ہیں، اور ان کے ذریعے عام لوگوں سے سودی قرضہ وصول کیا جاتا ہے، جس میں کمپنیوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو ان کے ذریعے سودی قرضہ مل جاتا ہے، اور لوگوں کا بھی فائدہ ہے کہ ان کو اپنی بچتوں پر کچھ نفع مل جاتا ہے۔

اسی لئے مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب ان سکوک کے حکم کے اور ان کے شرعی متبادل کے بارے میں فرماتے ہیں:-

ولکن هذا الطريق مبنی علی اساس القرض الربوی
الذی لا تبيحه الشريعة الإسلامية في حال من الأحوال

ومن هنا اراد بعض المسلمين في البلاد الإسلامية أن
يأتوا ببديل لهذه السندات في شكل سندات المقارضة
(مضاربة) الخ۔

لیکن یہ طریقہ اس سودی قرض پر مبنی ہے، جس کو شریعت جائز قرار
نہیں دیتی کسی بھی حال میں، اس لئے بعض مسلمانوں نے بعض بلاد
اسلامیہ میں ان صکوک کے شرعی متبادل کے طور پر ”سندات
المقارضة“ یعنی مضاربہ سٹیٹیکٹس نکالے۔^(۱)

چنانچہ بانڈز اور سٹیٹیکٹس کا شرعی متبادل یہی صکوک مشارکہ اور صکوک مضاربہ
ہیں، یعنی مشارکہ سٹیٹیکٹس اور مضاربہ سٹیٹیکٹس، جو ان سٹیٹیکٹس کو خریدے گا، گویا کہ وہ
حکومت یا کمپنی کے ساتھ شریک ہوگا، یا رت المال ہوگا، یعنی یہاں مشارکہ اور مضاربہ کے
احکام جاری ہوں گے، اور نفع شرعی اصولوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔

ان صکوک پر مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی الدورة الرابعة، العدد الرابع، الجزء الثالث
میں سیر حاصل بحث کی گئی ہے، اور متعدد تبحر علمائے کرام نے اس موضوع پر اپنے اپنے
مقالے پیش کئے ہیں، نیز مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور عربی تصنیف
”بحوث“ میں بھی اس پر بقدر ضرورت گفتگو فرمائی ہے، جس کا حوالہ اس باب میں جگہ جگہ
حاشیہ میں دیا گیا ہے۔

گورنمنٹ سیکورٹی سٹیٹیکٹس

ان کو سرکاری تمسکات بھی کہتے ہیں، ان سرکاری تمسکات کے بارے میں مفتی
محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-

سرکاری تمسکات ان دستاویزات کو کہتے ہیں، جو حکومت وقتاً فوقتاً

(۱) مجلة مجمع الفقہ الاسلامی، الدورة الرابعة، العدد الرابع، الجزء الثالث، مقالة: الشیخ

المفتی محمد عثمانی ص: ۱۸۵۳۔

عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، جب حکومت کے ذرائع آمدنی (ٹیکس وغیرہ) بجٹ کے لئے ناکافی ہوں، تو حکومت یہ مالیاتی دستاویز عوام سے قرض لینے کے لئے جاری کرتی ہے، مثلاً:

۱- انعامی بانڈ:- جس میں ہر بانڈ پر تو نفع نہیں ملتا، تمام بانڈز سے حاصل ہونے والی رقم پر مجموعی طور پر نفع ہوتا ہے، جو قرعہ اندازی سے تقسیم ہوتا ہے۔

۲- ڈیفنس سیونگ سرٹیفکیٹس

۳- خاص ڈپازٹ سرٹیفکیٹس

۴- فارن آپکینج بیئرر سرٹیفکیٹس:- پہلے عوام کو اپنے پاس فارن آپکینج (بیرونی کرنسی) رکھنے کی اجازت نہیں تھی، جس کا نتیجہ یہ تھا کہ جب کسی کو فارن آپکینج کی ضرورت پیش آتی تو اس میں بہت سی قانونی مشکلات ہوتی تھیں، اس صورت حال کا ایک نقصان یہ تھا کہ لوگ غیر قانونی ذرائع سے فارن آپکینج حاصل کرتے اور اپنے پاس رکھتے، دوسرا نقصان یہ تھا کہ لوگ باہر سے فارن آپکینج مثلاً ڈالر لاتے تو حکومت کو نہیں دیتے تھے، جبکہ حکومت کو اس کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا اس کو قانونی شکل دے کر لوگوں سے فارن آپکینج بطور قرض لینے کے لئے جو دستاویز حکومت نے جاری کی، اس کو فارن آپکینج بیئرر سرٹیفکیٹس (F.E.B.C) کہتے ہیں، اس کی شکل یہ ہے کہ حکومت ڈالر اس وقت کی قیمت کے مطابق پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹس جاری کر دیتی ہے، مثلاً اس ڈالر کی قیمت ۲۵ روپے ہے اور باہر سے آنے والا سو ڈالر لے کر آیا، تو حکومت اس سے سو ڈالر لے کر اس کو دو ہزار پانچ سو پاکستانی روپے کا سرٹیفکیٹ جاری کرے

گی، جس کا مطلب یہ ہوگا کہ حکومت حامل سرٹیفکیٹ کے لئے پاکستانی ڈھائی ہزار روپے کی مقروض ہے۔

ایف ای بی سی پر سالانہ ۱۲ فیصد اضافہ ملتا ہے، اور اس کو حامل جب چاہے یہ سرٹیفکیٹ پیش کر کے دوبارہ ڈالر لے سکتا ہے، اور حامل اس سرٹیفکیٹ کو بیچ بھی سکتا ہے۔

یہ تمام سرکاری تمسکات ہیں، ان میں اصل معاملہ تو حکومت اور قرض دہندہ کے درمیان ہوتا ہے، لیکن عوام کی سہولت کے لئے ان کے بیچنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے، فنانشل مارکیٹ میں ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے، حامل دستاویز جب اس کی بیچ کرے گا، تو اب دائن نہیں رہے گا، اس کا معاملہ حکومت سے ختم ہو جائے گا اور اب خریدار دائن ہوگا، اور حکومت کا معاملہ خریدار سے وابستہ ہو جائے گا۔^(۱)

موسوعہ میں ہے:-

فی المعنی العام هی مستندات تثبت ملکية معينة أو حقا فی دخل معین تودع لدى بنك كضمانة للحصول علی قرض أوراق مالبة تعطى حاملها الحق فی دخل معین ویجرى فیها التعامل فی سوق الأوراق المالية (البورصة) وفى السوق الثانوية واهم صفة لهذه الأوراق هی انما قابلة للتبادل التجارى وهی اما سندات ذات فوائد ثابتة أو السهم ممتازة تتضمن الأوراق المالية التى تصدرها الحكومة المركزية والحکومات المحلية الأوراق التى

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۷۷۔

یكون عائدها متغيرا مثل الأسهم العادية۔^(۱)

Government Securities, which are usually bonds that pay a fixed amount of interest each year gave unlike most commercial securities a guaranteed safety factor concerning their ultimate repayment. These securities are traded in the Market, and their prices fluctuate in value, depending on trends and condition of the economy.⁽²⁾

شیرز سرٹیفکیٹ

الصك الذي يعطى للمساهم اثباتا لحقه۔

وہ رسید جو شیر ہولڈر کو دی جاتی ہے، جو اس بات کی دلیل ہوتی ہے کہ کمپنی میں اس کا حق اور حصہ ہے۔

الصك والوثيقة المثبتة الذي يعطى للمساهم اثباتا لحقه لأن السهم يعطى للمساهم حقوقا تجاه الشركة كما يترتب عليه التزامات نحوها۔

وہ رسید ہوتی ہے جو شیر ہولڈر کا حق ثابت کرتی ہے، کیونکہ شیر، شیر ہولڈر کو کمپنی میں کچھ حقوق اور کچھ واجبات دیتا ہے۔^(۳)

السهم هو الصك الذي تصدره الشركة ويمثل حق المساهم فيها ويتمتع حامله بالحق في الحصول على عائد سنوي نتيجة استثمار رأس ماله۔^(۴)

(۱) موسوعة المصطلحات الاقتصادية الإحصائية، هيكل (الدكتور عبد العزيز الفهمي هيكل) بيروت، دار النهضة العربية (ص: ۷۳۸)۔

(2) The New Encyclopaedia Britannica v:10, p:595.

(۳) المعاملات المالية المعاصرة في الفقه الإسلامي، (شبير) محمد عثمان شبير، أردن، دار النفائس، طبع ثالث ۱۴۱۹ھ۔

(۴) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص: ۱۵۲۵۔

حاصل یہ کہ وہ سرٹیفکیٹ ہے، جو کمپنی کے اثاثے میں ایک خاص تناسب سے شیئر ہولڈر کے حصے کی نمائندگی کرتا ہے۔

اس کی بھی کئی قسمیں ہیں، جن سے بحث کرنے کا یہ مقام نہیں ہے، نیز شیئر سرٹیفکیٹ کے کچھ شرعی احکام ہیں، جن میں اس کی خرید و فروخت اور زکوٰۃ وغیرہ کے مسائل شامل ہیں۔^(۱)

بونس شیئرز

بونس شیئر کے بارے میں مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں:-
 Dividend کی تقسیم کے دو طریقے ہوتے ہیں، کبھی تو نقد نفع لوگوں کو فراہم کیا جاتا ہے، اور کبھی اس نفع کے دوبارہ حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، اس قسم کے حصے کو ”بونس شیئر“ (Bonus Share) کہتے ہیں۔

بونس شیئر جاری کرنے سے کمپنی کا سرمایہ بڑھ جاتا ہے، ایسا عموماً اس وقت ہوتا ہے جبکہ کمپنی کی کیش پوزیشن کمزور ہو، یعنی اس کے پاس نقد رقم کم ہو، تو بجائے نقد نفع دینے کے مزید حصص جاری کر دیئے جاتے ہیں، کسی حصہ دار کو مثلاً دس روپے دینے کے بجائے دس روپے کا حصہ دے دیا جاتا ہے، لیکن اس کے لئے یہ ضروری ہوگا کہ منظور شدہ سرمائے میں اس کی گنجائش ہو، مثلاً ۸۰ ملین کی اجازت ملی تھی، ان میں سے ۶۰ ملین جاری کئے گئے تھے، ۲۰ ملین کی گنجائش باقی تھی، اگر منظور شدہ سرمائے میں مزید گنجائش نہیں ہے تو دوبارہ درخواست دے کر اجازت لی جائے گی۔

(۱) تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: اسلام اور جدید معیشت و تجارت۔

بونس شیئر جاری کرنے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کمپنی کے شیئرز کی بازاری قیمت (Market Value) قیمت اسمیہ (Face Vlaue) سے کم نہ ہو، اگر بازار میں قیمت گر گئی ہے، تو اب بونس شیئر جاری کرنے میں حصہ داران کو نقصان ہے، مثلاً دس روپے کے شیئر کی قیمت بازار میں نو روپے ہے، تو حصہ دار کو دس روپے کی بجائے نو روپے کا شیئر ملے گا، تو اس کو ایک روپیہ کا نقصان ہوا۔^(۱)

تعہدات (Warrants)

تعہدات کی تعریف مجمع الفقہ الاسلامی جلدہ میں یوں الفاظ میں کی گئی ہے:-

هو الخيار الذى تباعه الشركة على مستثمرين جدد ويسمى Warrants حيث يكون لهم حق شراء مجموعة من اسهم الشركة عند سعر محدد خلال مدة محددة وهو قابل للتناول وربما يمتد لسنوات تصدر الشركات انواعا من التعهدات (Warrants) تتضمن الوعد ببيع عدد من أسهم الشركة بسعر محدد خلال فترة محددة أو غير محددة ويستطيع الشركة بهذه الطريقة أن تحقق دخلا بدون ان تخاطر بتغير هيكل ملكيتها الذى قد ينتجه ادخال مساهمين جدد وفى نفس الوقت يستطيع المستثمرون المضاربة على مستقبل الشركة بدون الحاجة إلى مبلغ كبير من المال-

Warrants اس خيار کو کہتے ہیں کہ جس کو کمپنی نئے سرمایہ کاروں کو بیچتی ہے، اس خيار کی بنیاد پر سرمایہ کاروں کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۶۱۔

کہ وہ کمپنی کے شیئرز خرید لیں، متعین ریٹ پر متعین مدت کے درمیان، یہ اختیار قابل تداول (لین دین) ہے، یعنی اس کی خرید و فروخت ہوتی ہے، اور بسا اوقات یہ اختیار کئی سالوں تک ممتد ہوتا ہے..... کمپنیاں مختلف قسم کے تعهدات جاری کرتی ہیں، جن میں یہ وعدہ ہوتا ہے کہ حامل کچھ متعین شیئرز متعین قیمت پر متعین مدت تک خرید لے، اور بعض اوقات مدت کا ذکر نہیں یعنی مدت کی قید نہیں ہوتی۔

تعهدات کے جاری کرنے میں کمپنی کو یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ نئے شیئر ہولڈرز کے آنے سے ملکیت کی حالت میں کمی آنے کا خطرہ ہوتا ہے اس سے کمپنی محفوظ ہو جاتی ہے، کیونکہ سرمایہ کاروں نے ایک خاص ریٹ پر شیئرز خریدنے کا اختیار خریدا ہے، اور دوسری طرف سرمایہ کاروں کو بھی کسی بڑی رقم کے بغیر شیئرز میں سرمایہ کاری کا موقع مل جاتا ہے۔^(۱)

گلوبل سٹیٹ بینک آف پاکستان میں وارنٹس کی حقیقت ان الفاظ میں بیان کی

گئی ہے:-

Warrants are securities issued with preferred stocks or bond or certificates, that give the holder the right to buy a proportionate amount of common stock at specified price, usually higher than market price at the time of issue of warrants, for a specific period of time, or perpetuity. In this sense, warrants are options to the holder of corporate stocks or bonds.

وارنٹ یہ وہ تمسکات ہوتے ہیں، جو ترجیحی اسٹاک یا بانڈ یا سٹریٹفیکٹ کے ہمراہ جاری کئے جاتے ہیں، جو حامل کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ ایک

(۱) مجلة مجمع الفقه الإسلامي، الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص: ۱۵۲۵

خاص قیمت پر عام اسٹاک کی ایک متناسب تعداد خرید لے، یہ خاص قیمت وارنٹوں کے اجراء کے وقت کسی خاص عرصے کے لئے یا ہمیشہ کے لئے عموماً بازار کی قیمت سے زیادہ ہوتی ہے، اس مفہوم میں وارنٹ کارپوریٹ اسٹاک یا بانڈ کو حاصل کرنے کے آپشن ہوتے ہیں۔^(۱)

ان عبارات کا حاصل یہ ہے کہ وارنٹ ایک اختیار ہے، جس سے حامل کو یہ حق حاصل ہو جاتا ہے کہ وہ ایک مخصوص مدت یا غیر معین مدت میں ایک خاص ریٹ پر عام اسٹاک (سہم عادی) کمپنی (جاری کنندہ) سے خریدے، یعنی حامل کو یہ اختیار ہوتا ہے کہ وہ اگر اس ریٹ پر اس کمپنی کے عام اسٹاک لینا چاہتا ہے تو لے سکتا ہے۔

نیز وارنٹس قابل تداول بھی ہیں، جسے "Negotiable" کہتے ہیں، یعنی ان کی خرید و فروخت ہوتی ہے، مزید تفصیل اور حکم ان شاء اللہ تعالیٰ خیارات میں آئے گا۔

خیارات (Options)

خیارات کی حقیقت گلو سری میں یوں بیان کی گئی ہے:-

Option is a contract giving the asset holder the right but not the obligation to sell or buy an asset at an agreed price called strike price or exercise price over a short period in future which is of critical importance in the contract, if the contract stipulates a fixed date for transaction in future, it is a European Style option, if the transaction can be done a number of times in future over the contract period it is Bermuda Style option, if the time of transaction is chosen by the holder up to maturity date of the contract it is an American Style option.

(1) Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

In securities market, this contract could be a call option.

یہ ایک کنٹریکٹ ہے جو اٹا شدہ بردار کو یہ حق دیتا ہے کہ وہ اثاثے کی خرید و فروخت کر سکے، لیکن مجبور نہیں کرتا، یہ خرید و فروخت مستقبل میں ایک مختصر عرصے کے دوران کی جاسکتی ہے، جو کہ کنٹریکٹ کے لئے نازک اہمیت رکھتا ہے، اور صرف ایک منظور شدہ قیمت پر جسے اختیاری قیمت کہتے ہیں۔

اگر اس کنٹریکٹ میں معاملے کی کوئی آئندہ تاریخ متعین ہو، تو یہ یورپی طرز کا آپشن ہوگا، لیکن اگر کنٹریکٹ کی مدت میں معاملہ بار بار کیا جاسکے، تو یہ برمودہ طرز کا آپشن ہوگا، اگر معاملے کا وقت کنٹریکٹ کا حامل فریق متعین کرے، لیکن صرف کنٹریکٹ کے عرصے کے اندر اندر، تو یہ امریکی طرز کا آپشن ہوگا، تمسکات کے بازاروں میں آپشن دو طرح کے ہوتے ہیں، ایک کال آپشن اور ڈوسرا پٹ آپشن^(۱)۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب آپشن کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں:-
کسی خاص چیز کو خاص قیمت پر بیچنے یا خریدنے کے حق کا نام ”خيارات“ یا ”Options“ ہے۔ کوئی شخص دوسرے سے وعدہ کرتا ہے کہ اگر تم چاہو گے تو فلاں چیز اتنی قیمت میں اتنی مدت تک میں خریدنے کا معاہدہ کرتا ہوں، تم جب چاہو بیچ سکتے ہو، اس کو بیچنے کا آپشن کہتے ہیں۔ آپشن دینے والا یہ حق دینے پر فیس لیتا ہے، آپشن دینے والا اس مدت میں اس چیز کو اسی قیمت پر خریدنے کا پابند ہوتا ہے، لیکن آپشن لینے والا بیچنے کا پابند نہیں ہوتا، اسی طرح اس کے

(1) Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics.

برعکس بعض اوقات ایک شخص یہ وعدہ کرتا ہے کہ میں تم سے فلاں چیز فلاں تاریخ تک فلاں نرخ پر بیچنے کی ذمہ داری لیتا ہوں، اس تاریخ تک تم جب چاہو، مجھ سے اس نرخ پر یہ چیز خرید لینا، یہ خریداری کا آپشن ہے۔ آپشن کرنسی پر بھی ہوتا ہے اور اجناس پر بھی ہوتا ہے، اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ آپشن دینے والا لینے والے کو اس کرنسی یا جنس کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ سے مطمئن کرتا ہے اور یہ اطمینان دلانے پر کمیشن لیتا ہے۔ مثلاً ایک شخص نے پچیس روپے کا ایک ڈالر خریدا، وہ اس کشمکش میں ہے کہ اگر یہ اپنے پاس رکھوں تو اس کی قیمت گرنے کا احتمال ہے، اگر ابھی آگے فروخت کر دوں، تو ہو سکتا ہے کہ آئندہ اس کی قیمت بڑھ جائے، تو نفع سے محروم رہوں گا۔ اب دوسرا شخص اس کو اطمینان دلاتا ہے کہ ڈالر تم اپنے پاس رکھو، میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ تین ماہ تک یہ ڈالر میں پچیس روپے میں خریدوں گا، اور اس وعدے پر اتنی فیس لوں گا۔ اس کی وجہ سے وہ شخص قیمت گرنے سے مطمئن رہے گا، اگر قیمت بڑھ گئی، تو کسی اور کو فروخت کر دے گا، قیمت گر گئی تو آپشن بیچنے والے کو پچیس روپے میں فروخت کر دے گا۔ آپشن کو مستقل مال تجارت سمجھا جاتا ہے، اور اس کی آگے بھی بیع ہو جاتی ہے۔

یہ کاروبار دوسرے ممالک میں بہت وسیع پیمانے پر ہو رہا ہے، اور اس کی صورتیں روز بروز پیچیدہ سے پیچیدہ تر ہوتی جا رہی ہیں۔^(۱)

آپشن کی چند مشہور اقسام

آپشن کی مشہور قسمیں تین ہیں:-

(۱) اسلام اور جدید معیشت و تجارت ص: ۷۶۔

- ۱- اختیار الطلب (Call Option)
- ۲- اختیار الدفع (Put Option)
- ۳- اختیار المركب (Stradle Option)

①- اختیار الطلب (Call Option)

اختیار الطلب سے مراد کسی چیز کو خریدنے کا حق ہے، جس کی مثال اوپر ڈالر کے ساتھ ہم نے دی۔

②- اختیار الدفع (Put Option)

اختیار الدفع سے مراد کسی چیز کو بیچنے کا حق ہے، یہ پہلے اختیار کی ضد ہے، اس میں بیچنے والے شخص کو تو اختیار حاصل ہوتا ہے، لیکن خریدار کے لئے لازم ہوتا ہے کہ وہ اسے خریدے۔ جس کی تفصیل اوپر گزر گئی۔

③- اختیار المركب (Stradle Option)

اختیار المركب سے مراد خریدنے اور بیچنے دونوں کا اختیار ہے، بعض مرتبہ لوگ دونوں اختیار لے لیتے ہیں۔

مجمع الفقہ الاسلامی میں ایک چوتھی قسم کا بھی ذکر ہے، جس کو ”الخيار الممتد“ (Spread Option) کا نام دیا ہے، یہ درحقیقت اختیار مرکب ہی ہے، البتہ اس میں خریدنے کا نرخ بیچنے کے نرخ سے زیادہ ہوتا ہے۔

اختیارات کی ان اقسام سے متعلق مجلہ مجمع الفقہ الاسلامی کی عبارت ملاحظہ ہو:-

عقد خيار الطلب (Call Option)

عقد خيار الدفع (Put Option)

عقد الخيار المركب (Stradle Option)

عقد الخيار الممتد (Spread Option)

الخيار المركب: ويتضمن لهذا الخيار حق في البيع وحق

فی الشراء فی ذات الوقت یصدر المستثمر لهذا الخيار ثم
 ینتظر ماذا یحدث فی السوق فإذا وجد الاجدی له البیع
 مارسه وإذا وجد الاجدی له الشراء مارسه۔
 الخيار الممتد: ویضمن خيار شراء وبيع ای خياراً مرکباً
 ولكن بسعر للشراء یزید علی سعر البیع... الخ۔^(۱)

حکم شرعی

یاد رکھنا چاہئے کہ ورائٹس (جو درحقیقت خیارات ہی میں داخل ہیں، لیکن ان کا
 زیادہ تر تعلق اسٹاک یعنی شیئرز سے ہے، جیسا کہ وہاں ذکر کردہ تفصیلات سے واضح ہے)
 اور خیارات کی بیع شرعاً جائز نہیں، اور اس کے ناجائز ہونے کے دو اسباب ہیں:-

۱- اس معاملے میں غرر (Uncertainty) ہے، کیونکہ جس کے پاس آپشن ہوتا
 ہے، اس کے لئے ضروری نہیں کہ وہ اسے استعمال کر کے مطلوبہ چیز خرید لے، یا اسے بیچ
 دے، گویا مستقبل میں اس عقد کا ہونا ضروری نہیں۔

۲- یہ خیابشریعت کی نگاہ میں مال نہیں، جبکہ بیع ہونے کے لئے ضروری ہے کہ
 دونوں طرف سے مال کا تبادلہ ہو، گویا اس بیع پر شرعی بیع کی تعریف صادق نہیں آتی، اس لئے
 یہ بیع جائز نہیں، بیع کی تعریف یہ ہے کہ باہمی رضامندی سے فریقین اپنے اموال کو ایک
 دوسرے سے تبدیل کریں۔^(۲)

(۱) فلیراجع لتفصیل هذه الخيارات وتفصيلها: مجلة مجمع الفقه الإسلامی جده،
 الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني، هذه النسخة موجودة فی مكتبة جامعة
 دارالعلوم كراتشي۔

وأيضاً تفصیل هذه الأقسام موجودة فی گلوسری (Glossary) للبنك المركزي
 باكستان، علی صفحہ: ۴۸۰۔

(۲) اسلامی بنکاری اور غرر (Uncertainty)، ڈاکٹر مولانا اعجاز احمد صدیقی، ادارہ اسلامیات کراچی،
 لاہور طبع اول، ربیع الثانی ۱۴۲۷ھ۔

یہ تالیف درحقیقت موصوف کے دکتورہ کے مقالے، جس کا موضوع ہے ”غرر“، کا خلاصہ ہے، عوام کی
 آسانی کے لئے اس مقالے کا خلاصہ مذکورہ نام سے لیا گیا ہے۔

Bai-al-Dain : ضمیمہ ۱

اس باب کے شروع میں بیع الدین کا مسئلہ ذکر ہوا تھا، اس سے متعلق چونکہ مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے اپنی مشہور انگریزی تصنیف "An Introduction to Islamic Finance" میں اس کا خلاصہ ذکر کیا ہے، اس لئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس خلاصے کو ان ہی کے الفاظ میں یہاں ضمیمہ ۱ کے طور پر ذکر کیا جائے، تاکہ انگریزی جاننے والے قارئین اس مفید خلاصے سے مستفید ہوں:-

Here comes the question whether or not Bai-al-Dain is allowed in Shariah. Dain means debt and Bai means sale. Bai-al-Dain, therefore connotes the sale of debt. If a person has a debt receivable from a person and he wants to sell it at a discount, as normally happens in the bills of exchange, it is termed in Shariah as Bai-al-Dain. The traditional Muslim jurists (fuqaha) are unanimous on the point that Bai-al-Dain with discount is not allowed in Shariah. The overwhelming majority of the contemporary Muslims scholars of Malaysia have allowed this kind of sale. They normally refer to the ruling of shafiit school wherein it is held that the sale of debt is allowed, but they did not pay attention to the fact that the shafiite jurists have allowed it only in a case where a debt is sold at its par value.

In fact, the prohibition of Bai-al-Dain is a logical consequence of the prohibition of riba, or interes. A debt receivable in monctary terms corresponds to money, and every transaction where money is

exchanged for the same denomination of money, the price must be at par value. Any increase or decrease from one side is tantamount to riba and can never be allowed in shariah.

Some scholars argue that the permissibility of Bai-al-Dain is restricted to a case where the debt is created through the sale of a commodity and its sale may be taken as the sale of a commodity. The argument, however, is devoid of force, for, once the commodity is sold, its ownership is passed on to the purchaser and it is no longer other than money. Therefore if he sells the debt, it is no more than the sale of money and it cannot be termed by any stretch of imagination as the sale of the commodity.

That is why this view has not been accepted by the overwhelming majority of the contemporary scholars. The Islamic Fiqh Academy of Jeddah, which is the largest representative body of the Sharia scholars and has the representation of the Muslim countries, including Malaysia, has approved the prohibition of Bai-al-Dain unanimously without a single dissent.⁽¹⁾



(1) An introduction to Islamic Finance. p:216.

ضمیمہ ۲: شیرز اور اسٹاک ایکسچینج میں کاروبار سے متعلق اہم تحقیق

شیرز سے متعلق چونکہ گزشتہ صفحات میں اختصار کے ساتھ بحث کی گئی، یہاں اس کی مناسبت سے شیرز اور اسٹاک ایکسچینج کے کاروبار سے متعلق ایک اہم فتویٰ ذکر کیا جاتا ہے جو اس سلسلے میں بہت ہی اہم ہے، اور اس پر باقاعدہ اہل فتویٰ حضرات کا اجلاس ہوا ہے، اور اس اجلاس میں منظور ہوا ہے۔

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسولہ
الکریم، وعلى آله واصحابه اجمعين، وعلى كل من تبعهم

باحسان الی یوم الدین

آج کل کمپنیوں کے حصص کی بیع و شراء جن طریقوں سے ہوتی ہے، ان کی شرعی حیثیت کے بارے میں بہت سے سوالات پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور پوچھے بھی جاتے ہیں، ان کا شرعی حکم معلوم کرنے کے لئے اس طریق کار کی صحیح واقفیت ضروری ہے جو اس بیع و شراء میں اختیار کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ اس وقت گفتگو ان کمپنیوں کے حصص کے بارے میں ہو رہی ہے، جن کا کاروبار شرعاً حلال ہے اور ان کے حصص کی خریداری حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے فتویٰ "القصص السنی فی حصص الکمبنی" کی رو

سے جائز ہے۔

یہ معلومات حاصل کرنے کے لئے دارالعلوم کراچی کے دارالافتاء سے اہل علم کی ایک جماعت نے کراچی کے اسٹاک ایکسچینج کا دورہ کیا، ایکسچینج کے ذمہ داروں سے عملی صورت حال معلوم کی، اور ان کے قواعد و ضوابط حاصل کر کے ان کا مطالعہ کیا۔ اس تحقیق کے نتیجے میں جو صورت حال واضح ہوئی وہ ذیل میں درج کی جا رہی ہے۔

بنیادی طور پر قابل تحقیق امور مندرجہ ذیل تھے:-

۱- ڈے ٹریڈنگ، یعنی ایک ہی دن میں حصص خرید کر اسی دن بیچ دینا۔

۲- مستقبل کے سودے (Forward)۔

۳- بدلے کے معاملات۔

ڈے ٹریڈنگ

ڈے ٹریڈنگ کا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص ایک ہی دن میں حصص خرید کر اسی دن کسی اور شخص کو وہ حصص بیچ دیتا ہے، یہ ڈے ٹریڈنگ فوری سودوں (Spot Transactions) میں بھی ہوتی ہے، اور مستقبل کے سودوں (Forward Trading) میں بھی۔ پہلے ہم فوری سودوں کی تحقیق کرتے ہیں۔

فوری سودے (Spot Trading)

فوری سودوں کا طریق کار یہ ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص کسی کمپنی کے حصص خریدتا ہے تو اس خریداری کا اندراج فوری طور سے KAT میں ہو جاتا ہے، جو اسٹاک ایکسچینج میں ہونے والے سودوں کا کمپیوٹرائزڈ ریکارڈ ہوتا ہے، اور اسٹاک ایکسچینج ان سودوں میں فریقین کی ذمہ داریوں کی ضمانت دیتا ہے، اس سودے کو حاضر سودا بھی کہا جاتا ہے، فوری سودوں میں ہر سودے کے تین دن بعد خریدار کو طے شدہ قیمت ادا کرنی ہوتی ہے، اور بیچنے والے کو بیچے ہوئے حصص کی ڈیلیوری دینی ہوتی ہے۔ ڈیلیوری کا مطلب حصص کی بیچ میں یہ ہوتا ہے

کہ جس کمپنی کے حصص بیچے گئے ہیں اس کمپنی کے ریکارڈ میں سی ڈی سی کے ذریعے ان حصص کی منتقلی خریدار کے نام ہو جاتی ہے۔

فقہی نقطہ نظر سے یہاں قابل غور بات یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کوئی چیز خریدے تو اس کے لئے شرعاً ضروری ہے کہ پہلے اس چیز پر قبضہ کرے، پھر اس کے لئے آگے فروخت کرنا جائز ہوتا ہے، قبضے سے پہلے بیع جائز نہیں۔ اب حصص کی خریداری میں صورت حال یہ ہے کہ ڈیلیوری، خریداری کے تین دن بعد ہوتی ہے، سوال یہ ہے کہ خریداری اور ڈیلیوری کے درمیان جو تین دن کی مدت ہے، کیا خریدار کے لئے جائز ہے کہ اس درمیانی مدت میں وہ اپنے خریدے ہوئے حصص کسی اور شخص کو فروخت کر دے؟

اگر ڈیلیوری کو شرعی قبضہ قرار دیا جائے تو ڈیلیوری سے پہلے فروخت کرنا بیع قبل القبض قرار پائے گا، اور ناجائز ہوگا، لیکن دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”ڈیلیوری“ شرعی قبضے سے عبارت نہیں، بلکہ کمپنی میں حصص کے خریدار کے نام پر اندراج کو ”ڈیلیوری“ کہا جاتا ہے، ورنہ جہاں تک خریدے ہوئے حصص کے جملہ منافع اور نقصانات کا تعلق ہے، وہ خریداری کے متصل بعد خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، یعنی اگر خریداری اور ڈیلیوری کی درمیانی مدت میں کمپنی کو کوئی نقصان ہو جائے تو وہ نقصان خریدار ہی برداشت کرتا ہے، اور اگر کمپنی کو نفع ہو جائے تو اس نفع کا فائدہ بھی خریدار ہی کو پہنچتا ہے۔

یہ بات واضح رہنی چاہئے کہ حصص کی بیع کا مطلب کمپنی کے حصصِ مشاعہ کی بیع ہے، لہذا یہ ”بیع المشاع“ ہے اور مشاع میں جس قبضہ ممکن نہیں ہوتا۔ دوسری طرف بیع قبل القبض کی ممانعت کی علت یہ ہے کہ جب تک مشتری بیع پر قبضہ نہ کرے، یا کم از کم بائع تخلیہ نہ کرے، بیع بائع ہی کے ضمان میں رہتی ہے، یعنی اگر اس دوران وہ ہلاک ہو جائے تو بیع فسخ ہو جاتی ہے، لہذا اگر قبضہ کئے بغیر مشتری نے بیع کسی اور کو فروخت کر دی، بعد میں بائع اصلی ہی کے قبضے میں ہلاک ہوگی تو پہلی بیع فسخ ہو جائے گی، تو اس کے نتیجے میں دوسری بیع بھی فسخ ہو جائے گی، لہذا اس دوسری بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

علامہ کاسانی رحمہ اللہ بیع قبل القبض کی ممانعت کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

ولأنه بيع فيه غرر الانفساخ بهلاك المعقود عليه، لأنه اذا

هلك المعقود عليه قبل القبض يبطل البيع الأول، فينفسخ

الثاني۔ (بدائع الصنائع ج: ۴ ص: ۳۹۳، مؤسسة التاریخ العربی)

بیع قبل القبض کی ممانعت کی اس سے زیادہ واضح علت یہ ہے کہ اس سے ربح

مالم یضمن لازم آتا ہے، کیونکہ قبضے سے پہلے بیع کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا،

اب اگر وہ اسے آگے فروخت کرے اور اس میں نفع کمائے تو یہ ربح مالم یضمن ہوگا، جس

کی ممانعت مندرجہ ذیل حدیث میں آئی ہے:-

لا يحل سلف وبيع ولا شرطان في بيع، ولا ربح مالم

تضمن۔ (سنن ابی داؤد ج: ۳ ص: ۲۸۳، کتاب البیوع، باب فی

الرجل یبیع ما لیس عنده)

جامع ترمذی میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:-

نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن سلف وبيع، وعن

شرطين في بيع وعن ربح مالم يضمن۔ (جامع الترمذی

ج: ۳ ص: ۵۳۵، باب ما جاء فی كراهية بيع ما لیس عندك)

اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے مولانا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

یرید یہ الربح الحاصل من بیع ما اشتراه قبل أن یقبضه

وینتقل من ضمان البائع الی ضمانه، فان بیعه فاسد، فی

شرح السنّة: قیل: معناه ان الربح فی کل شیء انما یحل

ان لو كان الخسران علیه، فان لم یکن الخسران علیه

کالبيع قبل القبض اذا تلف فان ضمانه علی البائع۔

(مرقاة المفاتیح ج: ۶ ص: ۸۹)

اور علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:-

وربح مالم یضمن، یرید بہ الحاصل من بیع ما اشتراہ
قبل أن یقبضہ وینتقل من ضمان البائع الی ضمانہ، فان
بیعہ فاسد۔ (شرح الطیبی ج: ۶ ص: ۸۲)

علامہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:-

(وربح مالم یضمن) ہو ربح مبیع اشتراہ فباعہ قبل أن
ینتقل من ضمان البائع الأول الی ضمانہ بالقبض۔

(حاشیۃ السندی علی المجتبی للنسائی ج: ۷ ص: ۲۹۵)

اور حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری قدس سرہ تحریر فرماتے ہیں:-

ولا ربح مالم تضمن، ای لا یحل ربح شیء لم یدخل فی
ضمانہ وهو ربح مبیع اشتراہ فباعہ قبل أن ینتقل عن
ضمان البائع الأول الی ضمانہ بالقبض۔ (بذل المجهود

ج: ۱۵ ص: ۱۸۰، کتاب البیوع، باب فی الرجل یبیع مالمس عندہ)

حاصل یہ ہے کہ کسی چیز کی بیع قبل القبض اس لئے ناجائز ہوتی ہے کہ قبضے کے
بغیر اس کا ضمان مشتری کی طرف منتقل نہیں ہوتا، لہذا اگر وہ نفع پر آگے بیچنا چاہتا ہے تو یہ ربح
مالم یضمن میں داخل ہے، نیز جیسا کہ صاحب بدائع نے فرمایا، قبضے سے پہلے اگر بیع
ہلاک ہو جائے تو بائع کے ضمان میں ہونے کی بناء پر بیع فسخ ہو جائے گی، اور اس کے نتیجے
میں اگلی بیع بھی فسخ ہوگی، لہذا اگلی بیع میں شروع ہی سے غرر انفساخ پایا جاتا ہے۔

لیکن اگر ضمان حسی اور حقیقی قبضے کے بغیر تخلیہ کے ذریعے مشتری کی طرف منتقل
ہو جائے تو پھر چونکہ نہ ربح مالم یضمن کا اندیشہ ہے، نہ غرر انفساخ کا، اس لئے مشتری
کے لئے اسے آگے بیچنا جائز ہے، اسی لئے فقہائے کرام رحمہم اللہ نے تخلیہ کو قبضہ کے قائم
مقام قرار دیا ہے، فتاویٰ عالمگیری میں ہے:-

وَأَجْمَعُوا عَلَيَّ أَنْ التَّخْلِيَةَ فِي الْبَيْعِ الْجَائِزِ تَكُونُ قَبْضًا، وَفِي
الْبَيْعِ الْفَاسِدِ رَوَايَتَانِ وَالصَّحِيحُ أَنَّهَا قَبْضٌ.... رَجُلٌ بَاعَ خَلًّا
فِي دِقِّ فِي بَيْتِهِ فَخَلَّتْ بَيْنَهُ وَبَيْنَ الْمَشْتَرِي فَخْتَمَ الْمَشْتَرِي
عَلَى الدِقِّ وَتَرَكَهُ فِي بَيْتِ الْبَائِعِ فَهَلْكَ بَعْدَ ذَلِكَ فَانَّهُ يَهْلِكُ
مِنْ مَالِ الْمَشْتَرِي فِي قَوْلِ مُحَمَّدٍ، وَعَلَيْهِ الْفَتْوَى۔

(فتاویٰ عالمگیریہ ج: ۳ ص: ۱۶، کتاب البیوع، باب: ۲ فصل: ۲)

اب دیکھنا یہ ہے کہ مشاع کی بیع میں قبضہ کیسے متحقق ہوتا ہے؟ اس کے جواب میں
بھی فقہائے کرام نے یہی فرمایا ہے کہ مشاع کی بیع میں تسلیم اور قبض کا متحقق تخیلہ ہی سے
ہوتا ہے۔ علامہ سرخسی رحمہ اللہ اجارۃ المشاع (جو امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جائز
نہیں) اور بیع المشاع کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-

وهذا بخلاف البيع، لأن التسليم هناك بالتخلية يتم وذلك
في الجزء الشائع يتم۔

(مبسوط السرخسی ج: ۱۵ ص: ۱۳۶، کتاب الاجارۃ)

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ نے بھی اس فرق کو اس طرح بیان فرمایا ہے:-
ولأبى حنيفة أنه أجز ما لا يقدر على تسليمه فلا يجوز،
وهذا لأن تسليم المشاع وحده لا يتصور، والتخلية
اعتبرت تسليمًا لوقوعه تمكينًا، وهو الفعل الذي يحصل
به التمكين، ولا يمكن في المشاع، بخلاف البيع لحصول
التمكين فيه۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اجارہ میں چونکہ مقصود صرف انتفاع ہوتا ہے، ملک نہیں،
اور حصہ مشاعہ میں تمکین انتفاع نہیں ہو سکتی، اس لئے اس میں تخیلہ متصور نہیں ہے، اس کے
برخلاف بیع میں مقصود ملک ہوتی ہے، لہذا تخیلہ کے ذریعے اس میں تمکین ہو سکتی ہے، چنانچہ

صاحب عنایہ اس کی شرح میں فرماتے ہیں:-

بخلاف البیع فان المقصود به ليس الانتفاء، بل الرقبة،
ولهذا جاز بيع الجحش فكان التمكن بالتخلية فيه حاصلًا۔
اور صاحب کفایہ اس کو مزید واضح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:-
ان التخلية اعتبرت تسليمًا اذا كان تمكينًا من الانتفاء،
وانما يكون تمكينًا اذا حصل بها التمكن، والتمكن لا
يحصل به فلم يعتبر فعله تمكينًا بخلاف البیع، لحصول
التمكن ثمة من البیع والاعتاق وغير ذلك۔ (فتح القدير مع

العناية والكفاية ج: ۸، ص: ۳۱ و ۳۲، باب الاجارة الفاسدة)

صاحب کفایہ کی خط کشیدہ عبارت سے یہ بات واضح ہے کہ مشاع میں حسی قبضہ
کے بغیر تخلیہ قبضہ کے قائم مقام ہو جاتا ہے اور مشتری کے لئے اس میں ملک کے تصرفات
کرنا جائز ہو جاتا ہے، جن میں اسے آگے فروخت کرنا بھی شامل ہے۔
علامہ طوری رحمہ اللہ نے بھی تکملة البحر الرائق میں فرق کی وضاحت صاحب ہدایہ
اور صاحب عنایہ کے بیان کے مطابق کی ہے۔

(تكملة البحر ج: ۸، ص: ۳۶، باب الاجارة الفاسدة)

ان تصریحات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مشاع کی بیع میں حسی قبضہ تو ممکن
نہیں ہوتا، لیکن تخلیہ اور تمکین سے قبضہ کا مقصود حاصل ہو جاتا ہے، اور مشتری کے لئے اس
تخلیہ یا تمکین کے بعد اسی مشاع کو آگے فروخت کرنا بھی جائز ہو جاتا ہے۔
اب دیکھنا یہ ہے کہ حصص کی بیع میں بائع کی طرف سے تمکین اور تخلیہ کا تحقق ہو جاتا
ہے یا نہیں؟

اگرچہ اشاک آپ کی پیچھے کے ذمہ دار اور اس میں کام کرنے والے اس بات پر متفق
نظر آئے کہ سودا ہوتے ہی بیچے ہوئے شیئرز کے حقوق اور ذمہ داریاں خریدار کی طرف منتقل

ہو جاتی ہیں، گویا شیئرز خریدار کے ضمان میں آجاتے ہیں (اور اس لحاظ سے اگر خریدار انہیں آگے بیچے تو ”بمع مالم یضمن“ لازم نہیں آتا) لیکن اسٹاک آپیکھینج کے قواعد و ضوابط کے مطالعے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قبضہ شرعی کا تحقق ڈیلیوری سے پہلے نہیں ہوتا، جس کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:-

۱- یہ بات فقہ اسلامی میں طے شدہ ہے کہ ”قبض کذل شیء بحسبہ“ یعنی ہر چیز کا قبضہ اس شیئی کی نوعیت کے لحاظ سے عرفاً مختلف ہوتا ہے، شیئرز کے بارے میں عرف عام یہی ہے کہ سودے کے وقت محض اسٹاک آپیکھینج کے فوری اندراج کو قبضہ نہیں کہا جاتا، بلکہ کہا جاتا ہے کہ ”ڈیلیوری“ تین دن بعد ہوگی، ڈیلیوری کے معنی ہی قبضہ دینے کے ہیں، لہذا عرف نے اسی کو قبضہ قرار دیا ہے۔

۲- اسٹاک آپیکھینج میں ”بیع مالا یملک الانسان“ (Short Sale) کا رواج عام ہے، جب ہم نے اسٹاک آپیکھینج کا دورہ کیا، اس وقت ہمیں یہ بتایا گیا کہ حاضر سودوں یعنی فوری سودوں میں شارٹ سیل ممنوع کر دی گئی ہے، لیکن قواعد و ضوابط سے پتہ چلتا ہے اور بعد میں اسٹاک آپیکھینج کے صدر صاحب نے بھی اس کی تصدیق کی کہ جو چیز منع کی گئی ہے وہ بلینک سیل (Blank Sale) ہے، یعنی ایسی بیع جس میں بائع کے پاس نہ تو ملکیت میں شیئرز ہوں، اور نہ اس نے شیئرز کی خریداری کے لئے کسی سے قرض کا معاہدہ کر رکھا ہو، لیکن حاضر سودوں میں شارٹ سیل کی اس شرط کے ساتھ اجازت دے دی گئی ہے کہ بیچنے والا خریدار کو بتا دے کہ وہ شارٹ سیل کر رہا ہے اور یہ کہ اس نے وقت پر شیئرز کی ڈیلیوری کے لئے کسی سے قرض لینے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حاضر سودوں میں شارٹ سیل کا امکان موجود ہے، اور اگر بالفرض قواعد کے لحاظ سے شارٹ سیل منع بھی ہو تو اس بات کی گارنٹی نہیں ہے کہ وہ اس قاعدے کی خلاف ورزی نہیں کر رہا۔

اب ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص شارٹ سیل کر رہا ہے، یعنی شیئرز اس کی ملکیت میں نہیں ہیں، پھر بھی بیچ رہا ہے تو نہ صرف یہ کہ ”بیع مالا یملک“ ہونے کی بناء پر یہ بیع شرعاً

باطل ہے، بلکہ اس سے یہ بھی واضح ہوا کہ جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی شیئرز کے حقوق و التزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں یا خریدار کے ضمان (Risk) میں آجاتے ہیں، وہ یہ بات شرعی مفہوم میں نہیں کہتے، کیونکہ یہ بات وہ شارٹ سیل کی صورت میں بھی کہتے ہیں، حالانکہ شرعی مفہوم میں شارٹ سیل کی صورت میں ضمان منتقل ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، جب شیئرز بائع ہی کی ملکیت میں نہیں ہیں تو وہ خریدار کو تمکین یا تخلیہ کیسے کر سکتا ہے؟ اور اس سے شرعی مفہوم میں ضمان کیسے منتقل ہو سکتا ہے؟

۳- کراچی اسٹاک ایکسچینج کی طرف سے ہمیں جو قواعد و ضوابط فراہم کئے گئے،

ان میں حاضر سوهوں کے قواعد و ضوابط (Rules For Ready Delivery Contracts) کی پہلی دفعہ میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام حاضر سودوں کا تصفیہ آئندہ ہفتے میں پیر کے دن ہونا ضروری ہے، یعنی پیر کے دن بائع شیئرز کی ڈیلیوری دے گا، اور خریدار اس کی قیمت بائع کو ادا کرے گا، لیکن اسی دفعہ کی شق بی میں یہ صراحت ہے کہ اگر بائع نے مقررہ وقت تک ڈیلیوری نہ دی تو خریدار کو حق ہوگا کہ کسی کمپنی کے جتنے شیئرز اس نے بائع سے خریدے تھے، وہ بازار سے خرید لے (جس کو اسٹاک ایکسچینج کی اصطلاح میں "Buy In" کہا جاتا ہے) اور شق سی میں کہا گیا ہے کہ ایسی صورت میں اگر خریدار کو بازار سے خریداری کرنے میں کوئی نقصان ہو (مثلاً وہ شیئرز بازار سے زیادہ قیمت میں ملیں) تو بائع کا فرض ہوگا کہ وہ خریدار کے نقصان (Damages) کی تلافی کرے۔

یہ قاعدہ واضح طور پر اس بات کا اعتراف ہے کہ سودے کے وقت قبضہ نہیں ہوا تھا، کیونکہ بائع کی طرف سے ڈیلیوری نہ دینا، دو ہی صورتوں میں ممکن ہے، یا تو بائع نے شارٹ سیل کی تھی، یعنی شیئرز کے ملکیت میں ہونے کے بغیر فروخت کر دیئے تھے، اس صورت کا بطلان اوپر نمبر ۲ میں گزر چکا ہے، یا پھر اس نے شارٹ سیل نہ کی تھی، مگر خریدار سے سودا کرنے کے بعد اس کی رائے بدل گئی اور اس نے وہ خود رکھنے یا کسی اور کو بیچ دینے کا فیصلہ کر لیا، جب اس کے لئے رائے بدل کر شیئرز کو خود رکھ لینا یا کسی اور کو بیچنا ممکن ہے تو

یہ کیسے کہا جاسکتا ہے کہ سودے کے وقت اس نے خریدار کو تمکین کر دی ہے یا اس کے حق میں تخلیہ کر دیا ہے؟ نیز اس صورت میں اسٹاک آپکچینج کے قواعد یہ نہیں کہتے کہ جو شیئرز فروخت کئے گئے تھے بائع کو ان کی ڈیلیوری دینے پر مجبور کیا جائے، بلکہ خریدار کو یہ حق دیتے ہیں کہ وہ بائع کو ڈیلیوری پر مجبور کرنے کے بجائے بازار سے اسی کمپنی کے اسی مقدار میں دوسرے شیئرز خرید لے، اور اس خریداری میں اسے کوئی نقصان ہو تو بائع کو اس کی تلافی پر مجبور کرے، جس کا حاصل یہ ہے کہ پہلی بیچ ایک طرفہ طور پر فسخ کرے، اور کسی تیسرے شخص سے نئی بیچ کرے۔

۴۔ اسٹاک آپکچینج کے حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ حاضر سودوں کے علاوہ فارورڈ سودوں میں بھی حقوق و التزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، صرف کمپنی کے ریکارڈ میں نام کی منتقلی حاضر سودوں کے مقابلے میں زیادہ تاخیر سے ہوتی ہے، حالانکہ فارورڈ سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اس سے پتہ چلا کہ یہ حضرات حقوق و التزامات کی جس منتقلی کا ذکر کر رہے ہیں وہ شرعی مفہوم میں ضمان کی منتقلی نہیں ہے۔ اور اس سارے مجموعے سے جو بات واضح ہو رہی ہے، وہ یہ ہے کہ جس چیز کو اسٹاک آپکچینج کی اصطلاح میں حاضر سودا کہا جا رہا ہے، اس میں سودے کے وقت شرعی مفہوم میں قبضہ متحقق نہیں ہوتا، اور جو حضرات یہ کہتے ہیں کہ سودا ہوتے ہی تمام حقوق و التزامات خریدار کی طرف منتقل ہو جاتے ہیں، وہ اس معنی میں کہتے ہیں کہ اسٹاک آپکچینج معاملے کو انتہا تک پہنچانے کا ذمہ دار ہے، اور شیئرز کی قیمت بڑھے یا گھٹے، بائع اسی قیمت پر شیئرز کی ڈیلیوری کرنے کا، اور خریدار وہی قیمت ادا کرنے کا پابند ہے، اور اگر کوئی فریق اپنی یہ ذمہ داری پوری نہ کرے اور خریدار کی عدم ادائیگی کی صورت میں بائع کو بازار میں شیئرز فروخت کرنے (Sale Out) میں اور بائع کے قبضہ نہ دینے کی صورت میں خریدار کو بازار سے شیئرز خریدنے میں جو نقصان ہو، دوسرا فریق اس کی تلافی کا ذمہ دار ہے۔

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں شرعی حکم یہ ہے کہ شیئرز کے خریدار کے لئے اس

وقت تک شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں ہے جب تک کہ ڈیلیوری نمل جائے۔ اگر بیچنے والے نے شارٹ سیل کی ہے یعنی شیئرز ملک میں لائے بغیر فروخت کئے ہیں تو یہ بیچ ہی باطل ہے، اور اگر شیئرز بائع کی ملک میں تھے، اور عقد بیع کے ارکان متحقق ہو گئے ہیں تو یہ بیچ درست ہے، (اسے بیع الکالی بالکالی اس لئے نہیں کہا جاسکتا کہ کمپنی کے شیئرز بائع کی ملکیت میں ہیں اور عین ہیں دین نہیں) لیکن خریدار کے لئے آگے بیچ کرنا اسی وقت جائز ہوگا جب اسے باقاعدہ ڈیلیوری مل جائے، لہذا اس وقت جس طرح ڈے ٹریڈنگ ہو رہی ہے (جس میں ڈیلیوری سے پہلے شیئرز آگے بیچ دیئے جاتے ہیں) وہ شرعاً جائز نہیں ہے۔

مستقبل کے سودے (Futures)

مذکورہ بالا تفصیل حاضر سودوں کے بارے میں تھی، جنہیں "Spot Sales" یا "Ready Contracts" کہا جاتا ہے۔ جب حاضر سودوں میں صورت حال یہ ہے تو مستقبل کے سودوں میں جنہیں Future یا Forward کہا جاتا ہے۔ بطریق اولیٰ یہ حکم ہوگا کہ ڈیلیوری کے بغیر شیئرز کو آگے بیچنا جائز نہیں، اس لئے کہ ان سودوں میں شارٹ سیل کا رواج حاضر سودوں کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے، اور شارٹ سیل پر جو پابندیاں حاضر سودوں میں ہوتی ہیں، مستقبل کے سودوں میں اتنی پابندیاں نہیں ہیں۔

اشاک ایکسچینج کے دورے کے دوران ہمیں یہ بھی بتایا گیا کہ حاضر سودوں اور مستقبل کے سودوں میں اس کے سوا کوئی فرق نہیں ہے کہ حاضر سودوں میں ڈیلیوری جلدی ہو جاتی ہے، اور مستقبل کے سودوں میں دیر سے ہوتی ہے، لیکن خریدے ہوئے شیئرز کے حقوق و التزامات فوراً منتقل ہو جاتے ہیں، لیکن ان حضرات کا یہ بیان اس بات کی دلیل ہے کہ حقوق و التزامات کی منتقلی کا لفظ وہ شرعی مفہوم میں استعمال نہیں کر رہے، بلکہ اس معنی میں استعمال کر رہے ہیں کہ شیئرز کی قیمت ڈیلیوری سے پہلے بڑھے یا گھٹے، ہر صورت میں بائع طے شدہ قیمت پر ڈیلیوری دینے اور خریدار طے شدہ قیمت ادا کرنے کا پابند ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال کے پیشِ نظر مستقبل کے سودوں (Forward Sale) یا Future Sale کا حکم یہ ہے کہ:-

۱- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز نہیں ہیں اور وہ شارٹ سیل یا بلینک سیل کر رہا ہے تو یہ بیعِ مالاً یملک ہونے کی وجہ سے ناجائز اور باطل ہے۔

۲- اگر بیچنے والے کی ملکیت میں شیئرز ہیں اور وہ ان کی ڈیلیوری بھی لے چکا ہے، اور آئندہ کی تاریخ کے لئے آج ہی ایجاب و قبول کے ذریعے بیع کی تکمیل کر رہا ہے، جسے (Forward Sale) کہا جاتا ہے، یعنی بیع آج ہی مکمل ہوگئی ہے، لیکن وہ بیع آئندہ تاریخ کے لئے ہے، تو یہ بیع مضاف الی المستقبل ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔

۳- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں (یعنی وہ ان کی ڈیلیوری لے چکا ہے) اور بیع آئندہ تاریخ کے لئے نہیں، بلکہ آج ہی کی تاریخ کے لئے ہوئی ہے، البتہ قیمت اُدھار رکھی گئی ہے کہ خریدار قیمت آئندہ کسی تاریخ پر ادا کرے گا، تو اس صورت میں شیئرز کی ڈیلیوری خریدار کو دینی ہوگی، اور قیمت کی وصولی کے لئے ڈیلیوری دیئے بغیر شیئرز اپنے قبضے میں رکھنا جائز نہیں ہوگا، کیونکہ یہ بیع مؤجل ہے، اور بیع مؤجل میں حبس المبیع لاستیفاء الثمن جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے:-

قال أصحابنا رحمهم الله تعالى: للبايع حق حبس المبيع لاستيفاء الثمن اذا كان حالاً كذا في المحيط، وان كان موجلاً فليس للبايع أن يحبس المبيع قبل حلول الأجل ولا بعده، كذا في المبسوط۔

(فتاویٰ عالمگیریہ ج: ۳ ص: ۱۵، باب: ۳ من کتاب البيوع)

۴- اگر بیچنے والے کی ملکیت اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ آج کی تاریخ ہی کے لئے خریدار کو بیچ رہا ہے، اور ان کی ڈیلیوری بھی خریدار کو دیتا ہے، لیکن قیمت، آئندہ تاریخ

کے لئے اُدھار رکھی گئی ہے اور خریدار کو ڈیلیوری دینے کے بعد پھر وہی شیئرز (جو خریدار کے نام منتقل ہو چکے ہیں) اپنے پاس گروی رکھ لیتا ہے تو یہ صورت جائز ہے۔
علامہ حصفی رحمہ اللہ، الدر المختار میں فرماتے ہیں:-

ولو كان ذلك الشيء الذي قال له المشتري: أمسكه، هو المبيع الذي اشتراه بعينه لو بعد قبضه، لأنه حينئذ يصلح أن يكون رهناً بضمنه، ولو قبله لا يكون رهناً، لأنه محبوس بالثمن-

علامہ ابن عابدین شامی رحمہ اللہ اس کے تحت فرماتے ہیں:-

قوله: لأنه حينئذ يصلح ... الخ أي لتعيين ملكه فيه، حتى لو هلك يهلك على المشتري، ولا يفسخ العقد ط قوله "لأنه محبوس بالثمن" أي وضمانه يخالف ضمان الرهن، فلا يكون مضموناً بضمنانين مختلفين الخ-

(رد المحتار، کتاب الرهن ج: ۶ ص: ۴۹۷)

صورت نمبر ۳ اور صورت نمبر ۴ کا فرق بھی علامہ ابن عابدین رحمہ اللہ کی اس عبارت میں موجود ہے، اس کی مزید وضاحت بندہ کی کتاب "بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة" (ص: ۱۶ تا ۱۸، طبع دار القلم دمشق) میں دیکھی جاسکتی ہے۔

۵- پانچویں صورت یہ ممکن ہے کہ بیچنے والے کی ملک اور قبضے میں شیئرز ہیں، اور وہ بیع ابھی نہیں کرتا، بلکہ ایک خاص قیمت پر آئندہ بیچنے کا وعدہ کرتا ہے، اور خریدار آئندہ اس قیمت پر خریدنے کا وعدہ کرتا ہے، بیع ابھی مکمل نہیں ہوتی، علمائے معاصرین کی ایک بڑی جماعت (جس میں مجمع الفقہ الاسلامی جدۃ بھی داخل ہے) دو طرفہ وعد ملزم کو بھی عقد کے حکم میں قرار دے کر اسے ناجائز قرار دیتی ہے، اور جن فقہاء نے بعض معاملات (مثلاً بیع بالوفاء) میں وعد ملزم کو جائز قرار دیا ہے، وہ بھی اسے حاجت عامہ سے

مشروط مانتے ہیں، چنانچہ فتاویٰ قاضی خان میں ہے:-

لأن المواعدة قد تكون لازمة فتجعل لازمة لحاجة

الناس- (الفتاویٰ الخانیة ج: ۲ ص: ۱۶۵)

مذکورہ صورت میں کوئی ایسی حاجت نظر نہیں آتی جس کی وجہ سے کوئی حرج عام لازم آئے، بلکہ اسٹاک ایکسچینج میں سٹہ بازی کے رجحان کو روکنے کے لئے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ”وعدہ“ غیر ملزم ہی رہے، لہذا اگر دونوں فریق وعدہ غیر ملزم (Non-Binding Promise) کر لیں تو یہ جائز ہے، اس صورت میں اگر کوئی فریق وعدے کو پورا نہ کرے تو وہ دیانتہ تو گناہگار ہوگا، لیکن قضاء اسے مجبور نہ کیا جاسکے گا۔

بدلہ کے معاملات

اسٹاک ایکسچینج میں بدلہ کے معاملات اس طرح ہوتے ہیں کہ بعض اوقات ایک شخص بہت سے حصص خرید لیتا ہے، مگر قیمت ادا کرنے کے لئے اس کے پاس رقم نہیں ہوتی، ایسی صورت میں وہ خریدے ہوئے حصص کسی تیسرے شخص کو اس شرط کے ساتھ بیچ دیتا ہے کہ وہ ایک طے شدہ مدت کے بعد خریدار سے وہی حصص زیادہ قیمت پر خرید لے گا، مثلاً الف نے ب سے یکم اپریل کو ایک لاکھ روپے کے دس ہزار حصص خریدے، لیکن اس کے پاس ایک لاکھ روپے نہیں ہیں، لہذا وہ یہ دس ہزار حصص ج کو اس شرط کے ساتھ بیچتا ہے کہ ۱۳ اپریل کو وہ یہی حصص ایک لاکھ دو ہزار روپے میں واپس خرید لے گا۔

اس طریق کار میں شرعی اعتبار سے دو خرابیاں ہیں، ایک یہ کہ عموماً بدلے کا یہ معاملہ ڈیلیوری سے پہلے کیا جاتا ہے، جس کے بارے میں پیچھے بیان کیا جا چکا ہے کہ وہ بیع قبل القبض ہونے کی بناء پر ناجائز ہے۔ دوسرے ج کو جو شیئرز بیچتے جا رہے ہیں وہ زیادہ قیمت پر واپس خریدنے کی شرط کے ساتھ بیچتے جا رہے ہیں، یہ شرط فاسد ہے، جو بیع کو فاسد کر دیتی ہے، اور درحقیقت اس کا مقصد ایک لاکھ روپے لے کر ایک لاکھ دو ہزار روپے

واپس کرنا ہے جو سود کی ایک شکل ہے، جس کے لئے اس بیع فاسد کو بہانہ بنایا گیا ہے، اس لئے بدلہ کے یہ معاملات بھی شرعاً ناجائز ہیں۔

واللہ سبحانہ و تعالیٰ اعلم و علمہ اتم و احکم

بندہ محمد تقی عثمانی عفی عنہ

جامعہ دارالعلوم کراچی ۱۳

۲۱/صفر/المظفر ۱۴۲۶ھ مطابق ۲۱/اپریل ۲۰۰۵ء



اختتامیہ

اللہ جل شانہ کے فضل و کرم اور اس کی توفیق سے ”زَرِّ“ (Money) کے مختلف پہلوؤں سے متعلق حتی المقدور اس مقالے میں بحث کی گئی، زمانے کی ترقی اور معاشی دائرے کے وسیع ہونے کی وجہ سے ”زَرِّ“ کا مفہوم بھی بہت وسیع ہو گیا، پہلے زمانے میں زیادہ تر زَرِّ کا اطلاق صرف سونے یا چاندی یا درہم و دینار پر ہوتا تھا، اور اس کے ساتھ فلوس بھی زَرِّ کی کیٹیگری میں شمار ہوتے تھے، لیکن تجارتی اور معاشی ترقی نے زَرِّ کی نئی شکلیں متعارف (Intruduced) کرائی، جن میں کریڈٹ منی کی مختلف قسمیں سامنے وجود میں آ گئیں، اور ان قسموں کے ساتھ لین دین ہونے لگا، جس کی تفصیل آخری باب میں گزر گئی۔

اس مقالے کے مباحث میں سب سے زیادہ قابل توجہ اور حاملِ اہمیت مسائل میں سے ”زَرِّ کی حقیقت“ (The Nature of Money) ہے، کیونکہ موجودہ بینکنگ اور مالیاتی سسٹم میں زَرِّ ہی کو آلہ تجارت (Tradable) آلہ قرار دیا گیا ہے، زَرِّ کے اس خلافِ فطرت استعمال نے مختلف قسم کی معاشی اور شرعی مفسد پیدا کئے، جن میں سب سے بنیادی خرابی سود کی ہے۔

مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب فرماتے ہیں :-

One of the most important characteristics of islamic financing is that it is an asset-backed financing. The conventional / capitalist concept of financing is that the banks and financial institution deal in money and monetary papers only. That is why they are forbidden. in most countries, from

trading in goods and making inventories. Islam, on the other hand, does not recognize money as a subject-matter of trade.... In conventional financing, the financier gives money to his client as an interest-bearing loan, after which he has no concern as to how the money is used by the client.(1)

امام غزالی رحمہ اللہ نے زر کو خلاف فطرت استعمال کرنے کو ظلم قرار دیا ہے:-
اور جس نے بھی ذرا ہم و دنیا میں سود کا معاملہ کیا تو اس نے نعمتِ خداوندی کی ناشکری کی اور ظلم کیا، کیونکہ ان دونوں کی تخلیق اپنے لئے نہیں بلکہ غیر کے لئے ہے، کیونکہ یہ دونوں مقصود بالذات نہیں، چنانچہ جب کوئی شخص ان دونوں میں تجارت کرے گا، تو اس نے ان دونوں کو اس حکمت سے ہٹایا، جس کے لئے ان کی تخلیق ہوئی تھی:-

”إذ طلب النقد لغير ما وضع له ظلم“

کیونکہ زر کو ایسی چیز کے لئے لینا جس کے لئے یہ پیدا نہیں ہوا ہے،

ظلم ہے۔ (۲) www.KitaboSunnat.com

گویا زر کے ساتھ عام اشیاء سا سلوک کرنا، اور اس کو محل تجارت (Tradable) بنا دینا ظلم ہے، زر کے معاملے میں انصاف یہی ہے کہ جس مقصود کے لئے اس کی تخلیق ہوئی ہے، اسی مقصود میں اس کو استعمال کیا جائے۔

اسی طرح اہم مسائل میں سے ”نوٹ کی شرعی حیثیت“ ہے، جس میں علماء کا اختلاف ہے، لیکن راجح قول یہی ہے کہ یہ بذات خود دشمنِ عرفی (Comstomary Price) ہے۔

(1) An Introduction to Islamic Finance. p:20.

(۲) إحياء علوم الدين، الغزالي، (الإمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي م ۵۰۵ھ) بيروت، لبنان، دارالمعرفة (۳/۹۱)۔

نیز اہم مسائل میں سے زَرَّكَ کا باہمی تبادلہ، اور زَرَّكَ اعتباری کی چند قسمیں مثلاً: چیک، بل آف ایکسچینج، بانڈز اور مختلف قسم کے سٹیکلیٹس ہیں، جن پر آٹھویں باب میں الحمد للہ سیر حاصل بحث کی گئی، اگرچہ ان آلات میں سے ہر آلہ ایسا ہے، جس کی مختلف اقسام، ان کی تعریفات، حقائق، شرائط اور احکام پر مستقل مقالہ تیار ہو سکتا ہے، مثلاً بانڈز کی بے شمار قسمیں ہیں، اور ان کے بے شمار تعلقات ہیں، اسی طرح شیئرز سٹیکلیٹ پر مستقل اور ضخیم مقالہ تیار ہو سکتا ہے، چنانچہ مجمع الفقہ الاسلامی جدہ کے مجلات (جن میں سے بعض کا حوالہ گزشتہ مباحث میں دیا گیا ہے) سندات اور سہم (Shares) پر باقاعدہ مقالے لکھے گئے ہیں۔

نیز مقالے کے اصول کے مطابق ہم نے اصل باب میں ذکر کردہ عنوانات سے متعلق موقوف علیہ مباحث بھی اختصاراً ذکر کئے ہیں، مثلاً بیع صرف، بیع الدین اور حوالہ وغیرہ کے مسائل، کیونکہ ان پر زَرَّكَ کے بہت سارے مسائل موقوف ہیں۔

اور آخر میں اور اسی طرح درمیان میں بعض جگہ ضامم (Appendices) اور مختلف فوائد بھی ذکر کئے ہیں، کیونکہ ان کی توہان پر ضرورت محسوس کی گئی ہے۔

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین، اللہ تعالیٰ اس حقیر کوشش کو شرف قبولیت عطا فرمائیں، اور ہر کام اور عمل میں خلوص عطا فرمائیں، آمین۔



www.KitaboSunnat.com

مراجع و مصادر (Bibliography)

الف

- * احکام الأوراق النقدية الجعيد (ستر بن ثواب الجعيد) الطائف، مكتبة الصديق، طبع اول
- * اسلام اور جديد معيشت و تجارت، ادارة المعارف كراچي ۱۳، طبع اول ۱۴۱۹ھ
- * اعلام الموقعين عن رب العالمين، ابن قيم الجوزية (علامة شمس الدين ابو عبد الله محمد بن ابي بكر المعروف بابن الجوزية، المتوفى ۷۵۱ھ) مصر، ادارة الطباعة المنيرية
- * احياء علوم الدين، الغزالي (الإمام ابو حامد محمد بن محمد الغزالي م ۵۰۵ھ) بيروت، لبنان، دار المعرفة
- * إقتصاديات النقود، متولى (الدكتور أبو بكر الصديق عمر متولى) القاهرة، مكتبة وهبة، طبع اول ۱۴۰۳ھ
- * احكام القرآن، ابن العربي (أبو بكر محمد بن عبد الله المعروف بابن العربي، متوفى ۵۴۳ھ) بيروت، دار المعرفة، طبع سوم ۱۳۹۲ھ
- * ابن ماجة والحاكم
- * إمداد الفتاوى، تهانوى (حضرت مولانا اشرف على تهانوى) كراچي، مكتبة دارالعلوم كراچي ۱۳
- * ابحاث هيئة كبار العلماء بالمملكة العربية السعودية، طبع اول ۱۴۰۹ھ

- ✽ اقرب الموارد، الشرتونی (علامة سعيد الخوري الشرتونی) لبنان، دار الاسوة للطباعة والنشر، طبع اول ۱۳۷۴ھ
- ✽ ابو داود فی کتاب البيوع، باب ۱۲، ۱۷، الترمذی فی کتاب البيوع، باب ۴۲-۴۳۔
- ✽ إعلاء السنن، العثماني (علامة ظفر احمد العثماني) كراتشي، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية
- ✽ احسن الفتاوى، لدهيانوى (مفتى رشيد احمد صاحب) كراچى، ايچ ايم سعيد، پاکستان چوك، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- ✽ البلاغ، شماره جمادى الاولى ۱۴۲۲ھ دارالعلوم كراتشى ۱۴
- ✽ ايضاح المسالك، الونشريسي (ابو العباس احمد بن يحيى) متحدة عرب إمارات، رباط، التراث الإسلامى، طبع اول ۱۹۸۰ء
- ✽ الانصاف، المرادوى (علاء الدين ابى الحسن على بن سليمان) طبع اول ۱۳۷۶ھ
- ✽ اوجز المسالك، الكاندهلوى (شيخ الحديث مولانا محمد زكريا) ملتان، ادارة تاليفات اشرفيه

ب

- ✽ بدائع الصنائع فى ترتيب الشرائع، الكاسانى (العلامة علاء الدين ابوبكر الكاسانى) كراچى ايچ ايم سعد، طبع اول ۱۳۲۸ھ
- ✽ بخارى، كتاب الطلاق
- ✽ البحر الرائق شرح كنز الدقائق، ابن نجيم (الشيخ العلامة زين الدين بن ابراهيم متوفى ۹۷۰ھ) بيروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۴۱۸ھ
- ✽ بلوغ الامانى على الفتح الربانى، الساعاتى (احمد عبدالرحمن البنا) مصر، مطبعة الفتح الربانى، طبع اول ۱۳۵۶ھ
- ✽ بهجة المشتاق بحواله احكام الأوراق النقدية للجمعيد
- ✽ بهشتى زيور التهانوى (مولانا اشرف على) كراچى، دار الاشاعت، آرام باغ

- * البنک اللاربوی فی الإسلام، السيد محمد باقر الصدر، بیروت، دارالتعارف، طبع ششم، ۱۴۰۰ھ
- * البلاغ، شماره جمادی الاولیٰ ۱۴۲۲ھ دارالعلوم کراچی ۱۴
- * بحوث فی قضایا فقہیة معاصرة، العثماني (محمد تقی العثماني) کراتشي، مکتبه دارالعلوم کراتشي، طبع جدید ۱۴۲۶ھ
- * بحوث فی الربا، الإمام ابو زهرة، بیروت، دار الفکر العربي-

ت

- * تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق، الزیلعی (الإمام فخرالدین عثمان بن علی الزیلعی الحنفی) بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول ۲۰۰۰ء ”یعنی إذا وجد معدن ذهب أو فضة وهو المراد بالنقد أو حديد... الخ۔“
- * تحفة المحتاج، الہیتمی (العلامة ابن حجر الہیتمی الشافعی)
- * تحریر الفاظ التنبیہ، النووی (محمی الدین یحییٰ بن شرف النووی) دمشق، دارالقلم، طبع اول ۱۴۰۸ھ
- * تعارف زَر و ہنکاری، شیخ مبارک علی، ریسرچ سکارل اوسلو یونیورسٹی، تروے، رہبر پبلشرز کراچی، طبع اول ۱۹۹۱ء
- * تطور النقود فی ضوء الشريعة الإسلامية، الحسنی (الدكتور احمد حسن احمد الحسنی) جددة، دار المدنی، طبع اول ۱۴۱۰ھ
- * تکملة فتح الملہم شرح صحیح مسلم (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مکتبه دارالعلوم کراچی ۱۴ طبع اول ۱۴۰۵ھ
- * تلخیص الحبیر، العسقلانی (علامة ابن حجر العسقلانی المتوفی ۸۵۲ م) الرياض، مکتبه نزار مصطفى الباز، طبع اول ۱۴۱۷ھ
- * تهذیب الأسماء واللغات، النووی (ابو زکریا محی الدین بن شرف النووی المتوفی ۶۷۶ھ) مصر، ادارة الطباعة المنيرية

- * تنویر الابصار متن الدر المختار، التمر تاشی (محمد بن عبداللہ بن احمد الخطیب التمر تاشی الغزی المتوفی ۹۳۹ھ) بیروت، دار إحياء التراث العربی، طبع اول ۱۴۱۹ھ
- * تحفة الفقهاء، السمرقندی (علامة علاء الدین المتوفی ۵۳۹ھ) دمشق، مطبعة جامعة دمشق، طبع اول ۱۳۷۷ھ
- * تنبيه الرقود على مسائل النقود، ضمن رسائل ابن عابدين، لاهور، پاکستان، سهيل اكيذمي ۱۹۷۶ء
- * تحفة المحتاج مع حاشية الشرواني، الهيتمي (علامة احمد بن حجر الهيتمي الشافعي) تدریب الراوی للسیوطی ص: ۲۵ طبع المدینة المنورة

ج

- * جدید فقہی مباحث، قاسمی (مولانا مجاہد الاسلام قاسمی) کراچی، إدارة القرآن والعلوم الإسلامية، جلد دوم
- * جہاد فی رفع بلو الربا، الشیخ (محمد خاطر محمد الشیخ) مصر، مطابع الازھرام التجاریة، القاهرة
- * جريدة البلاد السعودية، العدد: ۲۹۱۷ (۱۳۷۸/۶/۲۲ھ)
- * جامع الاصول، ابن الأثیر الجزری (الإمام مجد الدین ابی السعادات المبارک بن محمد المتوفی ۶۰۶ھ) حلوان، مكتبة الحلواني، طبع ۱۳۸۹ھ

ح

- * حواشی الشروانی بن قاسم العبادی
- * الحاوی للفتاوی، السیوطی (علامة جلال الدین عبدالرحمن بن ابی بکر السیوطی المتوفی ۹۱۱ھ) بیروت، المكتبة العصرية، طبع اول ۱۴۱۱ھ
- * حاشية الدسوقي

- * حاشیہ جامع الاسرار فی المنار للنسفی للکاکبی، الافغانی (فضل الرحمن عبدالغفور الأفغانی)
- * حکمة التشريع الإسلامی فی تحریم الربا، ڈاکٹر یوسف حامد العالم، دار جامعة ام درمان الإسلامیة، طبع اول ۱۴۰۳ھ

خ

- * الخرشی علی سیدی خلیل، الخرشی (محمد الخرشی المالکی) بیروت، دار الصادر
- * الخيار واثرة فی العقود، ابو غدة (الدكتور عبدالستار ابو غدة) الكويت، مطبعة مقهوی، طبع دوم ۱۴۰۵ھ

د

- * الدر المختار للحصکفی شرح تنویر الابصار للتمر تاشی و متن رد المحتار لابن عابدين المعروف بالشامی
- * دائرة معارف القرآن، وجدی (محمد فريد وجدی) مطبعة دائرة معارف القرآن ۱۳۵۷ھ
- * الدایة فی تخريم احاديث الهداية، العسقلانی (العلامة ابن حجر العسقلانی المتوفى ۸۵۲ھ) پنجاب، شیخوپورہ، المكتبة الاثرية، پاکستان

ر

- * الربا خطرہ وسبيل الخلاص منه، الحماد (الدكتور حمد بن عبدالعزيز الحماد)، مصر، مطبعة المدني، طبع اول ۱۴۰۳ھ
- * رد المحتار الشامی (محمد امين بن عابدين الشامی م ۱۲۵۲ھ) مطبع مذکوره، طبع اول ۱۴۱۹ھ
- * روضة الطالبين، النووی (علامة محي الدين بن شرف النووي) بيروت، المكتب الإسلامی، طبع م ۱۴۰۵ھ
- * رسالة بحث ونظر ص: ۱۱۵، شماره اپریل، مئی، جون، ۱۹۹۰ء

ز

- * زَر اور بنکاری، شیخ عطاء اللہ، لاہور، کشمیر بازار، طبع اول ۱۹۵۳ء
- * زاد المحتاج شرح المنہاج، الکوهجی (الشیخ عبداللہ بن الشیخ حسن الحسن الکوهجی) قطر، طبع اول ۱۴۰۲ھ

س

- * السیاسیة النقدیة والمصرفیة فی الإسلام، الترمکمانی (الدکتور عدنان خالد الترمکمانی)، بیروت، مؤسسة الرسالة، طبع اول ۱۴۰۹ھ
- * سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارة ثقافت اسلامیه لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء
- * سورة البقرة آیت: ۲۷۶
- * سنن ابی داود
- * سورة الشعراء آیت: ۱۸۱
- * سورة هود آیت: ۸۵
- * سورة التطفیف
- * سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام، مؤلفہ ڈاکٹر مفتی عبد الواحد سے لئے گئے ہیں، دارالافتاء جامعہ مدنیہ، کریم پارک، راوی روڈ، لاہور پاکستان
- * سنن ابی داود، السجستانی (سلیمان بن الأشعث بن اسحاق السجستانی) البیوع

ش

- * شرح الصاوی للشیخ محمد ابراہیم المبارک، بحوالہ احکام الأوارق النقدیة والتجاریة للجمعیة
- * شرح الحافظ ابن القیم علی سنن ابی داود مع عون المعبود، بیروت، دار الکتب العلمیة

- * شرح منہ الجلیل (علامة محمد علیش)
- * الشرح الصغير على اقرب المسالك إلى مذهب الإمام مالك، الدردير (العلامة ابو البركات احمد بن محمد بن احمد الدردير) مصر، دار المعارف
- * شرح المجلة، الاتاسی (العلامة محمد خالد الاتاسی) پاکستان، کوئٹہ، مکتبہ اسلامیہ

ص

- * صحیح مسلم، القشیری (ابو الحسین مسلم بن الحجاج القشیری) باب المساقاة
- * صحیح البخاری، البخاری (ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل البخاری) کتاب المساقاة

ط

- * الطبرانی الكبير، الطبرانی (سليمان بن أحمد م ۳۶۰ھ)

ع

- * عقد الجواهر الثمينة، ابن شاس (جلال الدين عبد الله بن نجم ابن شاس المتوفى ۶۱۶ھ) دار الغرب الإسلامي، طبع اول ۱۴۱۵ھ
- * عزيز الفتاوى، مفتى عزيز الرحمن صاحب، کراچی، دار الاشاعت کراچی، طبع اول ص: ۶۳۶
- * عطر الهداية، لکھنوی (بحر العلوم مولانا فتح محمد صاحب لکھنوی) مکتبہ نشر القرآن دیوبند، یوپی، ہندوستان
- * عقود التورید والمناقصة، مخطوطہ، جامعہ دارالعلوم کراچی
- * العقود الدیة فی تنقیح الفتاوی الحامدیة، شامی (علامة محمد امين المعروف بابن عابدین) بیروت، دار المعرفه، طبع دوم

ف

- * فتاوی رشیدیہ، مولانا مفتی رشید احمد گنگوہی

- * فتاویٰ رضویہ، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) کراچی، مدینہ پبلشنگ کمپنی، ایم اے جناح روڈ کراچی
- * فتح القدير شرح الهداية، ابن الهمام (الإمام محمد بن عبد الواحد بن الهمام) کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ
- * فتوح البلدان، البلاذری، (احمد بن یحیی البلاذری) القاهرة، مکتبہ النهضة المصرية
- * الفقه الإسلامی وأدلته، الزحلی (الدكتور وهبه الزحلی) بیروت، دار الفكر
- * الفتاویٰ السعدیة، السعدی (الشیخ عبدالرحمن الناصر السعدی) السعودیة، الرياض، مکتبۃ المعارف، طبع دوم ۱۹۸۲ء
- * الفتاویٰ العالمگیریة، جماعة من العلماء الكبار، کوئٹہ، مکتبہ رشیدیہ، طبع دوم، ۱۳۰۲ھ
- * الفتاویٰ الخانیة علیٰ هامش العالمگیریة
- * الفروع لابن مفلح
- * فقہی مقالات، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مبین اسلامک پبلشرز کراچی ۱۹۹۳ء

ق

- * القاموس الفقہی لفة واصطلاحا، سعدی ابو حبيب
- * القوانین الفقہیة، الجزی (ابو القاسم محمد بن محمد احمد الجزی المالکی متوفی ۷۳۱ھ) بیروت، دار القلم، طبع اول ۱۹۷۷ء
- * قرارات، قرار ۳۱/۳ جدقة، السعودیة العربیة
- * القاموس الإقتصادی، النجفی (حسن النجفی) بغداد، مدیریة مطبعة الإدارة المحلیة ۱۹۷۷م

ک

- * کشف الخفاء، الجراحی (اسماعیل بن محمد العجلونی الجراحی م ۱۱۶۳ھ) بیروت، مؤسسه الرسالة، طبع سوم ۱۳۰۳ھ (۱۶۳/۲)

- ✽ کنز الدقائق مع البحر، النسفی (الإمام ابو البركات عبد الله بن احمد بن محمود المعروف بحافظ الدين النسفی المتوفى ۱۰۷۱ھ) بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۸ھ
- ✽ کتاب معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی، طبع ۱۹۸۲ء علمی کتاب خانہ
- ✽ کاغذی نوٹ اور کرنسی کا حکم، عثمانی (جسٹس مفتی محمد تقی عثمانی) کراچی، مبین اسلامک پبلشرز، طبع اول ۱۹۹۳ء
- ✽ کتاب سود کی متبادل اساس، شیخ محمود احمد، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء
- ✽ کنز العمال، المتقی (علاء الدین علی المتقی الہندی) عدد الحدیث ۳۶۶۹
- ✽ کفل الفقہ القاہم فی احکام القرطاس والدرہام، بریلوی (مولوی احمد رضا خان بریلوی) لاہور، شبیر برادرز، اردو بازار لاہور
- ✽ کتاب الروایتین والوجهین لابی یعلیٰ
- ✽ کشاف القناع، البهوتی (العلامة منصور بن یونس المتوفى ۱۰۵۱ھ) السعودیة العربیة، مطبعة الحكومة بمكة ۱۳۹۴ھ
- ✽ کتاب الکافی فی فقہ اهل المدينة المالکی، القرطبی (ابو عمر یوسف بن عبد الله بن محمد بن عبد البر النمر القرطبی) السعودیة، الرياض، مكتبة الرياض الحدیثیة، طبع دوم ۱۴۰۰ھ
- ✽ الکافی، ابن قدامة المقدسی، بیروت، المکتب الإسلامی، طبع سوم ۱۴۰۲ھ (۱۲۵/۲)
- ✽ کشف القناع عن متن الاقناع، البهوتی (منصور بن یونس البهوتی المتوفى ۱۰۴۶ھ) مكة المكرمة، مكتبة الحكومة ۱۳۹۴ھ

ل

- ✽ لسان العرب، ابن المنصور متوفى ۷۱۱ھ، بیروت دار إحياء التراث العربی، طبع اول ۱۴۰۸ھ

م

- * مجمع الزوائد، الہیتمی (الحافظ نور الدین علی بن ابی بکر الہیتمی م ۸۰۷ھ)
بیروت، لبنان، دار الكتاب، طبع دوم ۱۹۶۷ء
- * مجلة مجمع الفقه الإسلامي، العدد السابع، ۲/۲۱۷، قرار رقم ۷/۲/۶۶ فقہ ۳،
بحوالہ "بحوث" فی قضایا فقہیہ معاصرۃ المجلد الثانی
- * مجلة مجمع الفقه الإسلامي الدورة السادسة، العدد السادس، الجزء الثاني ص: ۷۲۵،
قرار رقم ۶/۱۱/۷۶۲
- * المغنی والشرح الكبير، ابن القدامة (عبدالله بن قدامة) السعودية، مكتبة الرياض،
۱۳۰۳ھ
- * مجموع الفتاوى ابن تيمية (شيخ الإسلام احمد بن تيمية) السعودية، مطابع الرياض،
طبع اول ۱۳۸۳ھ
- * مقدمة في النقود والبنوك، الدكتور محمد زكي شافعي، بيروت، دار النهضة العربية،
طبع هفتم
- * الموطأ للإمام محمد رحمه الله، باب الرجل يكون له العطايا أو الدَّين على الرجل فيبيعه
المعايير الشرعية ص: ۱۵، ۱۳۲۱ھ هيئة المحاسبة والمراجعة، بحرین
- * مجموعة الفتاوى لابن تيمية (شيخ الإسلام احمد بن تيمية) السعودية، مطابع
الرياض، طبع اول ۱۳۸۲ھ
- * مغنی المحتاج، الشربینی (الشیخ محمد الشربینی الخطیب) بیروت، دار إحياء
التراث العربي
- * المدونة الكبرى، الاصبحي (الإمام مالك بن انس الاصبحي المتوفى ۱۷۹ھ)
بیروت، دار الكتب العلمية، طبع اول ۱۳۱۵ھ
- * المجموع شرح المذهب، النووی (الإمام ابو زكريا محي الدين بن شرف النووی)
بیروت، دار الفكر

- * المعیار المغرب، الونشریسی (احمد بن یحییٰ المتوفیٰ ۹۱۴ھ) بیروت، دار الغرب
الإسلامی ۱۴۰۱ھ
- * مجمع الأنهر فی شرح ملتقى الأبحر، الشیخی زاده (العلامة عبدالرحمن بن محمد بن
سلمان المتوفیٰ ۱۰۷۸ھ) بیروت، دار الکتب العلمیة، طبع اول ۱۴۱۹ھ (۱۶۱/۳)
- * مجلة مجمع الفقه الإسلامی، الدورة الخامسة، العدد الخامس، الجزء الثالث ۱۴۰۹ھ
- * المتطلبات الشرعية لصیغة المرابحة للأمر بالشراء، بحرین (۱۶)
- * معاشیات، حبیب الرحمن، مکتبہ فریدی، اردو کالج اسپتال روڈ، طبع اول ۱۹۵۳ء
- * معاشیات، پروفیسر محمد منظور علی، لاهور، علمی کتب خانہ، حصہ دوم ص: ۱۲۷
- * معاشیات کے ابتدائی اصول، لاهور، قومی کتب خانہ، طبع سوم ۱۹۵۴ء ص: ۲۶۴
- * المعاملات المالية المعاصرة فی الفقه الإسلامی، الدكتور محمد عثمان شبیر، اردن،
دار النفاث، طبع سوم ۱۴۱۹ھ
- * مسلم، کتاب المساقاة
- * مصنف عبدالرزاق
- * المبسوط، السرخسی (شمس الدین السرخسی) بیروت، دار المعرفة، ۱۴۱۴ھ
- * مجموعة الفتاوى، لکھنوی (مولانا عبدالحمید) کراچی، ایچ ایم سعید، پاکستان چوک
- * مجلة البحوث الإسلامیة، العدد الاول من المجلد الاول
- * مسئلہ سود (ص: ۱۵) ادارة المعارف کراچی طبع جدید ۱۳۹۹ھ
- * مستدرک حاکم، الحاکم، (محمد بن عبدالله الحاکم م ۴۰۵ھ) بیروت، دار الکتب
العلمیة ۱۴۱۱ھ
- * مسند احمد بن حنبل
- * مباحث العلة فی القیاس عند الاصولیین، الہیتی (عبدالحکیم عبدالرحمن السعد
السعدی الہیتی العراقی) بیروت، لبنان، دار البشائر الإسلامیة، طبع اول ۱۴۰۶ھ
- * المقدمات المسببات! ابن رشد المالکی (ابو الولید محمد بن احمد القرطبی
م ۵۲۰ھ)

- * المحلي، ابن حزم (ابو محمد علي بن احمد بن سعيد ابن حزم، م ۳۵۶ھ)
ادارة الطباعة المنيرية، مصر، طبع اول ۱۳۵۰ھ
- * المغرب في ترتيب المعرب، المطرزي (ابو الفتح ناصر الدين عبد السيد بن علي
المطرزي المتوفى ۶۱۶ھ) بيروت، دار الكتب العربي
- * موسوعة المصطلحات الاقتصادية والإحصائية، هيكل (الدكتور عبدالعزيز فهمي
هيكل) بيروت، دار النهضة العربية ۱۹۸۰م

ن

- * نصب الراية، الزيلعي (العلامة جمال الدين ابو محمد عبدالله الزيلعي الحنفي
المتوفى ۷۶۲ھ) لبنان، مؤسسة الريان، طبع اول ۱۳۱۸ھ
- * النقود الاتثمانية، العمر (ابراهيم بن صالح العمر) بيروت، دار العاصمة ۱۳۱۳ھ
- * نسمات الاسحار على المنار، الشامي (علامة ابن عابدين الشامي) كراچی، ادارة
القرآن والعلوم الإسلامية، طبع سوم ۱۳۱۸ھ
- * نيل الاوطار، الشوكاني (محمد بن علي بن محمد الشوكاني، م ۱۲۵۵ھ)
- * نهاية المحتاج إلى شرح المنهاج، الرملي (شمس الدين محمد بن ابي العباس الرملي
المتوفى ۱۰۰۴ھ) بيروت، إحياء التراث العربي

ذ

- * الهداية مع الفتح، المرغيناني (شيخ الإسلام برهان الدين ابو الحسن ابوبكر
المرغيناني المتوفى ۵۹۳ھ) كوئٹہ، پاکستان، مكتبه رشديه

English Books

A

- * An Introduction to Islamic Finance

E

- * Encyclopaedia of Britannica V:3, p:722

F

- * Footnotes on Introduction to Economics Principles

G

- * Glossary; Banking and Finance, English-English-Urdu, Shakil Faruqi Student Edition, State Bank of Pakistan, Institute of Bankers Pakistan, Lahore School of Economics

H

- * The Historic Judgment on Interest, Usmani, (Justice Muhammad Taqi Usmani) Karachi, Idartul-Ma'arif, 1st edition, 2000 A.D

I

- * Introduction to Economics Principles, Dr. A. N. Agarawal, Kitab Mahal, 1983

M

- * Modern Economics Theory, Dewett, Kewal, Krishan, India Delhi, Eighteen revised edition, 1983, p:409

N

- * The New Encyclopaedia Britannica v:10, p:595

S

- * Sharia Standards 1423 AH. 2002, Accounting and Auditing Organization for Islamic Financial Institutions

T

- * The Theory of Money and Credit. Mises, Ludwig Von Mises

